UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226400
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۲۹۰/ ک د Accession No. ۱۳۳۴۶
13346

Author دیش بکت

Title مذاہب اور انسانیت

This book should be returned on or before the date last marked below.

مذاہب اور انسانیت

مصنفہ

دیش بھگت لالہ ہردیال ایم-اے پی ایچ ڈی

پبلشرز

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز

لوہاری دروازہ لاہور

پہلی بار — سنہ ۱۹۳۸ء — قیمت ۱۲/

فہرست مضامین

دیباچہ — از مصنّف — ۳
پہلا باب .. .. پارسی دھرم ۵
دوسرا باب .. .. یہودی دھرم ۲۰
تیسرا باب .. .. شنٹو دھرم ۳۹
چوتھا باب .. .. طائی دھرم ۴۷
پانچواں باب .. .. کنفوشین دھرم ۶۴
چھٹا باب .. .. ہندو دھرم ۹۵
ساتواں باب .. .. جین دھرم ۱۲۴
آٹھواں باب .. .. بودھ دھرم ۱۳۳
نواں باب .. .. عیسائی دھرم ۱۸۹
دسواں باب .. .. اسلام دھرم ۲۱۵
گیارھواں باب .. صوفی دھرم یا تصوف ۲۲۸
بارھواں باب .. انسان دھرم ۲۴۴
نوٹس و حوالہ جات ۲۷۸
مختصر حالات "موڈرن کلچر انسٹی ٹیوٹ" یعنی "ادارہ تہذیب جدید" ۲۸۰

دیباچہ از مُصنّف

اس مختصر سی تصنیف میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ زمانۂ حال کے مذہب "انسانی دھرم" (HUMANISM) کے نقطۂ خیال سے دُنیا کے بارہ مشہور مذاہب میں وہ عنصر کتنا کچھ ہے۔ جس کی کچھ قدرو قیمت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انسانیت کی نشوونما کے سلسلہ میں جن نئے خیالات کا ظہور ہو رہا ہے۔ اُن کا مقصد بھی ان پُرانے مذہبوں کے مقصد کی تکمیل ہی ہے۔ اِس لئے میں نے اس کتاب میں اُن قابل اعتراض پہلوؤں کی طرف نہایت ہی مختصر الفاظ میں اشارہ کر کے ان کے اوصاف اور خوبیوں پر ہی زیادہ روشنی ڈالی ہے۔ تاکہ بہی خواہانِ انسانیّت (HUMANISTS) اور دیگر اصحاب اِن سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

ریچ وئیر

نومبر ۱۹۳۷ء

"ہردیال"

مذاہب اور انسانیت

۱- پارسی دھرم

پارسی دھرم ایک بہت ہی پرانا دھرم ہے۔ اور اس نے دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت ضروری حصہ لیا ہے۔ یہودیت اور مینیشی دھرم (MANICHEISM) نے بھی اپنے کچھ اصول اسی سے اخذ کئے ہیں۔ اس کے نقائص کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی آسنگھنا باحقانیت (THAISM) یعنی امی شسپنتس، فراوشس، انگرامینیو۔ یزتس (ANIISHASPENTAS, FRAVASHIS, ANGRA MAINYU, YAZATAS) وغیرہ وغیرہ بہت سی فوق البشر ہستیاں شامل ہیں۔ سزا و جزا کے مسئلہ میں دوزخ و بہشت کا ذکر ہے۔ گومترا اور کمربند یا پٹکہ (CYIROLE) خاص مذہبی علامات کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ مذہبی رواداری کم ہے۔ لاشوں کو ایک خاص مقام میں رکھ کر جانوروں اور پرندوں کی نذر کر

دیا جاتا ہے۔ آگ اور سورج کی پرستش کی جاتی ہے۔ نیز معجزات اور ساوشیَنت (SAOSHYANT) پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ؂

حضرت زردشت اس مذہب کے بانی کا زمانہ حضرت مسیح کے چھ ہزار سال پہلے سے لے کر چھ سو سال پہلے تک قائم کیا جاتا ہے۔ لیکن روائتی تاریخ ۶۶۰ سے ۵۸۳ سال قبل مسیح تک کی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ۷۷ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی ہے۔

حضرت زردشت نے بتارہ سال کے مطالعہ، ریاضت اور سیاحت کی محنت شاقہ سے اپنے آپ کو اپنے مشن کے لئے تیار کیا۔ جوانی میں آپ نہایت فیاض طبع اور رحمدل تھے۔ ایک ایرانی مؤرخ رقمطراز ہے کہ آپ بظاہر و پوشیدہ لوگوں کا بہت بھلا کرتے رہتے۔ جب کبھی کوئی ایسا شخص ملا۔ جو بغیر پوچھے اپنی تکلیفات و ضروریات کو کسی پر ظاہر نہ کرتا تھا۔ تو آپ نے ضرور ہی ہر طرح اس کی مدد فرمائی۔ آپ جب کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے تھے۔ تو اس کے ساتھ ہمدردی کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اور خوراک، کپڑا وغیرہ جو کچھ بھی وہ مانگتا تھا۔ وہی اُسے عطا کرتے تھے ؂

آپ نے مشرقی ایران سے اپنے نئے دھرم کا پرچار شروع کیا۔ لیکن دس سال کی لگاتار محنت سے صرف ایک شخص کو اپنا معتقد بنا سکے۔ مگر پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ کسی نئے ہادی و رہنما کے لئے اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن امتحان اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس زمانے کے تعلیمی معیار کے مطابق آپ ایک اچھے تعلیم یافتہ شخص کہے جا سکتے تھے۔ شاہِ وشتاسپ (VISHTASPA) والئے ایران نے آپ کا مرید ہو کر آپ کے مذہب کو ایران کا راج دھرم بنایا ؂

روایت ہے۔ کہ شاہِ وشتاسپ نے آپ سے زمانہ قدیم کی تاریخ اور علوم و فنون کے متعلق بہت سے سوالات کئے۔ اور سب کا صحیح صحیح و قابلِ اطمینان جواب پا کر آپ کے حلقہ مریدی میں داخل ہو گیا۔ پارسی دھرم کی قدیم ترین گاتھائیں (مذہبی

منظوم روایات) میں آپ کو نہایت باہمّت اور زبردست ریفارمر ظاہر کیا گیا ہے ایک موقعہ پر آپ فرماتے ہیں :-

"خواہ میں کسی بھی ملک میں بھاگ کر چلا جاؤں - اُمراء و شرفاء کا طبقہ مجھ سے گھبرا کر پہلو بچاتا ہے - اور عوام بھی مجھ سے خوش نہیں .... لیکن میں جانتا ہوں کہ مجھ میں کیا کمزوری ہے - جس کی وجہ سے مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی"۔

مگر آخر آپ کامیاب ہوئے اور خوب کامیاب ہوئے - بہت سے پُر جوش اور سرگرم مریدوں نے آپ کے عقائد کا پرچار کیا - اور سنہ عیسوی کی ساتویں صدی تک آپ کا مذہب فارس کا شاہی و قومی مذہب بنا رہا - آج کل بھی ایران اور ہندوستان میں اس مذہب کے پیرو نہایت محدود سی تعداد میں ملتے ہیں :

۱ - جسمانی نشو و نما

پارسی یا زردشتی دھرم مادی جسم سے نفرت نہیں کرتا - اور نہ اُس سے لاپروائی ہی روا رکھتا ہے - مگر ضعیف الاعتقادی پیدا کرنے والی (MYSTICISM) پُراسرار عرفانیّت نیز نمائشی زہد و تقوے یعنی تیاگ اور ویراگ (ASCETICISM) کا بہ سخت مخالف ہے - ذاتی و مجلسی حفظانِ صحت کے متعلق "وینڈی داد" (VENDIDAD) میں جو قواعد درج ہیں - وہ نہایت اعلےٰ ہیں - ڈاکٹر ایم - این ڈھلا (Dr. M. N. DHALLA) ان کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تصنیف "پارسی تہذیب" (ZORASTRIAN CIVILIZATION) میں فرماتے ہیں کہ :-

"رُوح اس وقت تک محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی - جب تک کہ وہ ایک تندرست جسم میں مقیم نہ ہو - جسمانی صفائی کے متعلق "وینڈی داد" میں جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں - وہ اب تک حفظانِ صحت کا معیار سمجھے جاتے ہیں .... جسم کو غسل کے ذریعہ صاف

رکھنا چاہیئے۔ اور اپنے دلیں کو بار بار دھوتے رہنا چاہیئے۔ ان اغراض کے لیے جو پانی استعمال ہو۔ اس کی پاکیزگی اور صفائی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ تازہ وصاف ہوا اور روشنی بھی نہایت قابل قدر چیزیں ہیں۔ اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے کہ سورج کی روشنی اور دھوپ تمام کائنات کو صاف و پاک کرنے والی ہے"

بندی داد کا قول ہے۔ کہ

"ناپاک ہاتھوں کو پاک وصاف کئے بغیر جو بھی نیک کام کئے جاتے ہیں۔ ان کا کچھ بھی ثواب نہیں ملتا"

صحت و صفائی کے متعلق پارسی دھرم کی جو تعلیم ہے۔ "انسانی دھرم" یعنی مذہب انسانیت اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنے جسم سے محبت کرنی چاہیئے۔ اور ہر طرح اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایک نہایت ہی نادر تحفہ ہے۔ جو ہمیں قانون ارتقا کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ یہی وہ "ہزار تاروالا ستار" ہے۔ جس پر ہم اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ آدرش کے دل خوش کن اور پر سرور راگ گا سکتے ہیں۔ اس لئے بعض مذاہب کے دھرم گرنتھوں میں اس مادی جسم کے خلاف جن ترش و تلخ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ انہیں ہم کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ جسم بھی ہماری ہستی اور شخصیت کا ویسا ہی زبردست حصہ ہے۔ جیسا کہ دماغ، جذبات اور ضمیر۔ اسی لئے ہم جسم کا درجہ بھی شخصیت کے تمام دیگر اجزا و عناصر کے ہر طرح برابر سمجھتے ہیں۔ اور ہم اسے روح کا بوجھ ڈھونے والا یعنی اس کا گدھا یا سخت تکلیف دینے والا ناپاک زخم ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ بلکہ اپنی انسانی شخصیت کے لئے ایک قابل رہائش گھر سمجھ کر اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی ترقی، نشو و نما، تندرستی، خوبصورتی، پائیداری اور مضبوطی کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہیں۔ جیسا کہ انگریزی کے مشہور شاعر رابرٹ براؤننگ

(ROBERTS BROWNING) نے کہا ہے :-

AS THE BIRD WINGS & SINGS
LET US CRY "ALL GOOD THINGS
ARE OURS, NOR SOAL HELPS FLESH, MORE
NOW, THAN FLESH HELPS THE SOUL.

ترجمہ - جیسے پرندے اُڑتے ہیں اور گاتے ہیں - ویسے ہی ہم بھی یہ گیت گائیں کہ دُنیا کی سبھی اچھی اچھی چیزیں ہمارے لئے ہیں - رُوح سے جسم کو جتنی مدد ملتی ہے - وہ اس مدد کی نسبت کچھ بہت زیادہ نہیں - جو جسم سے رُوح کو ملتی ہے ؛

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے - کہ ہر ایک اچھے مذہب کو تندرستی اور حفظانِ صحت کے قواعد کی تعلیم دینی چاہیئے - اگر آپ کسی بے اعتدالی یا لاپرواہی سے بیمار ہو جائیں تو بطور ایک مجلسی مجرم کے آپ کی خدمت کی جانی چاہیئے - کیونکہ ایک بیمار آدمی صرف خود ہی تکلیف نہیں اُٹھاتا - بلکہ دوسروں کو بھی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے - بیماری پھیلاتا ہے - اور سوسائٹی کو اقتصادی طور پر نقصان پہنچاتا ہے - جس بیماری سے انسان ایک معمولی سی احتیاط مدنظر رکھ کر بچ سکتا ہے - وہ کوئی بدنصیبی نہیں - بلکہ بدچلنی و بدکاری ہے ہم بھی خواہانِ انسانیت قدرتی طریقِ علاج کے ماہرین اور دیگر عالموں کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کر کے اُن سے جسمانی نشوونما کے بہترین قواعد سیکھتے ہیں - ہمارا یہ مقصد صرف اسی صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جبکہ ہمارا جسم اچھی طرح کام کر سکتا ہو - ہم مہاکوی کالی داس کی اس نصیحت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے - کہ

" ہمارا جسم ہی تکمیل فرائض اور نیک کام کرنے کا سب سے پہلا ذریعہ ہے "

۲- پاکیزگی

پارسی دھرم خیال، قول و فعل کی پاکیزگی پر بھی بہت زور دیتا ہے" وینڈی داؤ" میں لکھا ہے۔ کہ

"زندگی سے دوسرے درجہ پر پاکیزگی انسان کے لئے سب سے زیادہ بھلائی کرنے والی ہے"

پارسی دھرم نے پاکیزہ خیال۔ قول فعل (ہماتا۔ ہختہ۔ ہواستا) —— (HUMATA، HUKHTA، HVASTA) کی جو تثلیث قائم کی ہے۔ وہ دنیا کے اخلاقی علم ادب کا ایک قابل قدر حصّہ ہے۔ پارسی دیو مالا (مائی تھالوجی) میں "ووہو ماناہ" (پاکیزہ خیالی کے دیوتا) کی تخصیص نہایت طاقتور مانی گئی ہے۔ دیکشا سنسکار (مربدی) کے وقت ہر ایک بچہ یہ کہتا ہے کہ :-

"میں قول و فعل کی پاکیزگی میں ایمان رکھتا ہوں"۔

زردشت نے پاکیزگی کے حق میں جو آواز بلند کی ہے۔ وہ اس زمانے میں بھی بہرے کانوں سے نہ سُنی جانی چاہیئے۔ کیونکہ ہم آج کل ایک ایسے زمانہ میں سے گذر رہے ہیں۔ جو اخلاقی انقلاب کا زمانہ ہے۔ جبکہ پرانے آدرش مُردہ ہو چکے ہیں یا مرتے جا رہے ہیں۔ اور نئے خیالات پیدا ہونے کی کشمکش میں ہیں۔ لیکن جس طرح ایک ہوشیار دائی ایک نئے پیدا ہونے والے بچے کو دنیا میں جنم لینے میں مدد دیتی ہے۔ اسی طرح انسانی دھرم بھی اِن خیالات کو دنیا میں پیش کر رہا ہے۔ مگر موجودہ زمانے کی اخلاقی گڑبڑ نے بقول لارڈ ہیون سون بائی" بے شکل یا پوشیدہ مغلظات (FORMLESS OBSCENITY) کے سوداگروں کے لئے ہر طرف ایک بازار کھول دیا ہے۔ بہت سے چالاک مصنّفوں نے "حقیقت نگاری" (REALISM) کے پردے میں شب معاشرت کے متعلق تصنیفات و تالیفات

کی بھرمار سے اپنی فحش نویسی میں کمال کر دکھایا ہے ۔ وہ درحقیقت کسی دماغی خرابی میں مبتلا ہیں ۔ ورنہ کوئی معمولی سمجھ بوجھ کا اہلِ قلم کبھی بھی اس غلاظت میں یوں لوٹنا اور لڑھکتا پسند نہ کرے گا ۔ اگر حقیقت نگاری درحقیقت اس فحش نویسی اور گندہ بیانی کا ہی نام ہے ۔ تو ہم اس سے محروم رہنا ہی ہزار درجہ خوش قسمتی سمجھتے ہیں لیکن یہ بدباطن تو "حقیقت نگاری" کو بھی فضول ہی بدنام کرتے ہیں بھلا ان لوگوں میں وہ اسبن ۔ بالزیک ۔ زولا اور شا (ISBEN, BALZAC, ZOLA AND SHAW) جیسی پاکیزہ سپرٹ اور ماہرانہ قابلیت کہاں؟ جو حقیقت نگاری کا دعویٰ کر سکیں ۔ وہ سب یقیناً اس تعفن انگیز فحش نگاری کے پس زینہ سے اپنی عالمگیر شہرت و ناموری کی بلند و بالا منزل تک نہیں پہنچے ۔ یہہ سب فحش نویس مصنّف خود تو ذلیل و خوار ہیں ہی ۔ وہ اپنے ناظرین کو بھی ذلیل کرتے ہیں اور وہ ناظرین آگے یہ چھوت اوروں میں پھیلا پھیلا کر اس بد اخلاقی اور ذلت و خواری کے دائرہ کو روز بروز زیادہ سے زیادہ وسعت دیتے جا رہے ہیں ۔ جو نوجوان مرد اور عورتیں اس فحش خیالی اور بداعمالی کی خیالی دنیا میں دن رات زندگی بسر کر رہے ہیں بھلا اپنی زندگی میں شرافت و پاکیزگی کے کسی پاک جذبہ کو کس طرح مناسب نشوونما دے کر کسی زبردست اور ترقی کن تحریک میں کب کوئی حصّہ لے سکتے ہیں ؟ کیونکہ زندگی کے متعلق اُن کا نظریہ اپنی جڑ بنیاد سے بگڑ کر ایک بالکل ہی الٹی روش اختیار کر چکا ہے ۔ اس جدید ادبی چاہ بچہ سے شب و روز گندے اور زہریلے ابخرات اٹھ اٹھ کر اُن کے دل و دماغ ۔ عقل و فہم اور اطوار و اخلاق کو کمزور کر رہے جا رہے ہیں ۔ یہ نام نہاد لٹریچر اُن کے اخلاق اور سمجھ بوجھ کے لئے گھن کا سا اثر رکھتا ہے ۔ اور محض وقتی طور پر کچھ لطف و لذت دے کر اُن کی قوتِ احساس کو آہستہ آہستہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کرتا رہا ہے ۔ اس لئے ہم سبھی بہی خواہ اندیشانِ

انسانیت کو اِن غلاظت کے پُتلوں اور اُن کی گندی تصنیفات کی نہایت پُرزور الفاظ میں مذمت کرنی چاہیے اور اِس فحش حقائق نویسی کو جہنم میں پہنچانا چاہیے ۔ جو پڑھنے والوں کے چال چلن کو خراب، اُن کے دل و دماغ کو کمینہ اور جسمانی رگ و ریشے کو کمزور کرنے کے سوا انہیں اور کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ۔ اس قسم کی تصنیفات اور تحریرات کو "فن اور ہنر" کا نام دینا ان پاک الفاظ کی کھلی تضحیک و توہین ہے ۔ کیونکہ یہ سوائے کاغذ یا (تصویروں کے) کپڑے کو گندہ اور ناپاک کرنے کے اور کچھ بھی نہیں کہلا سکتا ۔ اِس لئے ہم اِن سے جتنا بھی دُور رہیں ۔ اور اُن کے زہریلے اثرات سے جتنی بھی جلدی نجات حاصل کر سکیں ۔ اُتنا ہی اچھا ہے ؛

۳ ۔ امتضادیات کا اصُول - (PRINCIPAL OF RALARITY)

یہ ضروری نہیں کہ ہم اہرمزدیا انگرہ مینو کی ہستی کو دیوتاؤں یا انسانوں کی مانند سمجھ کر ہی اُن پر ایمان لے آئیں ۔ آپ اُنہیں صرف دو اصول خیال کریں ۔ قدرت اور تاریخ ۔ دونوں ہی دُنیا میں نیکی اور بدی کی طاقت کے اظہار کو تسلیم کرتی ہیں ۔ جو کہ ارتقاء کے دائمی ڈرامہ میں ایک زبردست پارٹ ادا کر رہی ہیں ۔ نیکی ہی زندگی، تندرستی ۔ درازی عمر، خوشحالی، امن و اتحاد کا مظہر ہے ۔ اور بدی ان سے بالکل متضاد نتائج پیدا کرنے والی ہے ۔ نیکی اور بدی کی طاقتوں میں یہ باہمی کشاکش ہی ہر ایک معقول فلسفہ کا بنیادی اصول موضوعہ (POSTULATE) ہے ۔

اور یہ ایک آخری حقیقت ہے ۔ جس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ جو لوگ نیکی و بدی میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے ۔ وہ اندھوں کی مانند ہیں وہ ایسے بہرے پتھر ہیں ۔ جو قدرت کی اس قہمائتی گرج اور کڑک کی آواز بھی نہیں سن سکتے ۔ جو ہمیشہ زبانِ حال سے چلّا چلّا کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ

"میں تمہارے سامنے نیکی اور بدی دونوں کو پیش کرتی ہوں ۔ نیکی کو قبول

کرلو اور بدی کو چھوڑ دو"۔

پارسی دھرم نہ صرف ان بنیادی اختلافات پر ہی زور دیتا ہے۔ بلکہ یہ بھی سکھلاتا ہے کہ "نیکی کی فتح ہمیشہ انسان کی اپنی کوششوں اور باہمی تعاون پر منحصر رہتی ہے"۔ پارسی دھرم کا یہ پیغام ہم سب کے لئے نہایت حوصلہ افزا اور زندگی بخش ہے۔ لیکن میری اور آپ کی مدد کے بغیر نیکی کو کبھی فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم سب مرد و عورت ہی دنیا کی آخری قسمت کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ حضرت زردشت اپنی ایک گاتھا میں فرماتے ہیں :-

"آغازِ عالم میں ظاہر ہونے والی ان دو توارواح کا میں آپ سے ذکر کروں گا جن میں سے پاکیزہ روح نے اپنی مخالف روح کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے تھے :- "ہمارے خیالات۔ تعلیمات، مرضی، منشاء۔ عقاید، الفاظ افعال، شخصیت، کچھ بھی تو ایک دوسرے سے مشابہت یا مطابقت نہیں رکھتے"

"اپنے کانوں سے بہترین باتیں سنو اور پاکیزہ خیالات کو اپنے دل میں جگہ دے کر ان پر نظر ڈالو .... تو ابتدائی ارواح جو اپنے آپ کو تمہارے خوابوں میں ایک جوڑے کے طور پر ظاہر کرتی ہیں۔ خیالات، الفاظ اور اعمال کے لحاظ سے ہی بہتر یا بدتر ہیں۔ عقلمند انسان ان دونوں میں سے بہتر کو منتخب کر لیتا ہے لیکن بے وقوف ایسا نہیں کر سکتا۔ جب یہ دو نو روحیں ابتدائے آفرینش میں نمودار ہوئیں۔ تو ایک سے زندگی پیدا ہوئی اور دوسری سے موت۔ انجام میں جھوٹ کے پیرووں کو بدترین ہستی نصیب ہو گی۔ اور اسے جو صداقت کی پیروی کرتا ہے۔ نیک ترین خیالات اس سے ہمیں ان میں سے ہونا چاہیئے۔ جو اس دنیا کو ترقی و عروج کی طرف لیجاتے ہیں" آپ کو ایسے تمام مسئلہ مسائل کو قطعی نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ جو نیکی اور بدی کی

قائم بالذات اور دائمی تمیز کو دھندلا۔ ہلکا یا کمزور کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنی کج بحثی بہ صاف دلی سے کبھی اس خلیج کے درمیان پل باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو نیکی اور بدی کے بیچ میں واقع ہے۔ تو آپ ترقی کی تحریک کی مخالفت اور بدی کی حمایت میں دانائی سے مہذب و ایمان والے مردوں اور عورتوں کی مانند بدی پر حملہ کیجئے کیونکہ بدی کے خلاف۔ ایک عرصہ دراز اور گوناگوں طریقوں سے پیہم جاری رہنے والا یہ جنگ ہی تہذیب و اخلاق کی اصلی و حقیقی تاریخ کے مختلف واقعات و مناظر کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے:

بعض صاحبِ خیال حضرات جو خدا کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں اکثر رائے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ کہ بدی بھی درحقیقت نیکی ہی ہے۔ لیکن ایک بدلے ہوئے روپ میں۔ کیونکہ خدا علیم کل اور ہر طرح ہمارا خیر اندیش ہے۔ جیسا کہ رابرٹ براؤننگ ROBERT BROWNING نے بھی کسی کو برا نہ سمجھنے والی اپنی نفوذی سمجھ بوجھ کا اظہار اسی فلسفانہ کوتہ چشمی سے کیا ہے۔ جو کسی رنگ میں بھی کوئی اختلاف نہیں دیکھ سکتی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ کہ

GOD'S IN HIS HEAVEN!

ALL'S RIGHT WITH THE WORLD.

ترجمہ:۔ "خدا اپنی بہشت میں ہے اور اس دنیا میں بھی کچھ اچھا ہے"

مگر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ برائی ایک ایسی مصیبت ہے۔ جو کفارہ کے طور پر ہمیں آگھیرتی ہے۔ اور اس کا باعث ہمارے گذشتہ جنموں کے کرم ہی ہیں بعض اصحاب اس درد کا علاج یہ بتلاتے ہیں۔ کہ ہم اپنے سر کی ہستی کا خیال تک بھی اپنے دل سے دور کر دیں۔ آہ! ایک فرضی خدا کی ہستی کو بچانے کی فضول اور لغو کوششوں میں

یہ کیسے غلط و احمقانہ خیالات ہمارے گلے مڑھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دُنیا میں اپنے لئے ایک بہتر و برتر قسمت پیدا کرنے کے متعلق آپ شب و روز جو کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے مسائل ان کوششوں کو فضول حیرانی اور پریشانی میں تبدیل کر کے بے اثر کر دینے کے سوا آپ کو اور کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر برائی درحقیقت بُرائی نہیں۔ بلکہ بھلائی کی ہی ایک دوسری شکل ہے۔ تو پھر "ترقی" بھی ایک فرضی اور من گھڑت خیال کے سوا اور کیا سمجھی جا سکتی ہے؟ اور "تاریخ" کی حیثیت بھی ایک پُر مذاق افسانے سے بڑھ کر کیا رہ جاتی ہے؟ کیونکہ انسانی زندگی میں سے بدی کے عنصر کو آہستہ آہستہ دُور کرتے رہنے کا نام ہی تو "ترقی" ہے۔ جب کوئی برائی آپ کے راستہ میں آکر حائل ہو جاتی ہے۔ تو آپ کو کسی تسلی۔ تشفی یا دم دلاسے یا صبر و رضا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ضرورت ہوتی ہے۔ کہ آپ ہمّت و جرأت۔ ارادے و حوصلے اور عمل و فعل سے اس بُرائی پر صرف قابو ہی نہ پالیں۔ بلکہ اسے بالکل ہی فنا و برباد کر دیں۔ جس طرح کہ یہ روایت مشہور ہے۔ کہ سینٹ جارج نے اژدھا کو قتل کر کے اس پر فتح پائی تھی۔ کیا سینٹ جارج نے اُس وقت یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ اژدھا کوئی خوب صورت پری ہے۔ جو بھیس بدل کر مجھ سے محبت کرنے آئی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس لئے آپ کو بھی بدی کو بدی ہی سمجھ کر اس پر فتح پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ وہ آپ کو تباہ و برباد کر دیگی۔ کوئی مصیبت کبھی کسی گناہ یا پاپ سے دُور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہمیشہ اُن میں اضافہ ہی کرتی رہتی ہے صرف نیکی اور محبت ہی ہمیں گناہوں کے جال سے چھٹکارا دلا سکتی ہے۔ نہ کہ کسی طرح کی کوئی سزا یا تکلیف خواہ وہ کیسی بھی کیوں نہ ہو:

ہمیں حضرت زردشت کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے۔ جنہوں نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ "بیماری ایک لعنت ہے۔ اِس لئے ہمیں مردانہ وار اس کا مقابلہ

کرنا چاہیئے۔ پیش از وقت موت ایک مصیبت ہے۔ جسے ہر طرح ٹالنا اور دفع کرنا چاہیئے۔ افلاس و ناداری ایک مجلسی بدقسمتی ہے۔ جو کہ ضرور دور ہونی چاہیئے۔ بدصورتی ایک بلا ہے۔ جس کی بیخ کنی لازمی ہے۔ جہالت ایک ذلت ہے۔ جو صفحۂ عالم سے مٹ جانی چاہیئے۔ بدی۔ گناہ اور جنگ و جدل نہایت ہی خوف ناک نظارے ہیں۔ جو کبھی نظر آنے چاہئیں۔ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پیر کی رضاکارانہ و بے غرضانہ خدمات سے ہی ہم انسانی زندگی میں سے بدی کے بیج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم جاں نثار سپاہیوں کی مانند نیکی کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے لئے صدق دل سے تیار ہو جائیں۔ اور اس راستے میں ہمارے سامنے جو بھی مشکلات و تکلیفات حائل ہوں۔ ان کی کچھ بھی پروا نہ کریں"۔

اس طرح بدی کو ایک خوف ناک حقیقت کی حیثیت میں صاف طور سے پہچان لینا ہی آپ کے دل میں ایک لامحدود اور اٹل ہمت و حوصلہ پیدا کرنے کا باعث ثابت ہوگا۔ لیکن بدی کی بیخ کنی۔ اتباہی و بربادی کے لئے ایک نہایت ہی زبردست اور طویل و مبہم جدوجہد ضروری بلکہ لابدی ہے۔ تب کہیں نیکی کی آخری فتح الیسی لازمی و یقینی ہو سکتی ہے۔ جیسی کہ موسم خزاں کے بعد آئندہ موسم بہار کی آمد۔

حضرت انسان نے چونکہ اپنے آخری دم تک بدی کے خلاف یہ جنگ و جدل جاری رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس لئے بدی کا خاتمہ بھی ایک نہ ایک دن ضرور ہو کر رہے گا۔

حضرت انسان نیکی کی مدد کے لئے کمربستہ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے بدی عارضی و فانی ہے۔ اور نیکی دائمی و لافانی۔ بقول سون برن (SWINBURNE)

MAN IS THE MAKER OF THINGS

حضرت انسان ہی دُنیا بھر کی سب چیزوں کے بنانے والے ہیں۔

۴۔ محنت مزدوری

پارسی دھرم ہی دُنیا بھر میں شائد ایک ایسا دھرم ہے۔ جو نہایت صاف وصریح الفاظ میں اپجاؤ و تعمیری محنت و مزدوری کی اہمیت و عظمت کو اپنے پیروؤں پر ظاہر کرتا ہے۔ یہ دھرم کسانوں اور پھل پیدا کرنے والوں کی بہت تعریف کر کے اقتصادیات و اخلاقیات کو پہلو بہ پہلو جگہ دے کر دونوں کو یکساں ممتاز درجہ دیتا ہے۔ وندیداد میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص غلہ پیدا کرتا ہے وہ نیکی کی کاشت کرتا ہے۔ اس طرح اس نے اقتصادیات و اخلاقیات کا آپس میں گٹھ جوڑا کر دیا ہے۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ یہ ایک نہایت شاندار تخیل ہے۔ جسے "انسانی دھرم" نہایت شکر گذاری کے ساتھ ایران سے بطور ایک تحفہ کے منظور کرتا ہے۔ برخلاف اس کے بعض مذہبی پیغمبروں نے یہ تعلیم دی ہے کہ "محنت مزدوری گناہوں کی سزا ہے"۔ لیکن زردشتی علماء یہ اعلان عام کرتے ہیں۔ کہ

"محنت پاک اور مبارک ہے۔ یہی ہمارا اولین فرض اور آخری تکیہ ہے"

یہی وہ عالیشان اور مضبوط ستون ہے۔ جو سائنس آرٹ (فنون) علم ادب۔ فلسفے اور شاعری کی شاندار عمارتوں کو سہارا دے رہا ہے یہ سب علوم و فنون محنت و مزدوری کے قوی ہیکل اٹلس (ATLAS) دیو کے چوڑے کندھوں پر قائم ہیں۔ ورنہ ان کا ٹھکانا کہاں تھا؟

خوراک کے بغیر کون زندہ رہ سکتا ہے۔ خوراک ہی درحقیقت زندگی ہے

کچھ سوچنے، بچارنے، فلسفہ چھانٹنے، شعر و سخن کا شغل کرنے۔ مصوری۔ یا سنگ سازی کرنے، تقریر بازی کرنے، غرضیکہ دُنیا بھر کے تمام کام کرنے کے لئے پیٹ پُوجا سب سے ضروری ہے۔ یہی ایک سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑی حقیقت یہ ہے۔ کہ اسی کی عزّت و عظمت کو دُنیا بھر کے کسی بھی ملک میں اب تک پُوری طرح نہیں سمجھا گیا۔ ورنہ اس کی اتنی بیقدری و بے عزتی ہرگز نہ ہوتی۔ حالانکہ ہم سبھی کاشتکار کے سامنے ہر روز ہاتھ پھیلا کر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے ہی یہ درخواست کرتے ہیں کہ

"ہماری آج کی روٹی ہمیں دے"

دُنیا بھر کے تمام تیوہاروں کی اماں جان "فصل کا تیوہار" ہے۔ باقی تمام تقریبات اس کی طرف ایسے ہی دیکھا کرتے ہیں۔ جیسے کہ بچے اپنی ماں کو آرزو مندانہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ پارسی دھرم نے سیریس اور پومونا (CERES & POMOA) کی تعریف میں راگ گائے ہیں۔ اب انسانی دھرم بھی ولکن (VULCAN) اور دوسرے زندگی بخش دیوتاؤں کو مزدوری کے اس شان دار مندر (PROPYLAEUM OF LABOUR) میں جگہ دیتا ہے۔ جو انسانیت کی عظیم الشان عبادت گاہ (ACROPOLIS OF HUMANITY) کے دروازہ کی زینت بڑھا رہا ہے ؂

۵۔ اخلاقیات

پارسی دھرم نے اخلاق کے متعلق بھی بہت سے شریفانہ اصول ہمیں عطا کئے ہیں مثلاً :-

"ایک دانش مند شخص اپنے ہر قول و فعل میں ہمیشہ انصاف کو مدنظر رکھتا ہے"

"تجھے ہمیشہ ترقی پذیر عقل و فہم عطا کیجیے"

"میں اُن میں سے ایک ہوں۔ جو اپنے خیال۔ قول و فعل سے نیکی کرتے ہیں۔ میں اُن میں سے نہیں۔ جو برا سوچتے ہیں۔ برا بولتے ہیں اور برا کرتے ہیں"

"اپنی آتما کو نیک خیالات۔ نیک الفاظ اور نیک اعمال سے پاک کر لو"

"میں جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا۔ لوگوں کو نیکی کے راستے پر چلنے کی تلقین کروں گا"

"جو شخص نیکی میں طاقت ور نہیں۔ وہ طاقت ور نہیں۔ جو نیکی میں مضبوط نہیں وہ مضبوط نہیں"

"انصاف اور سرگرمی سے ہی انسانوں اور مویشیوں کی بھلائی ہو سکتی ہے"

"نیکوں اور بدوں دونوں کے ہی ساتھ اپنے قول کے پابند رہو"

"میں لوگوں کو نیکی سے فیض کرنا چاہتا ہوں"

"غریبوں کی مدد کرنے میں ہی اپنی طاقت استعمال کرو"

"نیک کاموں کے لئے اپنے ہاتھ پیر اور دماغ کو ہمیشہ تیار رکھو"

"ضرورت مندوں کی ہمیشہ امداد کرتے رہو"

یہودی دھرم

یہودی دھرم عیسائیت اور اسلام کی ماں یعنی جنم داتا ہے۔ اس لئے یہ ہر طرح عزت و تعظیم سے مطالعہ کئے جانے کا مستحق ہے۔ اسے اپنے زمانہ میں خوب ترقی و نشوونما حاصل ہوئی ہے۔ میں اس کے توہمات اور بعید از قیاس باتوں کا مفصل ذکر نہیں کروں گا۔

پہلے یہ ایک موحد (MONOLATRY) یعنی ایک واحد معبود کی عبادت کرنے والا مذہب تھا۔ مگر بعد میں یہ وحدانیت (MANATHEISM) یعنی واحد خدا کی پرستش کرنے والا مذہب بن گیا۔ (یعنی اس واحد معبود کو ہی اس نے خدا مان لیا)۔ اس مذہب کی تنگ خیالی۔ اس کی عدم رواداری۔ بنی اسرائیل کی بزرگی کے متعلق اس کے گستاخانہ دعوے۔ اس کے مذہبی (MESSIANIC) توہمات۔ صورت گری سے تعلق رکھنے والے فنون سے اس کا خدا واسطے کا بیر فرشتوں اور بھوت، جن وغیرہ ارواح بد پر اس کا اعتقاد۔ مرنے کے بعد جسم کے پھر زندہ ہو جانے کے متعلق اس کا عارضیتاً لیا ہوا عقیدہ۔ روح کے لافانی ہونے کا خیال۔ اس کی دعائیں اور رسومات ختنہ۔ حیوانات کی قربانی اور خدا کے وصال کے متعلق اس کے مسائل۔ اس کا تاریخی واقعات کو الوہیت کے رنگ میں پیش کرنے کا ڈھنگ۔ اس کا دوسرے مذاہب سے اخذ کردہ خیالی (KABBA LISTIC MYSTAJISM) تصوف۔ مقدس روایات جو وحشیانہ پیر حمپل

کے واقعات سے پُر ہیں۔ اُس کی قانون پرستی۔ مراسم پرستی اور ذاتِ خُدا سے اُس کی محبت اور پھر اسی ذات سے اس کا خوف۔ یہ سبھی باتیں اس کے نقائص میں شامل کی جا سکتی ہیں ۔

۱۔ ایک عملی مذہب

(ل) لیکن پھر بھی بحیثیت مجموعی ہم یہودی دھرم کو اس دُنیا اور اس زندگی کا ایک عملی مذہب کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ اُس نے بعد میں دوسرے مذاہب کے بعد از موت سزا و جزا کے عقیدے کو بھی تسلیم کر لیا ہے مگر اس کے مذہبی مسائل (DOGMAS) نہ تو بہت زیادہ ہی ہیں۔ اور نہ بہت لطیف اور پیچیدہ ہی (سوائے وحدانیت کے تحقیق مسئلہ کے) یہ تمام فضول رُوحانی مباحث و قیل و قال سے بھی پاک ہے۔ نیک چلنی کو یہ فلسفی اصولوں کی نسبت زیادہ اچھا خیال کرتا ہے۔ اس میں طلسمی برکات کا کوئی سلسلہ نہیں۔ اور نہ یہ کسی خاص جماعت کی نجات کے مسئلہ کا ہی معتقد ہے اس دھرم کی ابتدائی مذہبی کتابوں یا ایکلیزیسٹی اس (ECCLESIASTICUS) اور جوڈتھ (JUDITH) کی غیر معتبر کتب میں یہ خیال بھی کہیں نہیں پایا جاتا کہ مرنے کے بعد انسان کو اپنی ہستی کا کچھ احساس قائم رہتا ہے"۔

یہودی دھرم ہمیں سکھاتا ہے۔ کہ "اپنی بے شمار آئندہ نسلوں کی اُمید میں ہی ہمیشہ خوش رہو اور یہ توقع رکھو کہ وہ سب خوش و خرم اور مضبوط طاقت ور ہونگی" حضرت ابراہیم اور سارہ کو یہ دعا سے خبر دی گئی ہے۔ کہ "تو بے شمار قوموں کا باپ ہوگا۔ اور تو بہت سی قوموں کی ماں بنے گی" یہ علم حیات اور علم دماغ دونو کی رُو سے نہایت موزوں و مناسب ہے۔ اور یہ ہمارے نسلی تخیل کے بھی عین مطابق ہے ہر ایک معمولی مرد و عورت جس کے دل و دماغ میں ابھی تک خود پرستی کے غلط خیال کا زہر سرایت نہیں کر گیا۔ نہایت شوق و محبت کے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں

کو پھولتا پھلتا دیکھنے کی اُمید و آرزو رکھتا ہے اور اُنہیں کے ذریعہ موت پر فتح پانے کے خیال میں سرمست رہتا ہے۔ وہ اس غیر قدرتی اور سوسائٹی کی ترقی کے لئے زہر کا اثر رکھنے والے دیوانہ پن سے کوسوں دُور ہے۔ جو انسان کو ہر وقت صرف اپنی ہی شخصی اور ذاتی نجات کی خواہش میں پریشان رکھتا ہے۔

یہودی دھرم اپنی سپرٹ کے لحاظ سے نہایت نمایاں طور پر ایک مجلسی مذہب" ہے۔ یہ خاندان و قوم کی اہمیّت و عظمت کو بڑھاتا ہے۔ اور اس امر پر زور دیتا ہے۔ کہ ہر مرد و عورت کو اپنی دائمی زندگی کا حصول اسی بات میں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی ہستی کو اپنے ملک و قوم کے مستقبل میں جذب کر دے۔ یہ کہتا ہے۔ کہ اپنی محدود اور ناچیز شخصیّت کو بھول جاؤ اور اُسے اپنی قوم کی مکمل اور بہت بڑی ہستی میں غرق کر دو۔ کیونکہ اسی میں تم زندہ رہ سکتے ہو۔ اور اپنی حقیقی ہستی حاصل کر سکتے ہو!!

"اپنے آپ کو اپنی قوم میں گُم کر دو۔ کیونکہ اپنے چھتے کے بغیر شہد کی ایک مکھی کی بساط ہی کیا ہے؟ بہتے ہوئے دریا سے الگ ہو کر ایک قطرے کی ہستی کیا رہ جاتی ہے۔؟ دُنیا کو اپنے بحرِ نور سے ہر دم سیراب کرنے والے سورج سے جدا ہو کر اس کی ایک کرن کس شمار و قطار میں آسکتی ہے؟ کسی بھی نہیں! نشۂ سے بھی کمتر! بالکل ہی ناقابلِ قیاس! گویا کچھ ہے ہی نہیں!!"

اس لئے آئندہ نسلوں کا خیال ہمیشہ آپ کے دل و دماغ پر حاوی رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ ہمیشہ آپ کے دلوں میں جوش و خروش اور آپ کی کوششوں میں سرگرمی پیدا کرتا رہے اور بڑھاپے میں آپ کو آرام اور اطمینان عطا کرے۔ نہ کہ آپ ہمیشہ ہی اپنی خوفناک علیحدگی کے ذلیل تن اور بدنصیب خیال میں مبتلا و پریشان رہ کر "مجھ" اور "میرے" کے دائمی خبط میں اپنے آخری دم تک جلتے رہیں۔

فرلیبیوں کے "ذاتی بقا" کے مسئلہ کی زبردست تردید کرنے والے صدیقیوں نے بھی موت کے بعد کسی معاوضہ کی خواہش سے کوئی نیک کام کرنے کی زبردست مذمت کرتے ہوئے یہ تلقین کی ہے۔ کہ "صرف نیکی کے لئے ہی نیکی کرو" انہوں نے اخلاقیات کو ایک سودے کے درجہ تک نہیں گرایا۔ کہ انسان کسی آئندہ زمانے یا زندگی میں آرام و آسائش اور خوشی و مسرت حاصل کرنے کی اُمید میں ہی نیکی اور ثواب کا کام کرتا رہے اور بے غرضی کو اپنے پاس بھی کبھی پھٹکنے نہ دے اُنہوں نے نیکی کو خود پرستی اور خود غرضی کی ان فولادی زنجیروں کی جکڑبند سے بالکل ہی آزاد کر دیا ہے۔ جن میں کہ کئی مذاہب کی تعلیم کی بدولت وہ سرتا پا جکڑی جا کر اپنی تمام خوبیوں کو مستقل طور پر کھو بیٹھی ہے ؎

یہودی دھرم میں جس "خدا کی بادشاہت" کا ذکر ہے۔ وہ بھی اس دنیا میں ہی قائم ہونی چاہئے۔ نہ کہ بادلوں سے گھرے ہوئے کسی خیالی یا فرضی شہر میں تمام مردوں اور عورتوں میں۔ جیسا کہ ہم انہیں جانتے ہیں نیز اُنکے پوتوں پڑپوتوں اور آئندہ نسلوں میں۔ انصاف اور نیکی کا راج ہونا چاہئے نہ کہ نہ کہ فرشتوں، جنوں اور بھوتوں میں جن کے جسم کسی طرح کی کوئی خرابی پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں۔ اور جن کی روحیں لافانی ہیں۔ غرضیکہ سچا مجلسی آدرش یہی ہے۔ کہ ہمارے اس سیارہ پر یعنی اس زمین پر ہی جس پر کہ ہم سب رہتے ہیں۔ انسان کی ایک "مشترکہ و متحدہ حکومت" (COMMON-WEALTH OF MAN) قائم ہو۔ اور ہم اس کی اُمید ہی اُمید میں اپنی عمریں نہ گذار دیں۔ کیونکہ نیکی سے ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور بدی رنج و افسوس کا بیج ہے۔ لیکن اس زندگی کے سبھی کڑوے اور میٹھے پھل انسان کو چکھنے ہی پڑتے ہیں مگر اسی زندگی میں نہ کہ کسی دوسری اور نامعلوم زندگی میں ؎

پروفیسر ایل۔بی پاٹن (PROF L.B. PATON) اپنی کتاب "مذہب اور آئندہ زندگی" (RELIGION AND FUTURE LIFE) میں لکھتے ہیں۔کہ" یہودیوں کی جلاوطنی کے زمانے سے پہلے کی جو تصنیفات ہیں۔اُن میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ شی اول (SHEOL) میں نیکی کا کچھ انعام یا بدی کی کچھ سزا ملتی ہے۔نیز اُن کی تمام الہامی اور دوسری کتب اس بات سے انکاری ہیں۔کہ بعد از موت مُردوں کو بھی کوئی احساس یا خواہش ستاتی ہے۔یہودی پیغمبروں یا ان کے کسی بھی قانون نے کہیں یہ وعدہ نہیں کیا۔کہ ہمیں مرنے کے بعد کسی دوسری دُنیا میں کوئی جزا یا سزا ملے گی"۔

(ب) ہر شخص کو سب کے لئے تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔اور سب کو ہر شخص کے لئے۔کیونکہ مجلسی استحکام خالص شخصی یا افرادی جزا و سزا کے امکان کو بھی خارج از بحث کر دیتا ہے۔ ہم دُنیا میں اکثر دوسروں کے گناہوں کی سزا یا اوروں کی قربانیوں کا پھل پاتے ہیں۔انصاف اور بے انصافی تو صرف مجلسی تخیلات ہیں۔ اور ان کی کوئی بھی تعریف نہیں کی جاسکتی۔سوائے اس کے کہ سوسائٹی کا ایک حقیقی اور قابل احساس (ORGANIC) تخیل ہے جو یہودیوں کے ابتدائی علم ادب میں بھی غیر مشکوک طور پر پایا جاتا ہے۔اور اب جدید "انسان دھرم" (HUMANISM) میں اس کی مزید تشریح و توضیح کی جارہی ہے۔کیونکہ "انسان دھرم" ہی ہمیں انسانیت (یعنی تمام بنی نوع انسان) کو ایک واحد اور ناقابل تقسیم ہستی سمجھ کر اس کے ساتھ پریم اور محبت کرنے اور اس کی ہر طرح خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۲۔انصاف

یہودیت کا بنیادی اصول "انصاف" ہے افلاطون اور ارسطو کی طرح یہودی علماء بھی انصاف کو "مہذب مجلسی زندگی کی سب سے پہلی ضرورت" خیال

کرتے ہیں۔ اور یہ حکم دیتے ہیں کہ
"انصاف کی ہمیشہ پیروی کرو" (داؤد ۱۶-۲۰)

لیکن انسانی تاریخ میں انصاف ایک چھلاوہ اور ناقابلِ حصول چیز معلوم دیتی ہے۔ تاریخ عالم کے کتابی جنگل میں مجھے "انصاف" کا نام و نشان نہیں ملا ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ بڑی بڑی تہذیبیں نمودار ہوئیں اور غائب ہو گئیں۔ بلا شبہ ایسی قیمتی برکتیں پائیں۔ مال صداقت اور روشنی سے انسان کو دعا سے خبر دی گئی۔ ہنر۔ فلسفہ۔ سائنس۔ شاعری۔ اخلاق۔ خیر اندیشی سبھی کچھ ہم نے دیکھے۔ لیکن انصاف سیدھا سادا ابتدائی "انصاف" ہمیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔

تہذیب کی سربفلک عمارت آج آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس کی بنیادیں نہایت پھسلنی اور غیر محفوظ زمین پر قائم ہیں۔ اور نہایت خوفناک اور پُرخطر طریق پر بے انصافی کی دلدل پر رکھی ہوئی ہیں۔ انصاف کی سنگین چٹان پر نہیں! اسی لئے تو مجلسی سیسموگراف (وہ آلہ جس سے زلزلوں کی آمد کا حال معلوم ہوتا ہے) میں آئے دن بے شمار زلزلے۔ تہلکے۔ انقلاب الٹ پلٹ۔ قتل عام اور حیوانیت کے دوسرے لاتعداد۔ قابلِ نفرت۔ شیطانی نظارے رونما ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ "انصاف" کے بغیر ہمارے خوفناک تاریک گھروں میں کہیں بھی امن و امان کی روح افزا اور زندگی بخش صورت نظر نہیں آسکتی۔ جہاں پہلے انصاف کا خیمہ جاتا ہے۔ وہیں امن و امان بھی نہایت تیزی اور خوش خرامی کے ساتھ ایسے ہی پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے کہ سورج کے ساتھ ساتھ اجالا! بہت سے مقدس سنتوں اور مہاتماؤں نے ہمارے سامنے روحانی کمال۔ تحمل آرام و آسائش اور مختلف برکتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ہم تو ان سب سے مقدم "انصاف" کو سمجھتے ہیں۔ اور اسے ہی سب سے

ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق یہ ہدایت کی گئی ہے۔ کہ:۔

"تجھے اپنے ہمسایہ کو تنگ نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ اُسے لوٹنا چاہئے! کسی مزدور کی روزانہ مزدوری تیرے ذمّہ ساری رات یعنی صبح تک باقی نہ رہے۔ اس کا روزانہ کام پورا ہوتے ہی اُسے ادا کر دی جائے۔ تُو اپنے انصاف میں کبھی بدی سے کام نہ لے! انصاف کے مقابلے میں کسی غریب کی شخصیت کی عزّت یا زبردست کی ہستی کا احترام نہ کر" (لیوی ٹی کس ۱۹)۔

"خدا کو قربانی کی نسبت عدل و انصاف زیادہ پسند ہے ......"

(ضرب الامثال ۲۱)

"انصاف تمہارے لئے جوبلی (۲۵ویں سال کے جشنِ خوشی) کی مانند مسرت بخش ہو"

"ہر شخص کی ملکیت اور ہر خاندان کے افراد کو انہیں واپس کر دو"!

لیوی ٹی کس ۲۵)۔

"لعنت ہے اُن پر جو بے انصافی برتتے ہیں ..... جو اوروں کے کھیتوں کا لالچ کر کے ان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اور دوسروں کے مکانات دیکھ کر انہیں چھین لیتے ہیں" (میکاہ ۲)۔

۳۔ رحم

انصاف کے بعد رحم کا درجہ آتا ہے۔ جیسا کہ میکاہ نے کہا ہے:۔

"خدا تجھ سے سوائے اس کے اور کیا چاہتا ہے۔ کہ تو انصاف کر! اور رحم سے پیار کر" (تارہ ۵)۔

یہودیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے۔ کہ ہم غریبوں اور کمزوروں پر رحم کریں! اور اُن سے ہمدردی روا رکھیں۔" یہ اسبات پر زور دیتی ہے۔ کہ ہم مرد و عورت بلکہ اپنے" دشمنوں" تک کی بھی مدد کریں۔ اور اُن سے محبت کرتے رہیں!" انصاف اور رحم کا جو پودہ یہودی دھرم نے لگایا تھا۔ وہ عیسائیت کی خیر اندیشی سے ایک بڑے سایہ دار درخت کی صورت اختیار کر گیا۔ چنانچہ حکم ہے کہ

"جب تم اپنی زمینوں کی فصلیں جمع کرو۔ تو کھیت کے ہر ایک کونے سے دانہ دانہ مت اکٹھا کر لو! نہ اپنی فصل کا سِلّہ ہی چُگو! بلکہ اسے غریبوں اور مسافروں کا حِصّہ سمجھ کر اُن کے لئے چھوڑ دو!......"

"اپنے ہمسایوں سے بھی ویسی محبّت کرو۔ جیسی کہ اپنے ساتھ کرتے ہو! (لیوی ٹی کس ۱۹)"

"جو پوشیدہ طور پر خیرات کرتا ہے۔ وہ مُوسےٰ سے بھی بڑا ہے......" (ربی الیعزر)

"خیرات ہی سب سے افضل ہے" (ربی عاشی)۔

"دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ جو تم اوروں کی طرف سے اپنے ساتھ پسند نہیں کرتے" (ربی ہلیل)

"اگر کسی نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ یا تمہیں کچھ تکلیف دی ہے۔ تو انتقام کی ترغیب میں آکر اس کے ساتھ ویسا ہی مت کرو" (سیفر چاسی ڈِم)

بہت سے یہودی اور مسلمان علمائنے جانوروں پر بھی مہربانی کرنے کی تعلیم دی ہے۔

"کسی شخص کو اس وقت تک دسترخوان پر نہ بیٹھنا چاہیئے۔ جب تک کہ وہ یہ نہ دیکھ لے۔ کہ وہ تمام جانور اچھی طرح کھا پی چکے ہیں۔ جن کا کہ اس پر انحصار ہے" (ربی یہودا)۔

"جب تیرے بیل۔ اناج گاہیں۔ تو تجھے اُن کا مُنہ نہیں باندھنا چاہیئے۔" (ڈیوٹرانومی ۲۵-۴)۔

"نیک آدمی وہی ہے۔ جو اپنے مویشیوں کی زندگی کا بھی خیال رکھتا ہے" (ضرب المثل ۱۲-۱۰)۔

۴ محنت مزدوری

یہودیوں نے اس خیال کی بھی تائید کی ہے۔ کہ جسمانی محنت "ہر شخص کا فرض ہے"۔ اُن میں سے بڑے عالم اور دماغی کام کرنے والے اشخاص ہمیشہ کوئی نہ کوئی محنت کرتے رہے ہیں۔ حتیّٰ کہ بڑے عالم، فاضل ربیوں کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ کہ وہ کوئی نہ کوئی دستکاری یا پیشہ جانتے ہوں۔ اور اپنے ہاتھوں سے وہ کام کرتے ہوں۔ یہ ایک ایسا جمہوری خیال ہے۔ جو حاذرجہ نتیجہ خیز کہا جاسکتا ہے۔ سپینوزا ایک پیدائشی یہودی تھا۔ اور اس نے جو دوربینی شیشے بنائے تھے۔ اُن سے حقیقتاً اس کی یہودی دانائی جھلکتی تھی"

قلم دوات کا تعلّق ایک شخص کی زندگی کے نصف سے بھی بہت کم حصّہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اس کی زندگی کا نصف سے بھی بہت زیادہ حصہ اوزاروں کو چھونے چھیڑنے سے یا اُن سے مختلف اشیاء تیار کرنے میں خرچ ہوجاتا ہے اُن کی مدد سے ہی ہم سرکش مادّے کو انسان کی مرضی و منشاء کی ماتحتی میں لاکر اُسے انسان کی حسب خواہش شکل و صُورت دے سکتے ہیں۔ جو لوگ محض دماغی کام میں مصروف رہتے ہیں وہ قابل رحم بنے (نکمے دپستہ قد انسان) بن جاتے ہیں اور

خواہ وہ اپنی تمام فیکلیٹوں (شعبوں) کے ڈاکٹر (مختلف علوم و فنون کی بڑی سے بڑی ڈگری) ہی کیوں نہ بن جائیں وہ ہمیشہ اپنی کتابوں کے بوجھ تلے ہی دبے رہتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی زندگی مضحکہ خیز طور پر غیر متناسب رہتی ہے۔ جسم ایسا جیسا کہ مجوّف (کھوکھلے) یا محدّب (ابھرے ہوئے) آئینوں میں سے کوئی انسان دکھائی دے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے جسم و دماغ دونوں ہی سے برابر کام لیتے رہنا چاہیئے۔ یہی مجلسی ترقی کا قدرتی قانون ہے۔ لیکن افسوس تمدن درجے کے آزاد خیال مجلسی ریفارمر بھی اس حقیقت کو پوری طرح نہیں سمجھتے کہ

"محنت مزدوری کا رتبہ نہایت بلند ہے۔ کیونکہ اس سے ہی مزدور کی عزت ہوتی ہے" (تمارم)۔

"قانون کا مطالعہ جو کسی پُر محنت حرفت کے ساتھ ساتھ نہیں ہوتا۔ ناکامیابی ہی اس کا حشر ہوتا ہے" (ابیوتھ)۔

۵ "سبت" یعنی ساتویں دن کی تعطیل

یہودیوں نے سبت (SABBATH) منانے کا طریقہ بابل والوں سے لیکر اپنے مجلسی طریق میں شامل کر لیا اور پھر آگے عیسائی دھرم کو بھی دے دیا۔ جس نے آج اُسے مغربی تہذیب کا ایک نہایت اہم حصّہ بنا دیا ہے۔ اس ساتویں دن کی تعطیل کی اہمیت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو آج تک بھی اُسے مناتے ہیں۔ یہودیوں کا سبت آرام۔ خوشی اور آنند منانے کا دن ہے۔ لیکن برعکس اسکے یورپین[1]

---

[1] عیسائیوں کا ایک خاص فرقہ جو انسانی چال کی پاکیزگی پر بہت زور دیتا ہے۔ یہ لوگ ہر اتوار کو ایشور پوجا کے بعد اپنے ہفتہ بھر کے اعمال نامے کی پڑتال کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر (بقیہ صفحہ ۳۰ کے نیچے)

عیسائیوں کا سبت تاریکی - دُکھ اور بدمزگی سے پُرہے - یہودی اُس دن ایسی ہی خوشیاں مناتے ہیں - جیسی کہ کسی گھر میں "نئی دلہن" کی آمد پر منائی جاتی ہیں ۔

اب تو یورپ میں اور اُن کے زیر اثر ممالک میں اکثر ۳۶ گھنٹے "سبت" منایا جاتا اور کہیں کہیں تو پورے دو دن ہی تعطیل رہتی ہے - لیکن پھر بھی یہ سبق ہمیں یہودیوں سے ہی سیکھنا چاہیئے - کہ اس چھٹی کو کس طرح منایا جائے ۔ "انسانی دھرم" کے پیروؤں کے لئے بھی اتوار صرف تعطیل کا دن ہی نہیں بلکہ ایک "مقدس دن" ہونا چاہیئے - ورنہ عوام کے لئے یہ فرصت لعنت اور مصیبت کا باعث بھی ہو سکتی ہے - اور برکت (BLESSING) کا بھی یہ کیونکہ دائمی - روحانی اور خوبصورتی کے اصولوں کو مناسب نشوونما دیئے بغیر تو یہ دن صرف بیہودہ و غیر مہذب ہنسی مذاق - بیکاری و کاہلی - فضول گپ شپ یا بھدے پھٹیو پن میں ہی گذر جائے گا - حالانکہ اس کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ یہ ہفتہ وار تعطیلات ہماری زندگی کو ایک زیادہ بہتر و بلند طبقے میں پہنچانے والی ثابت ہوں - اس روز تو ہمیں روحانیت کے طاقت افروز اور زندگی بخش امرت سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے پاکیزگی اور مسرت کے بلند پایہ طبقات میں پہنچنا چاہیئے - یعنی اعلیٰ درجہ کی پاک و روح افزا موسیقی یا کسی شرافت آموز ڈرامہ - یا پُرکیف نظموں سے لطف اندوز ہوں - یا مادرِ قدرت کی پُرسکون اور سرور بخش گود میں اپنی تمام روزانہ تکلیفات و مصائب کا خیال تک ہی بھول جائیں

(بقیہ فٹ نوٹ صہ ۲۹) رنج و افسوس کر کے آئندہ اس سے بچنے کا عہد کرتے ہیں

انقلاب انگلستان کے زمانے میں ان لوگوں کا بہت زور تھا جبکہ بادشاہ چارلس کو تخت سے اُتار کر کرامویل کو برطانیہ کا حکمران بنا دیا گیا تھا اور انجام کار بادشاہ کو اس کے گناہوں کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا ۔

با تازہ اور صاف ہوا میں صحت افزا اور تندرستی بخش کھیل کود وغیرہ یا ایسے ہی دوسرے پاکیزہ مشاغل سے سچی تفریح اور دلی تازگی و تراوت حاصل کریں۔ کیوں کہ زندگی کے کسی اعلیٰ و پاکیزہ مقصد کے بغیر تعطیلات کی یہ فرصت بالکل ایسی ہی بدنما و بدزیب ہے۔ جیسی کہ ایک نادر زنانہ۔ حسن و جمال کی دیوی کی مصاحبت میں کوئی بھدی بدصورت اور بے سلیقہ خادمہ! غرضیکہ اس پاک دن کو بدچلنی۔ عیاشی۔ اوباشی۔ شراب خوری۔ تاش۔ شطرنج۔ گنجفہ۔ مکے بازی۔ کتوں کی دوڑ۔ ناچ مجرے وغیرہ میں گذارنا اس کا نہایت ہی نامناسب اور نقصان دہ استعمال ہے۔

انسانی دھرم کے پیروؤں کو دنیا بھر کے تمام ممالک میں دو دن کے "سبت" کو رواج دینا چاہئے۔ اور عوام کو یہ سکھلانا چاہئے۔ کہ وہ اپنی روزانہ روٹی کمانے کے جھنجھٹوں سے بمشکل حاصل کردہ آزادی اور فرصت کی اس قلیل سی مہلت کو اپنی صحت کی بہتری، اپنی روحانی طاقت کی زائل شدہ برقی قوت کی ازسرِنو بحالی تیز مادر قدرت یا پاکیزہ فنون کے ساتھ اپنے دور رس تعلقات کی قائمی کے لئے نہایت ہی ضمیر افروز اور تازگی بخش طریقوں سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ تاکہ یہ روبہ زوال۔ ناکارہ و لپست تہذیب آہستہ آہستہ۔ بلندی و پاکیزگی کی اس منزل کی طرف بڑھتی چلی جائے جو کہ اب تک دنیا کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی۔ آمین!

۶۔ تفریحات

یہودی دھرم تندرستی بخش تفریحات اور مادر قدرت کی عطا کردہ بیشمار نعمتوں سے محظوظ ہونے کی خواہش کو حقارت سے دیکھ کر اُن سے نفرت کرنے کی تعلیم بھی نہیں دیتا۔ اور نہ اس قسم کی خواہشات کو کسی غیر معمولی حد تک دبانے کی ہی تلقین کرتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے روحانی پہلوان کیا کرتے ہیں۔ بلکہ اس بارے میں ہمیشہ اعتدال پسندی۔ میانہ روی اور معمولی سمجھ بوجھ سے کام لینے کی مناسب و معقول اخلاقی

تعلیم دیتا ہے۔ تالمود میں لکھا ہے کہ

"قانون کو ایک ایسی سڑک سے مشابہت دی جاسکتی ہے۔ جس کے ایک طرف آگ ہے۔ اور دوسری طرف برف۔ ایک طرف چل کر آگ میں جلنے کا اندیشہ ہے۔ اور دوسری طرف چل کر سردی سے ٹھٹھر کر مرنے کا۔ اس لئے ان دونوں کے بیچ بیچ میں چلنا ہی ہر طرح محفوظ ہے"

اگرچہ گرہستھی زندگی کے متعلق یہودیوں کی اخلاقی سطح کچھ پست سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عملی طور پر یہودی دھرم ایک مضبوط۔ پختہ اور خوش اسلوب خانگی زندگی کو دُنیا کی سب سے بڑی برکت و نعمت سمجھتا ہے۔ وہ والدین کی عزت خاوند و بیوی کی باہمی وفاداری و جاں نثاری اور بچوں کی پُر محبت پرورش و غور و پرداخت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو قومی روایات کی روشنی میں تعلیم دینے کے بارے میں بہت سرگرمی ظاہر کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ یہودی اتنے مضبوط ہیں۔ اور صدیوں کے وحشیانہ جبر و ظلم کے باوجود بھی ان میں اپنے دھرم کے لئے غیر معمولی پریم پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک یہودی اپنے بچوں کے لئے یہودی دھرم کا ایک زبردست پرچارک ثابت ہوتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ اپنے دھرم کی رکھشا میں ویسے ہی صادق اور بہادر ہیں۔ جیسے کہ حنّا کے سات بیٹے تھے۔ جنہوں نے رومن حکومت کے جبر و ظلم برداشت کر کے رُتبہ شہادت حاصل کیا تھا۔

اس بارے میں بھی سب پیروانِ "انسانی دھرم" کو اپنے یہودی بھائیوں اور بہنوں کی پیروی کرنی چاہئے۔

۷۔ اختلافات

یہودیوں نے مس ووتھ (MISWOTH) یعنی مجموعہ احکام کی صورت

میں ایک اعلیٰ اخلاقی ضابطہ تیار کر رکھا ہے۔ جس میں اگرچہ ابھی مزید نشو و نما کی بہت کچھ ضرورت باقی ہے۔ لیکن پھر بھی رسُولوں اور ربیوں کے صدیوں پُرانے احکام کے ذریعہ شراب نوشی کی ممانعت۔ راست بازی۔ دیانت داری عصمت پروری۔ صبر و تحمل۔ امن پسندی وغیرہ سبھی بنیادی نیکیوں کی نہایت سرگرمی اور فصاحت کے ساتھ تعلیم دی گئی ہے۔ ہم اخلاقی علم ادب کے چند نہایت ہی مشہور و بیش بہا جواہرات کے لئے ہمیشہ اس مجموعہ احکام کے مرہونِ منت و ممنونِ احسان رہیں گے۔ مثلاً

"تجھے کسی کو جان سے نہ مارنا چاہیئے۔ نہ کسی کی چوری کرنی چاہیئے۔ تجھے زنا کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے۔ نہ کسی کے مال و متاع کا لالچ ہی کرنا چاہیئے" (توریت باب ۲۔ ۲۰) ؛

"بدی کرنا چھوڑ دے اور نیکی کرنا سیکھ لے" (یسعیاہ ۱۔ ۱۷) ؛

"اپنے لئے نیکی کا بیج بو اور رحم کی فصل کاٹ" (ہوسیا ۱۰۔ ۱۱) ؛

"انہیں اپنی تلواروں سے ہلوں کی پھالیاں اور برچھیوں سے درانتیاں تیار کر لینی چاہئیں۔ قوموں کو قوموں کے خلاف تلوار نہیں اٹھانی چاہیئے۔ اور نہ آئندہ جنگی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے" (یسعیاہ ۴۔۲) اس لئے تم پردیسی سے محبت کرو۔ کہ تم بھی سرزمین مصر میں پردیسی ہی تھے۔ (ڈیوٹرونومی ۱۰۔ ۱۹) ؛

"سچ بولو! حیادار بنو! دوسروں کے بھروسے پر زندہ رہنے کی نسبت نہایت ہی سادہ خوراک پر زندگی بسر کرو! بُری صحبت سے بچو! اپنے دشمن کے گرنے پر خوشیاں نہ مناؤ! غصہ سے بچو! کیونکہ یہ بیوقوفوں کا ورثہ ہے" (اورہ جوٹ چایم۔ گیارہویں صدی سنہ ع)

"عجز و انکسار سے بہتر کوئی تاج نہیں۔ اور تکمیل فرائض سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں! نیک آدمی اپنے ہمسائے سے محبت کرتا ہے۔ اور آنکھوں کے شہوانی نشے سے آزاد رہتا ہے۔ اگر اُسے کوئی گالیاں دیتا ہے۔ تو وہ اُس کا جواب نہیں دیتا۔ وہ کسی کو بھی اپنے الفاظ یا اعمال سے دھوکا نہیں دیتا" (رقبیہ تیرھویں صدی سنہ ۶)

۸۔ مشاہیر کی مختصر سوانح عمریاں

یہودی دھرم نے اپنے دھاپرستوں اور قابل تعظیم دیویوں کے اعمال و اقوال کے ذریعہ بھی قوموں کے روحانی خزانے کو بھرپور کرنے میں بہت کچھ مدد دی ہے۔ مثال کے طور پر چند ایسی قابل تعظیم ہستیوں کی مختصر سوانح عمریاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

حضرت موسیٰ

سچی عظمت کی زندہ مثال ہونے کے باوجود انسانی انکسار کی ایک جیتی جاگتی مورت تھے۔ آپ اپنی قوم کو آزاد و منظم کرنے والے ایک نہایت ہی دانش مند رہنما تھے۔ جنہوں نے مظلوم غلاموں کے ہجوم کو ایک ایسی بلند خیال قوم بنا دیا۔ گویا اس کے مشترکہ قومی جسم میں ایک ہی رُوح کام کر رہی ہے۔ آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔ مصر کے مرغن گوشت کے پیالوں اور انواع و اقسام کی دیگر نعمتوں کو کمال نفرت سے ٹھکرا کر ایک نئی قوم کو جنم دیا۔ آپ کی زندگی سے ہم سادگی۔ خود انکاری۔ حلیمی۔ نیز بہادرانہ سرگرمی اور کوششوں کے شاندار سبق سیکھ سکتے ہیں۔ (پندرہویں صدی قبل از مسیح)

حضرت یسعیاہ

یہودی پیغمبروں میں سب سے زیادہ عظیم الشان ہستی کے مالک تھے۔ جن کی تحریرات ہم تک پہنچ سکی ہیں۔ آپ نے نہایت سختی اور گرم جوشی سے اس زمانے کی

سیاسی اور مجلسی خرابیوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور اپنے پاک مشن کی تکمیل میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا۔ مختلف ربیوں کا بیان ہے۔ کہ آپ چھ باتوں پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے:۔

(۱) اعمال و افعال میں دیانت داری۔ (۲) قول و فعل میں صداقت (۳) رشوت سے پرہیز (۴) خونریزی سے نفرت۔ (۵) ناجائز منافع سے انکار اور (۶) ہر طرح کی بدیوں سے نفرت۔

آپ انصاف اور خیرات کو سب سے اہم نیکیاں سمجھتے تھے۔ (آٹھویں صدی قبل از مسیح)۔

ربی حلیل

آپ بابل میں پیدا ہوئے اور چالیس سال کی عمر میں فلسطین پہنچے۔ یروشلم کے فریسیوں اور مصنفوں میں آپ سب سے زیادہ معتمد تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ ایک مہاتما اور سنت مشہور تھے اور اپنی پاکیزہ نفسی کے خیال سے سب حلقوں میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ یہودیوں میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی تھی۔ کہ "سب کو حلیل کی مانند منکسر المزاج اور صابر ہونا چاہیئے" آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ "انسان سے محبت و الفت کرنا ہی یہودی اخلاق کا لب لباب ہے"

جب کوئی غیر یہودی آپ سے یہودیت کی تعلیم کے مختصر اصول دریافت کیا کرتا تھا۔ تو آپ فرماتے تھے:۔ کہ

"بھائی! جو کچھ اپنے لئے قابل نفرت معلوم دے۔ وہ کسی دوسرے انسان کے لئے بھی روا نہ رکھ! یہی صرف ایک مکمل قانون ہے۔ باقی سب باتیں اسی قانون کی تشریح اور توضیح میں کہی گئی ہیں"!

آپ کے اقوال میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

"جسم کو غسل دینا ایک فرض ہے"

"یہ نہ کہو کہ جب مجھے وقت ملیگا۔ تو میں مطالعہ کروں گا۔ کیونکہ اس طرح تو شاید تمہیں کبھی بھی فرصت نہ مل سکے"

"اپنے ہمسایہ کے متعلق اُس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو۔ جب تک کہ تم خود اسی کی مانند حالت کو نہ پہنچ جاؤ"

"میرا انکسار ہی صرف میری عظمت ہے"

ایک نا تعلیم یافتہ شخص کو گناہ سے کوئی نفرت نہیں ہوتی۔ (ایک صدی قبل از مسیح)

عقیبہ بن یوسف

آپ بھی ایک مشہور ربی اور سیاح ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے رومن حکومت کے خلاف یہودیت (MESSIANIC JEWISH) کا زبردست پرچار کیا۔ بغاوت بار کوچبا" کے بعد آپ کو رومن حکومت نے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اور اس طرح آپ کو رومن سلطنت پرستی کے ہاتھوں درجہ شہادت نصیب ہوا آپ "نالمدّ کے سچے باپ" (پرچارک) کہے جاتے تھے۔ آپ اس غمناک زمانہ کے ایک دانشمند لیڈر اور اخلاقیات کے زبردست معلّم تھے۔ آپ کے اقوال میں سے چند ایک ہدیہ ناظرین ہیں :-

"گناہ کا آغاز مکڑی کے تار کی مانند باریک اور نازک ہوتا ہے۔ مگر انجام جہاز کے رسّے کی مانند مضبوط اور ناقابل شکست"

"ہنسی دل لگی ہی بداخلاقی کی رہنما ہوتی ہے"

"وعدے کرنے میں بہت آزادی سے کام نہ لے۔ مبادا تجھے اپنی قسم توڑنی پڑے"

"صرف ایسے شہر میں رہو۔ جہاں پھل بکثرت ہوں!"
"سُود خوری سے بڑھ پاپ کوئی اور نہیں اور بیماروں کی خدمت و حوصلہ افزائی سے بڑھ کر پُن نہیں!" (سنہ ۱۱۳۵-۶۵ء)

ابن گیبی رول

سلیمان بن یہوداہ دالمعروف ابوالسبرن، فلسفی و شاعر قریباً سنہ ۱۰۲۱ء میں ملاگا کے مقام پر پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۰۵۰ء میں ولینشیا میں وفات پائی۔
آپ یہودی افلاطون کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یورپ کے عہد وسطیٰ میں آپ نئے افلاطونی اصولوں (NEW PLATONISM) کے پہلے پرچارک تھے۔ آپ نے اپنے فلسفیانہ خیالات کو مذہبی رنگ سے بالکل پاک رکھا۔ آپ کی ہر دلعزیز تصنیف "فونز وٹائی" (FONS VITAE) میں یہودیت کے اصولوں کی کہیں جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اخلاقیات کے متعلق آپ نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں آپ نے ہر مذہب کے عقائد سے بالاتر رہ کر اخلاق کے اصولوں میں ایک باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس حقیقت کو نہایت پرزور الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ کہ "اخلاقی کاموں کا انسان کے دل و دماغ پر کیا اثر پڑتا ہے"!

موسیٰ میمونائیڈیز

(MOSES MAIMONIDES) حکیم و فلسفی سنہ ۱۱۳۵ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۰۴ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔
آپ نے چند سال تک فلسطین میں قیام رکھا۔ بعدازاں قاہرہ تشریف لے آئے۔ اور حکمت و طبابت کرنے لگے۔
آپ نے یہودی قانون کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں یہودیت

کے اخلاقی پہلو کو نہایت نمایاں طور پر ظاہر کیا۔ آپ نے یونانی فلسفے کا بھی گہرا مطالعہ کر کے ارسطو کے اصولوں کو یہودیت میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ اور اور ارسطو کے اصولِ اعتدال (DOCTRINE OF THE MEAN) پر خاص طور سے زور دیا۔

آپ نے اپنی مشہور کتاب "رہنمائے پریشاناں" (GUIDE OF THE PERPLEXED) میں البشور او تار کے متعلق پرانے اصولوں کی زبردست مخالفت کی۔ جس نے عہدِ وسطیٰ کے یورپین خیالات پر اپنا بہت کچھ اثر ڈالا۔ ڈاکٹر جے ایبلسن (Dr. J. ABELSON) کی یہ رائے ہے۔ کہ اسی کتاب "رہنما" کے مطالعہ سے سپی نوزا کا طریقِ زندگی بہت کچھ متاثر ہوا تھا۔"

❊

(۳)

شنٹو دھرم
یا
کامی نومشی

"نومشی" کے لغوی معنی "دیوتاؤں کا طریقہ" ہیں۔ اور جاپان کا یہ ابتدائی طریق اپنی صورت شکل کے لحاظ سے نیم یا نصف مذہب کہلا سکتا ہے۔ اس میں بے شمار توہمات کو عمل دخل حاصل ہے۔ سورج۔ پہاڑوں اور درختوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس کی دیومالا بہت سی بے سرو پا اور پیدائش عالم کے متعلق روایات نہایت بے تکی سی ہیں۔ جاپانی شہنشاہوں کو دیوتا سمجھنے اور خاندانی بزرگوں کے علاوہ بے شمار دیوی دیوتاؤں اور قومی سورماؤں کی پوجا اور عبادت کے مسائل۔ اس کی دعائیں اور پرارتھنائیں تبرکات اور زیارت گاہیں وغیرہ وغیرہ نقائص ہیں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ صفائی

شنٹو دھرم میں صفائی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم اور اسلام کی مانند اس میں بھی مختلف بلکہ بے شمار موقعوں پر نہانے دھونے کا حکم ہے۔ شنٹو دھرم کی ایک پرارتھنا پستک میں تحریر ہے کہ:۔

"علی الصبح اُٹھ کر ہاتھ منہ دھوؤ اور جسم کو پانی سے صاف کرو پھر

پُوجا میں بیٹھو" ۔

ڈاکٹر ڈبلیو۔ ای گریفس اپنی تصنیف "جاپان کے مذاہب" (THE RILIGIONS OF JAPAN) میں لکھتے ہیں۔ کہ

" شنٹو دھرم کا آدرش یہ ہے۔ کہ عوام کو اُن کے ذاتی اور خانگی معاملات میں نیک اور پاک بنائے۔ صفائی جاپانیوں کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ جو شخص صفائی کے متعلق اس دھرم کے پیروؤں کے جذبات کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہے۔ اُسے ان کے اس قدیم مذہب سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے"

اس دھرم کے پیرو نہ صرف زبانی طور پر اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ "صفائی خدا پرستی سے دوسرے درجے پر ہے" بلکہ درحقیقت اس پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ اور عمل بھی پُورا پُورا کرتے ہیں ۔

ایک عرصہ ہوا۔ جب پنڈار نے یہ لکھا تھا۔ کہ "پانی دُنیا میں بہترین چیز ہے" ایک اچھے مذہب کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے پیروؤں کو اندرونی اور بیرونی طور پر پانی کے صحیح استعمال کا طریقہ سکھلائے۔ تاکہ وہ اپنے جسم کو صاف ستھرا رکھ کر خود ہر طرح تندرست اور صحت مند رہ سکیں۔ انسان کی خصلت ہے۔ کہ وہ خصوصاً دُنیا کے ایسے حصوں میں جو کہ نہایت سرد اور معتدل ہیں۔ بہت نہانا دھونا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے انسانی دھرم کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ عوام میں حفظانِ صحت کے اصُولوں کا پرچار کر کے انہیں ہر دلعزیز بنائے۔ ہمارا یہ مقدس فرض ہے کہ ہم تندرست اور چست و چالاک رہیں۔ اور بیماریوں سے بچیں اور ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ "پانی تندرستی کی دیوی" کی خوبصورت خادماؤں میں سے ایک ہے۔ سینٹ فرانسس کا قول ہے۔ کہ

"ہماری بہن پانی کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ جو کہ ہمارے لئے بہت ہی کام آتا ہے۔ وہ بہت منکسر المزاج، بیش قیمت اور صاف ستھری ہے۔" (دیکھو سینٹ فرانسس کی سوانح عمری مصنفہ پی سباشیر)

پانی گرم ہو یا شیر گرم۔ معمولی ٹھنڈا ہو یا یخ جیسا سرد۔ ہر حالت میں تندرستی بخش اور زخموں کو مندمل کرنے والا ہے۔ اور اس کی خدمات مفت و بلا معاوضہ ہی سب کی نذر ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو آپ کے جسم کیسے گندے اور غلیظ ہو جائیں (بعض لوگوں کے تو اب بھی ہوتے ہیں) پسینوں کی بدبو آنے لگے۔ اور اسے چھونے کو بھی جی نہ کرے۔ اس کے بغیر آپ کے سب اندرونی اعضاء اپنی خوراک کی کمی کے باعث مرجھا کر کمزور اور سست ہو جائیں۔ جلد اور اس کے مسام سانس لینا چھوڑ دیں۔ اور اپنے اندرونی مواد کو بھی اچھی طرح خارج نہ کر سکیں۔ اگر آپ کو بار بار اس کا فرحت بخش مس نصیب نہ ہو تو آپ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کمائیں پئیں۔ آپ ہرگز تندرست نہیں رہ سکتے۔ اسی لئے "انسانی دھرم" ہر مرد و عورت کے لئے یہ تعلیم نہایت ضروری خیال کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے ہاتھ پیر۔ چہرے۔ اور تمام جسم کو بار بار دھونا بھی اپنا ویسا ہی ضروری اخلاقی مجلسی اور مذہبی فرض سمجھیں۔ جیسا کہ کسی اور فرض کو! اور آپ میری اس بات پر یقین رکھیں۔ کہ دنیا میں آج کل بھی کروڑوں مرد و عورت ایسے ہیں۔ جن کو آپ کے اس مربیانہ و شفقانہ مشورے کی سخت ضرورت ہے۔"

۴۔ میکاڈو کی عاجزانہ غلامی

ہم "انسانی دھرم" کے پیرو شنٹو دھرم کے اس غلامانہ اصول کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ میکاڈو یا اور کسی حکمران ملک کی عاجزانہ فرمانبرداری کی جائے۔ لیکن درحقیقت شنٹو دھرم مذہبی لباس میں جاپانیوں کو حب الوطنی اور قوم پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی شنٹو دھرم کے اس مرکزی خیال کو تسلیم کرنا پڑتا

ہے۔ کہ ہر شخص کا یہ اخلاقی فرض ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی قومی حکومت کا وفادار اور جاں نثار رہے۔ اور اُسے ہی اپنے ملک کی اعلیٰ ترین و اہم ترین سمجھے۔ ہر ایک اچھے مذہب کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ اچھی سیاسیات کی تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ جب ایک جمہوری حکومت کی عوام کو مجبور کر دینے والی طاقت کو اس کی ضروری و مناسب حدود تک کمزور یا بند کر دیا جاتا ہے۔ تو وہی سماج میں باہمی امداد کی سپرٹ پیدا کرنے کا ایک نہایت زبردست ذریعہ بن جاتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہی تو سوسائٹی کا دل و دماغ ہے۔ جہاں کہ ہر ایک خاندان علم حیات (BIOLOGY) سے تعلق رکھنے والی ایک اکائی (UNIT) کی مانند ہے۔ اسی لئے خاندانی محبت و الفت کو دنیا بھر میں ہر جگہ ایک مشترکہ نیکی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب بھی مرد و عورت قدرتاً اپنے ہی خاندانی مفاد کو بڑھانا چاہتے ہوں تو با وجود اس کے ہم اپنے نوجوان شہریوں کے دل و دماغ میں پبلک سپرٹ اور قومی آدرشوں کی پیروی کا پورا جذبہ کس طرح پیدا کر سکتے ہیں؟ اور ان سے حکومت کے لئے بے غرضانہ خدمات کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض ممالک میں ویسے تو پبلک زندگی دیکھنے میں نہایت سرگرم و مستعد معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً اس کی بنیاد زر پرستی اور دیگر فاسد خیالات پر ہوتی ہے۔ اور بعض میں بالکل ہی بے جان۔ دھیمی اور سست ہے۔ بعض سیاسی مدبر اور وزرا بلند حوصلہ، مگر لالچی و زر پرست ہوتے ہیں۔ بعض کاہل۔ پست ہمت اور لاپروا۔ رعایا کے عام افراد بھی اکثر متلون مزاج اور مردہ دل ہی دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر انتخابات کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ بہت سے لوگ محض اپنی سستی اور سرد مہری کے باعث قومی یا مقامی انتخابات میں رائے دینے کے لئے جانے تک کی بھی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے۔ اور رایوں کی پوری تعداد کا نصف یا دو تہائی حصہ بھی رائیں

نہیں پڑتیں ؛

کیا وجہ ہے۔ کہ بعض ایسی حکومتوں میں بدانتظامی اور بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے؟ جہاں کچھ باشندے اپنے ذاتی کاروبار اور خاندانی معاملات کو نہایت عمدگی۔ بلکہ آدرش طور پر چلاتے ہیں اور ترقی دیتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ وہاں ہی بہت سے ہوشیار اور چالاک لوگ ملک و قوم کو دھوکا دے دے کر لوٹتے اور کھسوٹتے ہوئے اور اُس کی دولت سے اپنا گھر بھرتے ہوئے کیوں نظر آتے ہیں؟ ایک معمولی گرہستی اپنے خاندانی فرائض کو نہایت عمدگی کے ساتھ سرانجام دیتا ہوا بھی ایک بُرا شہری کیوں ثابت ہوتا ہے؟ دُنیا میں اچھا شہری ثابت ہونے کا جذبہ ایسا ہی نادر اور نایاب کیوں ہے۔ جیسی کہ لنڈن اور پیرس میں سردی کے دنوں میں دھوپ ؛

اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ ہمارا خانگی۔ مجلسی اور مذہبی اخلاق اچھا ہوتے ہوئے بھی شہری اخلاق اچھا تو کیا موزوں و مناسب بھی نہیں۔ اس لئے یہ نہایت ہی ضروری ہے۔ کہ پبلک فرائض کو انسانی فرائض کا نصف سے بھی زیادہ درجہ دے کر اُن کی تعمیل اور تکمیل کے خیال کو زیادہ اہم اور اُن کے آدرش کو زیادہ بلند بنایا جائے۔ اس کے لئے آپ کو اپنے تمام پبلک اور سیاسی فرائض کی ادائیگی کا بھی ویسا ہی پورا پورا خیال رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ اپنے خانگی۔ مجلسی یا مذہبی فرائض کا! اس غرض سے سیاسیات و اقتصادیات کا مناسب غور و خوض سے دانشمندانہ مطالعہ کرنا۔ اخبارات کا ہر روز پڑھنا۔ انتخابات اور پبلک جلسوں میں عملی طور پر حصّہ لینا اور اپنی دیانتدارانہ رائے ظاہر کرنا۔ میونسپلٹیوں۔ کونسلوں۔ اسمبلیوں وغیرہ کی کارروائیوں میں بھی پوری پوری دلچسپی رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سبھی باتیں نہایت ضروری ہیں اور انھیں شہریت کے ابتدائی فرائض میں شامل سمجھنا چاہیئے ؛

ساتھ ہی اس کے ہر ایک شہری کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ وہ اپنی قومی حکومت سے اپنے خاندان سے بھی زیادہ، بہت زیادہ محبت کرے۔ کیونکہ حکومت تو لکھوکھا خاندانوں کی نمائندہ ہے۔ اس پر کروڑوں باشندوں کی بھلائی منحصر ہے۔ لیکن خاندان میں صرف چند ہی افراد شامل ہیں۔ اگر حکومت کا انتظام اچھا ہوگا۔ تو ملک کے سبھی خاندان خود بخود خوشحال و فارغ البال ہو جائیں گے۔ اس لئے ایک مکمل و مجموعی ہستی کا خیال اُس کے اجزا و افراد کی نسبت بدرجہا زیادہ مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔ "انسانی دھرم" کا یہ مقصد و مدعا ہے۔ کہ وہ ہر شخص کے دل میں یہ جذبہ پیدا کردے کہ وہ اپنی محدود سی شخصیت کو وسیع اور لامحدود آزاد جمہوری حکومت کی خاطر اپنی مٹھی بھر دولت۔ طاقت۔ وقت اور قابلیت۔ حتیٰ کہ جان تک کو بھی بوقتِ ضرورت قربان ...... کر دینے کے لئے ہمیشہ آمادہ و کمربستہ رہے ؛

اس طرح آدرش حکومت نوعِ انسان کے لئے ایک پرم پوتر اور پاکیزہ آدرش بن جائے گی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ اس میں جو بھی نمائندے جائیں وہ قوم کی قابل ترین اور مایہ ناز ہستیاں ہوں۔ اور حکومت کا صدر یا اعلیٰ ترین حکمران ملک بھر میں سب سے زیادہ دُور اندیش، دانشمند۔ نیک اور پاک مرد یا عورت ہو۔ تاکہ ہر ایک شخص تہ دل سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر سکے۔ اور اس کی عظمت و بزرگی کا قائل ہو سکے۔ کیونکہ جب کوئی بادشاہ یا صدر حکومت اپنی دانائی، دُور اندیشی۔ نیکی اور پاکیزگی کے لحاظ سے عام شہریوں کی نسبت نمایاں طور پر افضل و برتر نہیں ہوتا۔ تو اس کے لئے قدرتاً یہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی ہستی اور مفاد کی حفاظت کے لئے بد دیانتی۔ بے ایمانی اور مکر و فریب سے بھرے ہر طرح کے ذرائع استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح اس کی بہانہ سازی۔ مشیخت اور فرضی نمائش کی بدولت حکومت روز بروز

کمزور ہوتی جاتی ہے - اس لئے کسی بھی حکومت کا صدر یا فرمانروا کبھی کوئی معمولی لیاقت و قابلیت کا شخص نہ ہونا چاہیئے - خواہ وہ کسی شاہی خاندان سے ہی کیوں نہ تعلّق رکھتا ہو - یا وہ کیسے ہی خطابات و القابات سے مزیّن - یا زری زربفت کی خلعتوں سے آراستہ و پیراستہ کیوں نہ ہو - بلکہ نہ کسی ایسے زر پرست سرمایہ دار کو ہی یہ اعزاز نصیب ہونا چاہیئے - جو شخص اپنے روپیہ کی طاقت سے اس سنہری سنگھاسن تک پہنچا ہو ؛

غرضیکہ ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کو شہریت کے بلند ترین ممکن آدرشوں کی تعلیم دینا چاہیئے - اور انہیں ہیری کلیز - عمر خیام - ایرسٹاٹیڈیز - رام کرشن سینٹ لوئی - مارکس اوری لیئس - اشوک - اری گوین - الفریڈ - فین اور ایسے ہی دوسرے بے شمار ملکی - قومی اور عالمگیر شہرت رکھنے والی واجب التعظیم ہستیوں کی سوانح عمریاں پڑھائی جانی چاہئیں ؛

صرف اسی طرح "انسانی دھرم" نوع انسان کو حقیقی انسانیّت اور شرافت کی تعلیم دے کر شنٹو دھرم اور جمہور نواز دنیا کے سیاسی آدرش کی پیروی کرنے کے قابل بنا سکے گا . تبھی حکومت انسانیت کی پرستش کا ایک عالیشان مندر بن سکے گی . اور ہر ملک و قوم کے بہترین و دانش مند ترین مرد و عورت اس مندر کے سربراہ ، پجاری اور محافظ بن سکیں گے ؛

۳ - اخلاق

شنٹو دھرم نے جاپانیوں کو اپنے اندر نہایت ضروری خوبیوں کو نشوونما دینے کی تعلیم بھی دی ہے - مثلاً :-

" اگر تمہارے اندر کوئی چمک نہیں - تو بیرونی چمک دمک کے لئے پراتھنا کرنا فضول و بے سُود ہے "

"انسانوں کا سیدھا۔سادہ۔ صداقت پرست دل دُنیا بھر کی تمام بلند و بالا ہستیوں میں سے بلند ترین ہستیوں کا ہم پلہ ہے۔ جھوٹے اور چال باز شخص کے لئے بہشت اور زمین پر کہیں بھی جگہ نہیں"

"حاجت مندوں۔ کوڑھیوں۔ حتیٰ کہ چیونٹیوں اور جھینگروں تک کیلئے بھی اپنے دل کو رحم و ہمدردی سے پُر رکھو"

"جھوٹ کو چھوڑ کر مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ صداقت کا مُطالعہ کرو" ؛

(۴)

ٹاؤدھرم

چین کا مذہب "ٹاؤدھرم" بھی عجیب و غریب ہے۔ اس کے متناقض پہلوؤں پر بارہا نکتہ چینی کی جا چکی ہے۔ اس کی نیم حکیمی اور مداری پن۔ اس کی اکسیریں جن کے متعلق یہ دعوے کیا جاتا ہے۔ کہ وہ انسانوں کے مادی جسم کو لاثابت عطا کر سکتی ہیں۔ اس کی بھوت پوجا۔ جادو ٹونے اور اس کی سستی اور کاہلی بڑھانے والی مسلنی۔ اس کے طلسم۔ کیمیا گری۔ جڑی بوٹی۔ نکماپن۔ بے عملی اور سزا جزا کے مسائل وغیرہ سب ہی باتیں قابل نکتہ چینی کہی جا سکتی ہیں ؎

اس دھرم کے بانی مبانی مہاتما لاؤٹزی (یا لاؤٹزو) کا جنم ۶۰۴ قبل مسیح کے قریب چین میں ہوا تھا۔ مگر آپ کی تاریخ وفات کی بابت کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ بھی سنا گیا ہے۔ کہ پہلے آپ ایک سرکاری افسر تھے۔ بعد ازاں بڑھاپے میں سادھو ہو گئے۔ اور آپ نے "ٹاؤ تی چنگ" یا "ٹاؤ تہ کنگ" نامی ایک دھرم گرنتھ تصنیف کیا۔ اسی لئے آپ کا چلایا ہوا دھرم بھی "ٹاؤدھرم" کے نام سے مشہور ہو گیا ؎

ایمر دراذی

"ٹاؤازم" کا دوسرا نام "ہسوان چاؤ" بھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے۔ کہ انسان صفحہ ہستی پر زیادہ سے زیادہ لمبی عمر حاصل کرے۔ اس

ہیں شک نہیں۔ کہ یہ مقصد ہے بھی مبارک اور قابل تعریف! کیونکہ انسانی خصلت کا ہی یہ تقاضا ہے۔ کہ جتنے بھی زیادہ عرصہ تک ہو سکے۔ وہ سورج کو چمکتا دمکتا دیکھ سکے۔ یہ "حاتی لا فانیت" حاصل کرنے کی اُمیدیں بھی اس کی اس نہایت ہی زبردست اور کبھی سیر نہ ہونے والی خواہش میں ایک ذرہ کمی پیدا نہیں کر سکتیں۔ "سٹاڈازم" کا ہمیشہ جوانوں کی مانند چھلانگیں مارتے رہنے کی اُمنگیں بھڑکانے والا "یہ سودا" خواہ اپنی اصلیت و حقیقت سے کتنا بھی آگے کیوں نہ بڑھ جائے لیکن پھر بھی وہ یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اُن کے اس مادی جسم کے لئے دائمی بقا حاصل کر لینا بھی ممکن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زیادہ سے زیادہ لمبی عمر حاصل کرنے کا امکان انسانی تہذیب کی عظمت و برکت کی۔ سب سے بڑھ کر قابل اعتماد کسوٹی مانا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر کسی طرح میری عمر ایک ہزار سال یا اس سے زیادہ کی بھی ہو سکے۔ تو میں اُسے ہرگز ناپسند نہ کرونگا۔ کیونکہ مجھے دُنیا میں ابھی اتنا کچھ سیکھنے اور کرنے کے لئے باقی ہے۔ جو شائد کبھی ختم ہی نہ ہو سکے گا۔ برنارڈ شا کی تصنیف "تین سو سال کی زندگی کے لئے میتھوصالح کی مہم" اس کوشش کی ایک نہایت شاندار ابتدا کہلا سکتی ہے ؂

بلا شک و شبہ پیش از وقت موت ایک نہایت غیر ضروری خرابی ہے۔ جب چھوٹے بچے اور جوان مرد و عورت مر جاتے ہیں تو "انسانی دھرم" کے ایک سچے پیرو کے دل کو نہایت ہی سخت صدمہ پہنچتا ہے ـــ اس رنجیدہ واقعہ سے اس کے دل کے گہرے گوشہ میں ایک ایسا زخم پڑ جانا چاہئے جو خون کے آنسوؤں یا "مذہبی طفل تسلیوں" کے مرہم سے بھی کبھی مندمل نہ ہو سکے۔ ہر ایک ایسے ناشدنی واقعہ کے بعد ہمیں کمال صدق دلی اور اپنی قوت ارادی کی پوری پختگی و مضبوطی سے یہ عہد مصمم کر لینا چاہئے۔ کہ ہم مہذب دُنیا سے

"بلکہ از وقت موت" کا نام و نشان بھی مٹا دینگے اور یہ کچھ ناممکن بھی نہیں۔ علم تولید تندرست و مضبوط بچہ پیدا کرنے کا علم اور صحیح و مناسب تعلیم۔ مجلسی و انفرادی صحت کے اصولوں کا عملی برتاؤ۔ اقتصادی اصلاح۔ ہر حالت میں خوشی و مسرت سے لطف اندوز رہنے کی دائمی کیفیت اور ایسی بہت سی دیگر ممد و معاون باتیں انسانیت کے اس ناقابل فتح دشمن کی بہت سی نامبارک کوششوں کو ناکام و بے اثر بنانے میں ہماری پوری پوری مدد کر سکتی ہیں۔ "انسانی دھرم" کا کم از کم مطالبہ یہ ہے۔ کہ ہر ایک بچہ جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اسے کم از کم سو سال تک زندہ رہنا چاہئے اور اس سے زیادہ جتنے بھی عرصہ تک وہ زندہ رہ سکے۔ اتنا ہی مبارک ہوگا۔ ہم قتل و خونریزی کے متعلق "خدائی مرضی" کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ زندہ رہنے کے لئے انسان کی اپنی منشاء و مرضی" پر ہمارا پورا پورا قابو ہے۔

۳۔ طریق قدرت یا طریق عالم

چینی زبان میں لفظ "تاؤ" کے لغوی معنے راستے یا طریقے کے ہیں۔ اس لئے "تاؤ تی چنگ" کے لغوی معنی "طریق قدرت یا طریق عالم" کے ہو سکتے ہیں۔ یہ دھرم ہمیں قدرت سے محبت کرنے اور اس سے سبق سیکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نکتہ خیال سے یہ تمام مذاہب کی نسبت انوکھا اور نرالا مذہب ہے۔ کیونکہ بہت سے دوسرے مذاہب میں قدرت کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یا اگر کبھا بھی جاتا ہے۔ تو بے حد حقارت سے۔ لیکن "تاؤ دھرم" کہتا ہے۔ کہ

> "اس دھرم کا پالن ہی اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو تمام و کمال قدرت کے حوالے کر دے"

لاؤتزے ہی اور اس کے شاگردوں نے قدرت کو ہی اپنا پرم گورو مانا ہے انگلستان کے مشہور شاعر ورڈزورتھ نے "تاؤ دھرم" کے اس راز کو ہی اپنے شعور

پر محسوس کر کے یہ جاننا۔ کہ :-

"اگر آپ اپنے دل ودماغ کو قدرت کے خاموش اثرات کے ماتحت کر دیں۔ اور انہیں اپنے اندر جذب کرتے رہیں۔ تو بغیر کسی خاص جدوجہد کے ہی آپ اپنی زندگی کو زیادہ شریف اور روحانی برکتوں سے مالامال کرتے جائیں گے"

اثر پذیری یا مجہولیت (PASSIVITY) کے آدرش میں بھی یہی صداقت نور ریز ہے۔ جس نے چین کے بڑے سے بڑے مصوروں کے دل کو پُر نور کر دیا ہے مانند قدرت کے زندگی بخش اثرات کو اپنے جسم میں ذرا داخل تو ہونے دیجئے پھر آپ دیکھیں گے۔ کہ آپ کا جسم اس کے نور سے ویسا ہی بھرپور ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ایک تاریک کمرہ سورج کی کرنوں سے پُر ہو کر جگمگا اُٹھتا ہے۔ صرف اپنے دل کی کھڑکیاں کھول دیجئے! اس نور کو حاصل کرنے کے لئے بالکل بھی کسی طرح کی جدوجہد یا کوشش نہ کیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ چاند، سورج، ستارے، پتیاں، بادل، گرج، بجلی، قوس وقزح۔ طلوع آفتاب، غروب آفتاب۔ برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کی چمک دمک، قطب شمالی کی پُراسرار روشنیاں۔ پہاڑ اور برفستانی جزائر۔ برف کے بہتے ہوئے تودے۔ آبشاریں۔ پھول۔ جھاڑیاں۔ درخت۔ چرند۔ پرند۔ درندے بھی چیزیں اپنی ہر صورت میں آپ کو کوئی نہ کوئی الہام گرانبہا و روح افزا سبق دے رہی ہیں۔ جو ہمیں اور کسی طرح بھی حاصل ہونا ممکن نہیں لیکن شرط صرف یہ ہے۔ کہ ہم اپنے پس۔ اندھے پن اور بہرے پن کو دور کر دیں جس نے کہ اس وقت ہمیں دبا رکھا ہے۔ غرضیکہ ہمیں اپنا سب کچھ غرور، تکبر، بالائے طاق رکھ کر ایک منکسر المزاج۔ عقیدت مند چیلے کی طرح کمال سنجیدگی اور یکسوئی کے ساتھ قدرت کے نظاروں کو دیکھنا اور اس کی آوازوں کو سننا چاہیے

اور کچھ دیر کے لئے اپنی بیہودہ اور کانٹ چھانٹ کرنیوالی منطق کو بالکل بھول جانا چاہیئے ۔

دوسرے موقعوں پر اور دوسرے مقاصد کے لئے آپ اگر چاہیں تو قدرت کی چھان بین اور اس کا تجربہ بھی کر سکتے ہیں۔ بلکہ بہ حیثیت ایک ماہر سائنس دان کے اس کی کچھ طاقتوں پر قبضہ بھی حاصل کر کے اس سے ایک لونڈی کی طرح اپنا ہر ایک کام بھی لے سکتے ہیں۔ کیونکہ حضرت انسان کا یہ بھی ایک مشن ہے۔ لیکن باوجود اس کے قدرت ہمیں ایک روحانی پیغام دیتی ہے۔ جس کے لئے "ادھرم" ہمیں تیار کرتا ہے ۔

بعض نکتہ چین ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ "انسانی دھرم" میں "پُر اسرار رموز تصوف" کی کمی ہے۔ لیکن اگر ان "رموز" سے آپ کا مدعا جنتر و منتر کے ملحوظ انہونیوں کی سی پُرخواب و خیالی باتوں سے ہی ہے۔ تب تو معاف رکھیئے ۔ "انسانی دھرم" ان "پُر اسرار الموز بے خوبی" کے بغیر ہی اپنا گذارہ اچھی طرح کر لے گا۔ بمصداق ؎

بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا !

لیکن ان "رموز" سے آپ کا مطلب "حیرت و ہیبت" پیدا کرنے والے روشن ضمیری سے پُر روحانی سکون" سے ہے۔ تو یاد رکھیں قدرت ہمارے لئے ان پُر اسرار تجربات کا ایک ایسا سرچشمہ ہے۔ جو کبھی خشک ہی نہیں ہوتا۔ اور جس کے پاس جاتے ہی ہم لامحدودیت ۔ اسرار۔ خوب صورتی ۔ عظمت و لاثانیت سے دو چار ہو جاتے ہیں۔ کوئی مذہبی صوفی ۔ اپنی مصنوعی و خام خیالی سے بھری باطنی بصارت کی بدولت اس سے زیادہ اور کیا دیکھ سکتا ہے ؟ کچھ بھی نہیں ! کیونکہ وہ ایک بالکل ہی غلط راستے پر پڑا ہوا ہے۔ گویا کہ شاید ہی کو مخاطب کر کے کسی

فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی! ایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

کیونکہ وہ قدرت سے اپنے سب تعلق کاٹ کر اپنے آپ کو بہت دور لے جاتا ہے۔ حالانکہ قدرت ہی تمام پُر اسرار روحانی مسرتوں اور کشف و الہامات کی بہم رسانی کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ مگر وہ غلطی میں پھنسا ہوا انسان اپنی محدود سی ہستی میں ہی بہت سی خیالی تصویریں اور نظارے پیدا کر کے اُن کا آنند لیتا رہتا ہے۔ لیکن ہم "انسانی دھرم" کے پیرو اس پُر اسرار تخیل پرستی کے ناقابل پیمائش اور لاانتہا ذخیرہ یعنی قدرت کے لامحدود اور اتھاہ بحر ناپیدا کنار تک پہنچنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ کیونکہ یہی ایک حقیقی زندگی بخش تصور ہے۔ یہی ہماری تمام روحانی طاقتوں کا بے پایاں بھنڈار ہے۔ اور یہی انسانی ہستی کو نئی زندگی اور نیا شباب عطا کرنے والی بے خطا اکسیر ہے!

غرضیکہ مادرِ قدرت اپنی تمام صورتوں میں ایک شفا بخش گورو کی خدمات ادا کر سکتی ہے۔ پہاڑوں کے شاندار مناظر اس کے شوکت و جلال کو ظاہر کرنے والے سربلند مینار ہیں۔ جن سے اس کی پُر اسرار دانائی و طاقت کا اظہار ہوتا ہے سرد و پُر اسرار کوہستانی ہوا ایک مسرت بخش روحانی شراب ہے۔ جس کے سامنے بیش بہا سے بیش بہا شمپین بھی پانی ہے۔ نہ پہاڑی چشموں کے بلور جیسے شفاف اور خوشگوار پانی سے بڑھ کر ہمارے دل و دماغ کو قوت و فرحت بخشنے والی کوئی دوسری چیز ایجاد کرنے میں ہی انسانی علم و ہنر اب تک کامیاب ہو سکے ہیں۔ دیکھئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھلی ہوئی دھوپ کی ایک ایک کرن آپ کی جلد کے ایک ایک مسامہ کو چوم چوم کر اس میں ایک ایسی نئی زندگی نیا ولولہ اور نیا جوش پیدا کر دیتی ہے۔ جس کی بدولت خون آپ کے رگ رگ اور ریشہ

راستہ میں ایک پُرمسرت دیوانہ پن کے ساتھ اُچھلتا، کودتا اور ناچتا گاتا ناہموار حرکت کرنے لگتا ہے۔ پہاڑوں کی سربفلک چوٹیاں مادرِ قدرت کے سربلند مندر کے فلک شگاف کلسوں کی تیز نوکوں کی مانند ہیں جنکی مشابہت نہ ابھی تک کوئی ماہر فن ہنرمند کسی مندر۔ مسجد۔ گرجا یا گوردوارہ کی عمارت کے کلس میں تیار نہیں کر سکتا۔

سفید براق برف سے ڈھکے ہوئے صم بکم پہاڑ، خاموش، نیلگوں آسمان میں اشنان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تو وہ نظارہ ہماری آنکھوں کے ذریعہ روح کی گہری سے گہری گہرائیوں میں داخل ہوکر بہشتی سرور کی سرمست موجوں کا جو تلاطم پیدا کر دیتا ہے۔ اُسے بیان کرنے کی طاقت کس کی زبان و قلم میں ہے۔ پہاڑوں سے سر ٹکراتی ہوئی جھومتی ہوئی دوڑتی ہوئی بھاگتی ندیوں کے سیلانی ناچ کو دیکھ دیکھ کر اور ان کے پُرشور نغموں کی تانیں سن سن کر آپ کے دل کو جو طمانیت اور سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ رقص و سرود کے کسی ماہر سے ماہر اُستاد کے کمال فن کو دیکھ کر بھی کب حاصل ہونا ممکن ہے؟ غرضیکہ یہ سب سرور آفریں کوہستانی نظارے ایسے ہیں۔ جو ایک عرصہ دراز کے لئے اپنے گھر پیارے گھر کی یاد بھی آپ کے دل بیقرار سے محو کر دینے میں اکثر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شاید اُنہیں کے اس سحر و طلسم کو دیکھ کر کسی شاعر نے کہا ہے ؎

از عرش تا بہ زمین ہر کجا کہ مے بینم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا ست

پھر پہاڑی جنگلات ایک ایسا سنسان اور خاموش و وسیع منظر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو پُرعقیدت مراقبہ اور غور و خوض کے لئے بہترین گوشہ تنہائی کہا جا سکتا ہے۔ ان پہاڑوں میں بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج کے ہولناک نظاروں اور آوازوں کو دیکھ اور سن کر قدرت کی لامحدود اور پُرجلال طاقتوں

کیا جو پُر ہیبت و پُر غرور پیغام آپ کے سرکش اور خود پرست دل کو موصول ہوتا ہے اس کے مقابلے میں وہ پُرتاثیر پیام کس شمار و قطار میں ہے۔ جو اپنے حُسن خداداد کے نشہ میں مست کوئی قتالہ عالم حسینہ اپنے عاشق جاں باز کی عاجزانہ عرض و معروض کے جواب میں بھیج کر اس کے شیشہ دل کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ پہاڑ دل کی سرفراز بلندیاں اور اُن کے کھڈوں کی سرنگوں گہرائیاں آپ کی روح میں بیک وقت فروتنی و بیداری اور ہیبت و مُسرت کی جو متضاد کیفیتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ وہ فنون لطیفہ کا کوئی چیز دست ماہر کب پیش کر سکتا ہے؟ پھر پہاڑی سبزہ زار اور چراگاہیں آنکھوں پر ایک ایسا سحر سا پھونک دیتی ہیں۔ جو اُن کی سر بفلک چوٹیوں کے تجمل و شان کے نظارے کے سوا شاید اور کسی طرح ٹوٹنا ہی ممکن نہیں ؎

"تاؤ دھرم کا پیرو ایک شاعر لکھتا ہے :۔

"مجھے ہتھیار دل کی اس ہیبت خیز کھڑکھڑ سے سخت نفرت ہے۔
جو وحشی تنخواہ دار ملازم جمع ہو کر کرتے رہتے ہیں ؎
میں شرابیوں کی بکواس۔ بنسری کی آواز اور گیتوں سے بھی نفرت کرتا ہوں۔ مگر مجھے پریم ہے۔ تو اس سے کہ گوشہ تنہائی ہو۔ کوئی پُرانی کتاب میرے ہاتھ میں ہو۔
میرے چاروں طرف جنگلی پھول کھلے ہوں اور موسم بہار کے پُرطرب خوب صورت پرندہ کوئیل (پرندوں) کے روح افزا نغمے میرے کانوں میں آ رہے ہوں گا — (جین ٹوآن) — (ماخوذ از چینی علم ادب کی تاریخ۔ مصنفہ ایچ اے گائیلز) ؎

"انسانی دھرم" بھی یہی آدرش سب کے سامنے پیش کرتا ہے کہ "انسان اور قدرت کے درمیان ہمیشہ پُورا پُورا اُنس۔ پریم اور یک جہتی

قائم رہنی چاہیئے۔ کیونکہ انسان مادرِ قدرت کا بچہ ہے۔ اس لئے ایک مہربان ماں اور بیٹے میں باہمی کشمکش کیسی؟ جبکہ دُنیا میں ہر جگہ ایک ہی طاقت ہے اور ایک ہی عالمگیر قوّت کام کر رہی ہے۔ اُن کا ایک ہی دائمی راستہ ہے جبکہ ذرہ ذرہ، انو انو، پرمانو۔ پرمانو، میں۔ ہر ایک خانے میں، مادی اجسام کے ہر رگ و ریشے میں، ستاروں کی روشنی میں، سورج کی کرنوں میں، انسانی دماغ میں جہاں کہیں بھی دیکھو وہی ایک طاقت کام کر رہی ہے۔ خواہ اُسے ہزار نام سے پکارو، چیز وہ ایک ہی ہے۔ دُنیا کی تمام چیزوں اور ساری ہستیوں کا سب سے زیادہ اندرونی جوہر وہ ایک ہی ہے۔ کیونکہ دُنیا بھی ایک ہی ہے۔ یہی سب سچائیوں کی ایک سچائی اور سب پوشیدہ رازوں کا ایک ہی راز ہے۔ تاؤ دھرم و انسانی دھرم دونو کے پیرو یہ جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔ کہ دُنیا بھر کی تمام چیزیں اور تمام ہستیاں ایک ہی آگ کی چنگاریاں اور ایک ہی آبشار سے بہتے ہوئے چشموں کے پانی کی بوندیں ہیں۔ اسی لئے تو ہم سون برن کے اس گیت کو دلی خوشی اور مسرت سے بھرپور ہو کر گا سکتے ہیں:۔

WITH US THE WINDS AND FOUNTAINS
AND LIGHTNINGS LIVE IN THE TIME!
THE MORNING COLOURED MOUNTAINS
THAT BURN IN TO THE NOON,
THE MISTS' MILD VEIL ON VELLEYS
MUFFLED FROM THE MOON.

ترجمہ ۔ ہوائیں، آندھیاں۔ چشمے۔ بجلی۔ صبح کی سنہری روشنی میں جگمگانے اور دوپہر کی سخت دھوپ میں جلنے والے پہاڑ۔ کہر کا

ہلکا سا نقاب جو وادیوں کو جانداروں کی نظروں سے چھپا لیتا ہے۔
غرضیکہ سبھی چیزیں ہمارے ساتھ ایسی مطابقت رکھتی ہیں۔ گویا کہ
ہم سب ایک ہی سُر میں گا رہے ہیں"۔

چین کا مشہور شاعر اور مصور مسٹر چیانگ یی (CHIANG YEE)
لکھتا ہے :-

"لاؤٹزو کا یہ عقیدہ تھا کہ پہاڑوں، چشموں، بادلوں، کہر وغیرہ کی صحبت میں رہ کر اور خاموشی سے ان کے پیغامات کو سنتا ہوا ہی ایک انسان قدرت کی عالمگیر سپرٹ اور اس کے کاموں کو محسوس کرنے اور سمجھنے کی قابلیت حاصل کر سکتا ہے"۔

۳۔ ذاتی آزادی

تاؤ دھرم ملک میں زیادہ سے زیادہ شخصی آزادی کا حامی ہے۔ اسے رئیسی اور ورانمنٹ سے سخت نفرت ہے۔ اور یہ اُن مدبّروں کی بھی مذمت کرتا ہے جو آئے دن قوانین، قواعد ضوابط اور آرڈیننس وضع اور نافذ کر کے اپنی دکان داری چلاتا چاہتے ہیں۔ اسے شخصی خود مختاری اور انسان کی خلقی نیکی پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس کا قول ہے کہ :-

"جتنے بھی زیادہ قانون قواعد وضع کئے جائیں گے۔ اتنے ہی زیادہ چور اور ڈاکو پیدا ہوں گے۔ اگر گھوڑے اور ٹٹوؤں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اور ہیرے اور موتیوں کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جائے۔ تو چھوٹے موٹے چور بھی خود بخود غائب ہو جائیں۔ اس لئے اپنی سب ریشہ دوانیوں اور تجویز بازیوں کو چھوڑ دو۔ نیز ذاتی نفعوں کا خیال ترک کر دو"۔ (تاؤ تی چنگ)۔

شخصی آزادی ہی ترقی تہذیب کی سب سے بڑی علامت ہے۔ ایک مہذب

سوسائٹی میں یہ جتنی بھی زیادہ حاصل ہو۔ اتنی ہی کم ہے۔ یعنی ضروریات سے زیادہ کبھی نہیں کبھی جا سکتی۔ ہر ایک قانون حکومت کے جبری عنصر کا پورے پورے زور شور سے اعلان کرتے ہوئے اس میں جبر و تشدد کی مقدار کم سے کم کر دیئے جانے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ آزادی ہی شہریوں میں خود اعتمادی۔ دانائی۔ صداقت تہذیب اور انسانیت کی سپرٹ پھونکتی ہے۔ اختیارات کی زیادتی ہمیشہ غلامی پیدا کرتی ہے۔ جس سے حوصلہ۔ اُمنگ۔ قوت فیصلہ۔ ہمت و جرأت۔ خودداری اور باہمی ہمدردی وغیرہ سبھی نیک صفات جو ہر ایک انسان میں ہونی ضروری ہیں آہستہ آہستہ زائل ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے آزادی کو غلطیاں کرتے رہنا ہی اچھا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ نا تجربہ کار اور نالائق مند ترین مطلق العنان حکام کی غلامی میں زندگی بسر کی جائے۔ جو ہمارے منہ پر چھینکا باندھ دیں۔ اور ہاتھوں۔ پیروں کو زنجیروں۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے جکڑ دیں۔ تاکہ ہم نہ تو زبان ہی چلا سکیں اور نہ ہاتھ پیر ہی ہلا سکیں ؎

ضرورت سے زیادہ افسروں اور حاکموں کی دست اندازی کا انجام ہمیشہ ہی یہ ہوتا ہے۔ کہ آخر میں نہایت خوفناک گڑبڑ اور طوائف الملوکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور رعایا سے عوام کو اپنی مجموعی دانائی اور طاقت سے انتظام خود درست کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ انگریزی قوم رضاکارانہ تعاون کے اصول پر ہی کام کرتی ہوئی شب و روز ترقی کر رہی ہے۔ لیکن برعکس اس کے یورپ کی کئی قومیں ہیں۔ جن کے مطلق العنان حکمران اُن کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ فنون۔ سائنس۔ علم ادب۔ فلسفہ۔ غرضیکہ ہر قسم کے علم و ہنر نے ہندوستان۔ یونان۔ اٹلی۔ انگلستان اور دیگر ممالک میں اسی وقت خاطر خواہ ترقی اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کی۔ جبکہ وہاں آزادی کا دور دورہ تھا۔ جب مردوں اور عورتوں پر

سے زیادہ نگرانی و پابندی ہوتی ہے۔ اُن کی جبری بھرتی کرکے رجمنٹیں بنائی جاتی ہیں۔ اُن کے لئے من مانے معیار قائم کئے جاتے ہیں۔ تو اُن کی یہ سب قابلیتیں ماری جاتی ہیں۔ جذبیں اور سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ اور وہ دنیا میں کوئی نیا یا نرالا کام کرنے کے قابل نہیں رہتیں تو لاوڑسی۔ ہربرٹ سپنسر۔ اور کرے شلن کی تعلیم کا مداح و معتقد ہوں۔ کنفوشس۔ ہوبز اور کومٹے کے عقائد کا نہیں۔ اس لئے ایسی یہی کہونگا۔ کہ آپ ہر رنگ اور رُوپ کے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے۔ لال ہوں یا پیلے" اپنے حکم کے والوں" اور اپنی "مکمل متابعت کے خواہش مندوں" کی ہر طرح و ہر طریق سے گناہ آلود ریشہ دوانیوں سے اپنی آزادی و خود مختاری کی نہایت احتیاط و سرگرمی بلکہ رشک و رقابت کے ساتھ حفاظت کیجئے! اور اپنے اس سرمایہ زندگی پر کسی کی بھی نوچ کھسوٹ کسی صورت میں بھی ہرگز روا نہ رہنے دیجئے۔ آپ آزاد ہو کر غریب رہنا بھی پسند کیجئے۔ لیکن غلام بن کر جو امارت اور ثروت حاصل ہو۔ اس پر ہمیشہ ہزار ہزار لعنت بھیجئے اور اُسے کمال نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیجئے۔ زیادہ دولت اور قومی شان و شوکت کے ٹکڑوں کا سایہ پانی میں دیکھ کر بے وقوف کُتے کی مانند اس پر منہ مت مارئیے بلکہ حقیقی آزادی حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ جو صدیوں کی مسلسل قربانی و ایثار نفسی سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ آپ اس کی طرف سے بالکل ہی لاپروا ہیں۔ یاد رکھئے! اگر آپ روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے اپنی آزادی کو قربان کر دیں گے۔ تو آپ انجام کار دونوں ہی چیزوں کو یعنی آزادی کے ساتھ ہی ساتھ باعزت حاصل ہونے والی روٹیوں کو بھی کھو بیٹھیں گے۔ اس لئے اپنی آزادی کی حفاظت کیجئے! تاکہ آپ اس کے ساتھ صرف روٹیاں ہی نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کی اور سب نعمتیں بھی حاصل کر سکیں ؀

۴- ضروری اصول

تاؤ دھرم زندگی کی سادگی اور رضاکارانہ طریق عمل کا زبردست حامی ہے یہ پیچیدگی، تکلف اور تصنع سے سخت نفرت کرتا ہے۔ یہی سب سے اچھی اور سچی تعلیم ہے۔ جس کی موجودہ نسل کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ لکھا ہے :- کہ

"جب ہم قدرتی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تو اس سے ہماری اصلی مراد کس چیز سے ہوتی ہے؟ اسی سے جو ہر حالت میں یکساں، پاکیزہ سیدھی سادی اور بے داغ ہو۔ جسے گندگی چھو بھی نہ گئی ہو۔ برخلاف اس کے مصنوعی و بناوٹی کیا ہے؟ وہی جو کہ خالص نہ ہو۔ شرارت، مکاری۔ عیاری، چال بازی اور فریب سے پُر ہو"

(ہوائی نان تزی)۔

قدرت آزاد اور از خود کام کرنے والی ہے۔ وہ نہایت سادہ ہے۔ اور ہر طرح کی قیود سے آزاد ہے لیکن ہماری "تہذیب" کے لئے ہمیشہ یہ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا مختلف اشیاء اور قواعد کی کثرت سے دب کر خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ ماسوائے اس کے وہ غیر قدرتی اور بناوٹی عادتیں۔ رسم و رواج وغیرہ جو بے حد کمزور کن ہیں۔ اسے کچلے ڈالتے ہیں۔ تاؤ دھرم کے پیروؤں کے لئے شہروں کی روز افزوں آبادی بے حد خوفناک ہے۔ یہ ایک دل دہلا دینے والے خواب کی مانند ہے۔ جس نے انہیں بنز مجھے دونوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہمیں اس طریق عمل کو بالکل ہی الٹ پلٹ دینا چاہیئے۔ جس نے کہ شہری آبادی کو حد سے زیادہ بڑھانے والے اس مجلسی ناسور کو پیدا کیا ہے۔ ان شہروں میں ہم کیا پاتے ہیں۔ پاک و صاف تازہ ہوا کی بجائے غلیظ ہوا۔ نقصان دہ ابخرات۔ ناپسندیدہ بُو اور زہر آلودہ دھوئیں سے بھری ہوئی۔ پرندوں کے دلفریب چہچہوں

اور مست کن قدرتی نغموں کی بجائے ٹین کے ڈبوں میں بند گراموفون اور ریڈیو کی کرخت اور بھدی تانوں کی سی کنگنی آواز والے گیت۔ وہاں پر بھوری ماتا کے بچوں کو اس کی نرم اور قدرتی گود (زمین) بھی چھونے کے لئے میسر نہیں ہوتی۔ اور ہر جگہ پتھر یا چمڑے نے ان دونوں کے درمیان ایک زبردست دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔ گویا وہ بدنصیب اس کے سوتیلے بچے ہیں۔ نہ کہیں جنگلی خودرو پھول ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہ من مانے طور پر اُن کے توڑنے اور جمع کرنے کی ہی اجازت ہے۔ حقیقتاً کھلیہروں کی دوکانوں کے سوا جو ان جلاوطن قیدیوں کے لئے ایک جیل خانے کی مانند ہے۔ اور کہیں سے بھی لوگوں کو پھول نہیں مل سکتے۔ نہ کہیں تازہ دودھ ہی دستیاب ہوتا ہے۔ سوائے باسی دودھ کے جو سو میل کے فاصلے سے برتنوں اور بوتلوں میں بند ہو کر آتا ہے۔ نہ کہیں گھر میں تازہ تیار کردہ مزیدار شوربا ہی میسر آتا ہے۔ ملتا ہے کارخانوں میں بنا ہوا۔ بدذائقہ اور مضرِ صحت شوربا۔ جس میں پربہر کی بُو باس تو کہیں ڈھونڈے بھی نہیں آتی۔ نہ ثابت گیہوں سے پسے ہوئے آٹے کی روٹیاں اور بے پالش کئے چاول ہی کہیں ملتے ہیں۔ ملتا ہے تو بڑے بڑے دیوزاد دخانی کارخانوں میں اپنی قدرتی خاصیت اور خصوصیت سے گرے ہوئے اناج کا آٹا اور دالیں نہ کہیں کوئی سیدھی سادی پوشاک یا کم خرچ بالانشین آرائش و زیبائش ہی دکھائی دیتی ہے۔ سوائے اونچے اونچے تنے ہوئے کالروں اور کرسیوں (کورسٹوں) کے یا بدزیب حنا، پاؤڈر، لپ اسٹک (ہونٹوں کی سُرخی) اور بے شمار کریموں کے جن کے متعلق طرح طرح کے معجزے کر دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو در حقیقت جوان مردوں اور عورتوں کے قدرتی رنگ روپ کو بگاڑ کر اُن کے چہرے کو بدنما کر دیتی ہیں ؂

نہ کہیں کسی مرد و عورت کی قدرتی چال ڈھال ہی دکھائی دیتی ہے۔ سبھی قریب سے قریب فاصلے کے لئے بھی ٹریم گاڑیوں، بسوں اور موٹروں کے محتاج ہو کر اپنی قدرتی چستی و چالاکی کو خیرباد کہہ بیٹھے ہیں۔ کچے ساگ، سبزی، گاجر مولی پیاز وغیرہ کھانے کی عادت بھی کسی کو نہیں رہی۔ سبھی سبزیاں ابال ابال کر، بھون بھون کر اور چھیل کاٹ کر کھائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں تو اب کھلی روشن اور چوڑی چوڑی سڑکیں بھی کم ہوتی جا رہی ہیں۔ اور اُن کی بجائے زیر زمین تاریک سرنگوں میں ریلیں اور موٹریں چلنے لگی ہیں۔ نہ کوئی دیانتدارانہ طور پر کسی کا نام لے کر سلام بندگی کرتا ہے۔ بلکہ اس کی بجائے بے معنی القاب و آداب اور خطابوں اور عہدوں سے لوگوں کو مخاطب کر کے اشاروں اشاروں میں ہی مجرا سلام کی تو کون کہے؟ خیر و عافیت تک بھی پوچھی اور بتا دی جاتی ہے۔ آدھی رات تک بھی کسی کو نیند اور آرام نصیب نہیں ہوتا۔ ہر وقت سورج کو منہ چڑانے والی بجلی کی روشنی چکا چوند پھیلائے رکھتی ہے۔ اور گھڑ گھڑ، گھڑ گھڑ، ٹن ٹن، پوں پوں پوں پوں کی ناپسندیدہ و ناخوشگوار آوازیں کانوں کے پردوں کو صدمہ پہنچاتی رہتی ہیں صبح کے وقت طلوع آفتاب کے ساتھ سو کر اٹھنا تو کوئی جانتا ہی نہیں۔ سبھی احدیوں کی طرح دوپہر سے پہلے کا نصف وقت دروازے بند کئے اپنی اپنی خوابگاہوں میں پلنگ توڑتے ہوئے ہی گذار دیتے ہیں۔ حکومت میں بھی انسانیت کا نام و نشان تک کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہر طرف ناقابل اختتام رسم و رواج کا راج اور لال فیتہ کا زور ہے۔ ہر طرف قوانین کا انبار اور پیچ در پیچ جال پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کا خاتمہ کہیں بھی اور کبھی بھی ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ آہ! کاش کہ بادِ اعظم کا ایک جھونکا ہی کہیں سے آ جائے اور وہ اس تمام بناوٹ اور تصنع کو ہمیشہ کے لئے اڑا لے جائے۔

۵۔ اخلاقیات

تاؤ دھرم نے بہت سے دانش مندانہ اقوال بھی ہماری نذر کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے :۔

"نیک آدمی سب جانداروں کو مہربانی بھری نظروں سے دیکھتا ہے وہ اپنی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح دوسروں کی بھی شکل و صورت سنوارتا ہے۔ وہ یتیموں اور بیواؤں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ بوڑھوں کی عزت کرتا ہے اور جانوروں سے پریم! وہ کیڑے، مکوڑے۔ بلکہ گھاس اور درخت تک کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ دوسروں کے نفع نقصان کا ایسا ہی خیال رکھتا ہے جیسا کہ اپنے کا۔ وہ ہر طرح کی بے عزتی اور توہین ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیتا ہے اور کسی سے انتقام لینے کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہیں لاتا۔ بلکہ بغیر کسی معاوضہ کی خواہش کے ہمیشہ سب کے ساتھ نیکی کرتا رہتا ہے۔"

"مکمل انسان تاؤ کی مانند پرامن رہتا ہے"

"بہشت کی طاقت برداشت بہت ہے۔ اور زمین پر بھی یہ طاقت ایک عرصہ دراز تک قائم رہتی ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ دونو اپنے لیے زندگی بسر نہیں کرتیں۔ بلکہ دوسروں کے لیے زندہ رہتی ہیں"

"اسی طرح سادھو مہاتما بھی اپنا خیال سب سے پیچھے کرتے ہیں۔ وہ اسی لیے سب سے آگے جگہ پاتے ہیں"

"سب سے بڑی عظمت اُسے حاصل ہے۔ جو پانی کی طرح دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور بغیر کسی پس و پیش کے اس ادنےٰ سے

اور نے اجگہ کو بھی بہتر کر دیتا ہے۔ جسے کرا اور سب ناپسند کرتے ہیں"
"جو مجھ سے بھلائی کرتے ہیں۔ اُن سے میں بھی بھلائی کرتا ہوں
لیکن جو مجھ سے بھلائی نہیں کرتے۔ اُن سے بھی میں بھلائی ہی کرتا
ہوں۔ جو میرے ساتھ سچے ہیں۔ اُن کے ساتھ میں بھی سچا ہوں۔
لیکن جو میرے ساتھ سچے نہیں۔ اُن کے ساتھ بھی میں سچا ہوں
اور اسی طرح سب سچے ہوتے جا رہے ہیں"
"تکلیف کے بدلے مہربانی سے پیش آؤ۔ یا اس کا بدلہ شانتی اور
لاپرواہی سے دو"

(۵)

کنفوشین دھرم

میں یہ ضروری نہیں سمجھتا۔ کہ کنفوشین دھرم کے بھی توہمات اور ناقابل قبول باتوں، اس کی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی اور مبالغہ آمیز بزرگ پرستی۔ بے معنی۔ مذبذب اور بعید از عقل فوق الفطرت عقائد۔ خیر اندیشانہ مطلق العنانی اور منتقمانہ سزاؤں کی مبالغہ آمیز حمایت۔ پُرجذبات اپیل کی کمی۔ بوسیدہ رسم و رواج اور قدامت پرستی وغیرہ وغیرہ پر یہاں کچھ مفصل بحث کروں۔ اس لئے ان کا یہ مختصر سا تذکرہ ہی کافی سمجھنا چاہیئے ؛

مہاتما کنگ فوٹسی یا کنفوشس (KING FUTSE OR CONFUCIUS) ۵۵۱ تا ۴۷۸ قبل مسیح میں چین کے ایک زبردست مہاتما ہو گذرے ہیں۔ جن کی تعلیمات کا چین۔ جاپان اور کوریا کے باشندوں پر صدیوں تک بہت گہرا اثر رہا ہے۔ بچپن میں ہی ماں باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ جانے کے باعث آپ یتیم رہ گئے تھے۔ مگر پھر بھی آپ نے بڑی محنت اور جفاکشی سے آزادانہ طور پر تعلیم حاصل کی۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "پندرہ سال کی عمر میں پڑھنے لکھنے اور گیان حاصل کرنے کا شوق میرے دل میں پیدا ہوا" — یہ شوق اتنا بڑھا۔ کہ رفتہ رفتہ آپ اپنے زمانے کے ایک نہایت فاضل اجل بزرگ بلکہ پیغمبر مانے جانے لگے۔ جو کہ بذات خود ایک نادر واقعہ ہے۔ آپ نے تاریخ و ادبیات کا بغور مطالعہ کیا۔ اور شاعری کے ساتھ ہی ساتھ گانے اور بانسری بجانے میں

بھی پُوری پُوری مہارت حاصل کی اور بعد ازاں ایک عزیب ویش اور نیکی کے پرچار کی مانند چین کی مختلف برسرِ جنگ سلطنتوں میں گھوم کر اپنے تین ہزار سے زاید سرگرم شاگرد پیدا کر لئے ؎

صرف یہی نہیں۔ بلکہ ساتھ ہی اس کے مختلف جرائم کی بیخ کنی کے لئے آپ نے ریاست لُو (LU) میں "وزیر انسدادِ جرائم یعنی" وزیر امورات ملکی کا عہدہ بھی منظور فرمالیا۔ اور تین سال کے مختصر عرصہ میں ہی اپنے آپ کو نہایت روشن دماغ اور ایک آدرش مدبر ثابت کر دکھایا۔ ایک چینی مورخ آپ کے نظامِ حکومت کے متعلق رقم طراز ہے۔ کہ "حکومت کی نمایاں طور پر کایا پلٹ گئی۔ بد دیانتی اور بد نیتی جو کسی ملک کی تباہی و بربادی کی جڑ ہوتی ہیں۔ شرم کے مارے مُنہ چھپا کر ایسی غائب ہوئیں۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ! وفاداری اور باہمی اعتماد رعایا کے خاص اور قابلِ ذکر خواص بن گئے۔ اور آپ کی ذاتِ پاک۔ خیر اندیشانہ پالیسی اور خوش انتظامی کا اتنا اثر پڑا۔ کہ نواحی ریاستوں کے مظلوم اور ستم رسیدہ باشندے بھی آ آکر ریاست لُو میں آباد ہونے لگے"؎

آپ نے تصنیف و تالیف کے کام کی طرف بھی پوری پوری توجہ دی۔ چین کے قدیم علمِ ادب کی ادارت و اشاعت بھی کی۔ اور ایک تاریخی تصنیف بھی اپنی یادگار چھوڑ گئے ؎

لُطف یہ کہ آپ نے شادی کر کے گرہستی زندگی کا آدرش بھی قائم کر دکھایا اور ایک برخوردار اور دو صاحبزادیاں بھی اپنے پیچھے چھوڑے۔ اب بھی مشرقی ایشیا کے کروڑوں باشندے آپ کا نام نامی نہایت عزّت سے لیتے ہیں۔ اور بقول تسزی سزی (TSZE - SZE) آپ کو ایک گیانی گورو نیز اعلیٰ درجہ کا سنت اور مہاتما (CHI SHING) خیال کرتے ہیں۔ اور عموماً اسی لقب سے آپ

کو پکارتے ہیں۔" غرضیکہ آپ کے سوانح حیات ہمیں اعلیٰ درجے کی تخیل پرستی۔ ایثار نفسی۔ بے غرضی۔ ہر طرح کی حرص و ہوس سے کامل آزادی۔ زندگی کے سادہ پن۔ آتم گیان حاصل کرنے کے لئے پرجوش سرگرمی۔ عملی حق پرستی۔ صداقت پسندی اور سچی و پاکیزگی کی آخری فتح میں ایک زبردست، اٹل اور اچل وشواس کے زریں و پاک سبق دیتے ہیں۔

ا۔ خدا پرستی

ممکن ہے کنفیوشس مبہم طور پر ایشور (ٹمائی TI) کی ہستی کے بھی معتقد ہوں۔ لیکن وہ اپنی تصنیفات میں بہت ہی کثرت کے ساتھ لفظ "ٹائی" (ایشور) کی بجائے غیر ذاتی مشتق لفظ "ٹی ین" (بہشت یا سورگ (HEVEN) استعمال کرتے ہیں۔ گو آپ کو روحانی ہستیوں (یعنی دیوی دیوتاؤں وغیرہ) کے وجود سے بھی انکار نہیں۔ لیکن اپنے پیروؤں کے لئے آپ کا یہ فرمان بھی ضرور ہے۔ کہ "ان دیوی دیوتاؤں کی عزت تو ضرور کرو مگر ان سے تعلق کوئی نہ رکھو" یعنی کہ روحانی ہستیاں موجود ہوتے ہوئے بھی انسانی زندگی میں کوئی اچھا یا برا ضروری حصہ (پارٹ) ادا نہیں کرتیں۔ اس لئے ان کے وہم میں نہ پھنسنا ہی اچھا ہے۔ یونان کے ایپی کیورین فرقے کا بھی اس بارے میں بالواسطہ طور پر یہی عقیدہ تھا۔ موت کے بعد زندگی کے مسئلہ کا بھی آپ نے اسی طرح سرسری ذکر کر دیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ ایک موقعہ پر آپ کے ایک شاگرد نے دریافت کیا۔ کہ "ہم اپنے مردہ بزرگوں کی ارواح کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں؟" تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ "جب تک تم زندہ انسانوں کی خدمت نہ کرو۔ تم یہ امید کیسے کر سکتے ہو کہ تم مردوں کی روحوں کی بھی کچھ خدمت کر سکتے ہو"؟ اسرار موت کے متعلق سوال کئے جانے پر آپ نے جواب دیا۔ کہ "جب تک تم

زندگی کو ہی نہیں سمجھتے تو موت کو کیا سمجھ سکتے ہو" اس واقعہ کی بنا پر اہم اور زریں مقولہ تیار ہو سکتا ہے۔ کہ "زندگی کو سمجھو"۔

کنفوشس نے مختلف توہمات پر سامنے سے براہ راست حملہ نہ کر کے، لوگوں کو اُن کی مجلسی زندگی اور اُن کی ذمہ داریوں نیز فرائض کی طرف پوری پوری توجہ دلا کر اس طرح اُن کی بیخکنی کرنے کی کوشش کی ہے کہ الیشور اور دیوتا ئل کی ہستی ہو یا نہ ہو۔ بنی نوع انسان کے لئے سب سے زیادہ موزوں، مناسب اور قابل مطالعہ ہستی "انسان" کی ہی ہے۔ اور مرنے کے بعد خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوتا ہو "زندگی" کا خیال سب سے مقدم اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے ہمیں دانش مندانہ طور پر ایک اچھی اور پاک زندگی بسر کرنا چاہئے۔ غرضیکہ تمام عملی مقاصد کو پیش نظر رکھنے پر یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ تعلیم "انسانی دھرم" کی تعلیمات سے بالکل مشابہ ہے۔

پروفیسر ڈی۔ ٹی سوزوکی فرماتے ہیں "چینیوں کے دلوں میں مہاتما کنفوشس کی اتنی تعظیم و تکریم کیوں ہے؟ اور وہ انہیں اپنا قومی گورو کیوں مانتے ہیں؟ اس کی سب سے بڑی بلکہ واحد وجہ یہ ہے۔ کہ ان کی تمام اخلاقی تعلیم کی بنیاد انسانیت اور اس کی معمولی سمجھ بوجھ پر ہے کسی فوق الفطرت اور پُراسرار وجاہت پر نہیں"

(THE BRIEF HISTORY OF EARLY CHINESE PHILOSOPHY BY D.T. SOZUKI)

تعلیم اور دماغی نشوونما

مہاتما کنفوشس نے انسانوں کی تعلیم اور دماغی نشوونما کو سب سے زیادہ اہمیت و عظمت دی ہے۔ آپ کا فرمان ہے "میرے نزدیک اتم تعلیم کی کتاب

THE ANALECTS OF CONFUCIUS BY J. LEGGE.S

(BOOK OF POETRY) کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے؟ اس میں جو خطابات و نصائح ہوتے ہیں۔ وہ دماغ کو طاقت و قوت بخشتے ہیں۔ انہیں تم اپنی ہستی و حقیقت پر غور و خوض کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں علمِ مجلس یعنی اپنے ہم نوع انسانوں اور دیگر مخلوقات کے ساتھ مناسب سلوک روا رکھنے کا سبق دے سکتے ہیں۔ اور ان سے تم مختلف جانداروں۔ چرند۔ پرند۔ نباتات وغیرہ کے نام سیکھ سکتے ہو۔ کیا اس طرح مسلسل اور پیہم سرگرمی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھتے رہنا نہیں اچھا اور دلخوش کن نہیں لگتا؟

کنفوشس نے "ین یو" (YEN YEW) کو بھی یہ تاکید کی تھی۔ کہ وہ لوگوں کو بھی تعلیم دیتا رہے۔ اس پہلو میں وہ کئی دوسرے پیغمبروں سے بازی لے گئے ہیں۔ کیونکہ بعض مذاہب تو یہ حکم دیتے ہیں کہ جاہل اور بے پڑھے لکھے سادھوؤں سنتوں۔ فقیروں اور پیروں کی بھی عزت کرو۔ لیکن سچ پوچھو تو مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ میں تو ایک بے پڑھے مرد یا عورت کو نیم وحشی اور ابتدائے عالم کی مخلوق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ انسانی دماغ ہمارے لئے قانونِ ارتقا کا حیرت خیز عطیہ ہے۔ اور یہی انسانات کو حیوانات کے طبقے سے آہستہ آہستہ بہت اونچا اٹھاتا ہے۔ اگر آپ اپنے دماغ کو مناسب تربیت و نشوونما دینے کی کوشش نہیں کرتے۔ تو آپ میں اور ایک بن مانس میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ اور اس طرح آپ ایک مکمل انسان کیسے بن سکتے ہیں؟ آپ تو ہمیشہ ایک بد قسمت اور مصیبت زدہ نامکمل دل و دماغ والے انسان نما حیوان ہی بنے رہیں گے۔ میں عالم و روشن ضمیر مہاتماؤں اور مہاپرشوں کے سامنے تو عقیدت سے سر جھکاتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں کے سامنے نہیں۔ جو کچھ بھی نہ جانتے ہوئے اپنی بزرگی اور پاکیزگی کا وقت بے وقت ڈھنڈورا پیٹتے اور ہمیشہ خدائی دعوے کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ مناسب

تہذیب و اخلاق کے بغیر رو حانیت بھی ایک نہایت زبردست شرارت انگیز طاقت بن جایا کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں مہاتما کنفوشس کی مانند ان دونوں ہی نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے ؛

اگر کوئی مقدس رہنما علم و عقل سے محبت نہیں کرتا۔ تو وہ ہمارے لئے ایک محفوظ و معتمد رہبر بھی کسی طرح نہیں بن سکتا۔ اس کی غلط مثال اس کے بچے سے سچے اور نہایت تیز فہم چیلے کو بھی غلط راستے پر ڈال سکتی۔ پھر لکھو کھا معمولی پیرؤں کا تو کہنا ہی کیا ہے ؟ وہ بھی سائنس ، علم ادب ، تاریخ اور دیگر علوم و فنون کی طرف سے ویسے ہی لاپرواہ و غافل رہ سکتے ہیں۔ جیسے کہ اُن کے مقدس گرو اور پیر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی نکتی یا تکمیل کے لئے دماغی قابلیتوں کی تو کچھ ضرورت اور قدر و قیمت سمجھتے ہی نہیں۔ جہالت کا لازمی اور لابدی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے حماقت اور توہمات پیدا ہوں۔ بقول کنفوشس "علمیت کے بغیر خیالات بھی خطرناک ہیں" اس طرح صادر جہ کا اعلیٰ و بلند تخیل اور سرگرمی بھی بہت کچھ ضائع جاتی ہیں۔ اور اگر کبھی وہیں غلطی سے انہیں مجلسی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے میں ہی خرچ کرنے لگو۔ تب تو یہ نہایت ہی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ یورپ کے زمانہ وسطیٰ میں ہوا ہے ؛

دیکھئے صرف نیک چال چلن سے ہی کبھی کسی کو بیماری سے صحت نہیں حاصل ہوتی۔ نہ اس سے روٹی ہی پک سکتی ہے۔ نہ پل اور سڑکیں ہی بن سکتی ہیں۔ نہ انجن ہی چل سکتا ہے۔ اور نہ گیس یا بجلی ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے نیکی اور علم دونوں ہی چیزیں ایک موٹر سائیکل کے دو پہیوں کی مانند یکساں طور پر نہایت ضروری اور ناقابل ترک ہیں۔ ہمیں آج کل جاہل اور کم عقل سادھوؤں اور پیروں یا خود غرض سنتوں اور درویشوں کی ضرورت نہیں۔ بلکہ کنفوشس

افلاطون، ہیم چند۔ الفرابی۔ ارسطو۔ زینو۔ بیکن۔ ہربرٹ سپنسر جیسے لاتعداد بے شمار عالم و فاضل مہاتماؤں اور مہاتماؤں کی ضرورت ہے ؛

۳۔ فرائض مجلسی

مہاتما کنفوشس مجلسی فرائض کی تکمیل و تعمیل کو ہی اخلاقیات کا لب لباب اور لطیف ترین جوہر بتلاتے ہیں۔ آپ کا مقولہ ہے "عالمگیر واجبات ہیں پانچ فرائض شامل ہیں۔ (۱) حکمران اور اس کے وزیروں کے فرائض۔ (۲) والدین اور بچوں کے فرائض۔ (۳) میاں بیوی کے فرائض۔ (۴) بھائی بھائی کے فرائض اور (۵) دوستوں کے فرائض"۔ مین شی اس (MENCIU) نے ان پانچوں فرائض کی تشریح اس طرح پر کی ہے :- کہ (۱) حکمران اور وزیروں کے درمیان نیکی کا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ (۲) والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا۔ (۳) میاں بیوی کے درمیان اُن کے مختلف کاموں میں پوری پوری توجہ کا۔ (۴) بڑے اور چھوٹے بھائی میں ان کے مناسب درجہ اور رتبہ کا۔ (۵) دوستوں میں وفاشعاری و جاں نثاری کا"۔

اس میں شک نہیں کہ فرائض کی یہ تشریح اور یہ تعداد ختمی نہیں۔ اس میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور اب تو ہم پیدائشی اور وراثتی حکمرانوں کے حق حکومت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہ امر بھی قابل افسوس ہے۔ کہ مہاتما کنفوشس کو جمہوری ستنغاؤں کا کبھی کچھ خیال نہیں آیا۔ لیکن پھر بھی میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ کنفوشس دھرم اور ہیلن دھرم دونوں ہی دوستی کے رشتے کو نہایت پاکیزہ اور مقدس خیال کرتے ہیں۔ بلاشک وشبہ دوستی ہی انسانیت کے تمام زخموں کو مندمل کرنے والا ایک لاجواب مرہم ہے۔ یہی ذاتیات کی دنیا میں مجلسی پائیداری اور پختگی میں ایک نمایاں علامت ہے۔ جو ہر ایک شخصیت

کی کمیوں کو پورا کر کے اُسے قابلِ تعریف ثابت کرتی ہے۔ یہی وہ کیاری ہے جس میں شریفانہ پبلک سپرٹ (خدمتِ عامہ کے دلی جوش) اور جاں نثاری کی بنیری بوئی جاتی ہے۔ کیونکہ دوستی کا یہ پُر زور جذبہ ہی دوستوں کو وقتِ ضرورت پر ایک دوسرے کی شریفانہ، بلکہ جاں نثارانہ امداد کرنے کے لئے اُبھارتا اور ترغیب دیتا ہے۔ اسی کے زیر اثر رہ کر وہ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک بلکہ برابر کے حصّہ دار بنے رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے عیوب کی نسبت بھلائیوں اور نیکیوں پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ وہ اُن کے عیوب و نقائص کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کا دوست سب بُرائیوں سے پاک و صاف ہو کر حقیقی معنوں میں نیکی اور بھلائی کا پُتلا بن جائے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی پناہ گاہ بنے ہوئے اُن کے مخالفوں کے سب تیر تفنگ اپنے سینوں پر کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ دونوں ہی ایک دوسرے کیلئے نیکی کے عالمگیر اصُول کی ایک زندہ تصویر بن جاتے ہیں۔ اور ان کے ہر قول و فعل میں نیکی اور پاکیزگی بالکل ایسی ہی چمکتی دمکتی رہتی ہے۔ جیسے کہ پانی سے بھرے ہوئے بے شمار چھوٹے بڑے برتنوں، تالابوں، جھیلوں اور سمندروں میں منعکس ہو کر سورج تاباں وہ درخشاں رہتا ہے ؛

درحقیقت دوستی ہی ہماری مجلسی زندگی کے لئے ایک رُوح افزا آبِ حیات ہے۔ آیئے ہم اس حقیقی راحت و مسرّت کے سورگیہ (جنّتی) چشمہ سے خوب سیر ہو کر اپنی پیاس بجھائیں اور اس سے اپنے مادی جسم کے ہر رگ و ریشہ کے لئے ایک نئی زندگی اور تازہ طاقت و قوت حاصل کریں۔ یقیناً نہایت ہی خوش قسمت ہیں۔ وہ انسان جو سچے اور وفادار دوستوں کی دوستی کے مستحق ثابت ہوتے ہیں۔

اور اس سے ہمیشہ شادکام رہتے ہیں۔ آیئے ہم بھی اپنے آپ کو اس کے مستحق بنانے کی کوشش کریں اور یقین رکھیں جوئندہ یابندہ" ہ

"جن ڈھونڈھا تن پایا گہرے پانی بیٹھ"

جو ڈھونڈیگا وہ ضرور ہی پائیگا جو کھٹکھٹائیگا۔ اس پر دروازہ ضرور کھولا جائے گا۔ صرف استقلال، صداقت اور لگن کی شرط ہے۔ پھر کامیابی ہم میں سے کسی سے بھی دور نہیں۔ بلکہ سب کے سامنے ہاتھ جوڑے حاضر ہے ؛

۴۔ اچھی حکومت

کنفوشین دھرم کے مطابق آدرش طور پر نیک اور پاک زندگی پیدا کرنے اور اُسے ترقی و نشوونما دینے کے لئے اچھی حکومت نہایت ضروری بلکہ لازمی و لابدی ہے۔ اس دھرم میں سیاسیات و اخلاقیات کو ایک عجیب زندگی بخش مرکب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن برعکس اس کے بعض مذاہب اخلاقی آدرش حاصل کرنے کے لئے اچھی حکومت کی اہمیت و عظمت کو کچھ بھی وقعت نہیں دیتے۔ وہ صرف شخصی پاکیزگی اور ذاتی ترقی کے خیال کو ہی ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور اسی پر زور بھی دیتے ہیں۔ مگر کنفوشس اور یونان کے ہیلن دھرم کے علماء اتنے کوتہ نظر نہ تھے۔ جو اس حقیقت کو نظرانداز کر جاتے۔ کہ امن و امان اور عدل و انصاف پر مبنی قواعد و ضوابط کی مکمل پیروی کئے بغیر کوئی بھی انسان مکمل طور پر نشوونما حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے تسزی کن (TSZE KIN) نے کہا ہے۔ کہ" ہمارے گورودیو جہاں کہیں بھی تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں کے طریق حکومت کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں بھی کبھی کوئی فروگذاشت نہیں کی ۔ ۔ ۔ ۔ "

سیاسیات اور اخلاقیات کے باہمی تعلق کا یہ مسئلہ بھی ایک زبردست

اور روح افروز صداقت و حقیقت پر مبنی ہے۔ جو مذہب ہمیں ایک اہم مجلسی فرض کے طور پر سیاسیات میں پوری پوری دلچسپی اور سرگرمی سے حصہ لینے کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ لازمی طور پر کمزور، بودا اور ناکارہ ہے۔ اس لئے وہ اس پودے کی طرح کبھی پھول پھل نہیں سکتا۔ جو کسی گرانڈیل سر بفلک درخت کے سایہ میں پرورش پا رہا ہو۔ اور سورج کی زندگی و حرارت بخش، پُر نور شعاعوں کے براہِ راست تعلق سے ہمیشہ محروم رہتا ہو۔ کیونکہ ایک اچھی حکومت کے بغیر کوئی شخص بھی جھوٹ اور مکاری، دغا اور فریب کے جال سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ خواہ وہ نیکی اور پاکیزگی کا اوتار ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ مسیح جیسے نیک و پاک شخص کو بھی مجبوراً حیلہ و حوالہ سے کام لینا پڑا۔ کیونکہ مسیحی لہر حاینت تو آزادی۔ انصاف اور امن و امان کی فضا میں ہی خاطر خواہ نشو و نما پا سکتی ہے اس لئے جو بھی روحانی رہنما سیاسیات کی طرف سے لاپرواہی اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے۔ یا تو وہ جاہل و بے عقل ہے یا مکار و بزدل! کیونکہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر خراب حکومت بلا مبالغہ ایک ایسی خرابی اور بدی ہے۔ جس میں کسی بھی نیکی کی کوئی آمیزش نہیں کی جا سکتی ؛

۱۔ خراب حکومت اقتصادی خوشحالی اور فارغ البالی کا ستیاناس کر دیتی ہے کیونکہ یہ رعایا کی اکثریت کو لوٹ کھسوٹ کر چند گنے چنے آدمیوں کو اپنا گھر بھرتے رہنے میں مدد دیتی ہے ؛

۲۔ خراب حکومت ہمیشہ جبر و تشدد کی حامی اور عدل و انصاف کی دشمن ہوتی ہے ؛

۳۔ خراب حکومت نیکوں کو بدوں کا غلام بنا دیتی ہے ؛

۴۔ خراب حکومت اُمید افزا اخلاقی خوبیوں کو تباہ کر کے عالمگیر خود پرستی

اور مسلون مزاجی کو ترقی دینی ہے۔

۵۔ خراب حکومت کی بدولت شہریت کی تعلیم ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور ایک اچھا شہری بنے بغیر کوئی بھی اخلاق کے اصولوں پر حقیقتاً عمل نہیں کر سکتا۔

۶۔ خراب حکومت شریف سے شریف اور نیک سے نیک مردوں اور عورتوں کو بھی اپنا غیر رضامند ساتھی بن جانے کیلئے مجبور کرتی ہے۔ اور اکثر کامیاب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سقراط سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ تیس ظالموں اور جفا کاروں کی جماعت کے مددگار بن جاؤ۔ اور سنیکا جیسے مدبر حکیم کو بھی آخر نیرو جیسے جفا پسند حکمران کی ستم رانیوں میں شرکت کرنی پڑی۔ پپیان (PAPIAN) کو محض اس لئے قتل کر دیا گیا۔ کہ اس نے شہنشاہ کے خونریزی آمیز جرائم کو حق بجانب ظاہر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ غرضیکہ ایک ظالم اور حق ناشناس حکومت کو جو شخص ٹیکس بھی ادا کرتا ہے وہ بھی اس کی ظلم رانیوں میں شرکت کے گناہ سے بری الذّمہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی لئے تھورو کو بھی جیلخانہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔

لیکن ہر زمانہ اور ہر حالت میں ادائی ٹیکس سے انکار کرنے کی ہمّت و جرأت کون کر سکتا ہے؟ بایں ہمہ جو بھی شخص ایک بے انصاف حکومت کی مذمّت و مخالفت نہیں کرتا وہ اپنی خاموشی اور بے زبانی سے بھی اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے ہر قول و فعل پر اپنی منظوری کی مہر لگاتا ہے۔ ایسی حالت میں کتنے شیر مرد ہیں جو یہ ہمت کر سکتے ہیں۔ ایسی جرأت و بہادری انسانی خصلت کی روزانہ خوراک میں شامل نہیں کیونکہ جو بھی یہ ہمت دکھاتے ہیں۔ وہ ہی جلاوطنی، قید، اذیت بلکہ موت تک کی سزا پاتے ہیں۔ اور ظلم و ستم بہترین و پاکیزہ ترین شخصوں کو اسی طرح چھانٹ چھانٹ کر ملک سے خارج کر دیتا ہے۔ جس طرح کسان اپنی کھیتی سے گھاس پھوس کو نکال باہر کرتا ہے غرضیکہ اس طرح ایک اچھی حکومت کی عدم موجودگی انسانیت کی سب خوبیوں کو مٹا کر

اُسے ایک خودرو جنگل کی مانند بنا ڈالتی ہے۔ اس لئے ہر شخص کا یہ مذہبی و اخلاقی فرض ہے۔ کہ وہ کنفوشس کی دانش مندانہ تعلیم کی پیروی کرتا ہؤا اچھی حکومت کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے پوری پوری کوشش کرے ؂

اچھی حکومت کنفوشس کے فلسفۂ حکومت کا کوئی معمولی سا مسئلہ نہیں بلکہ وہ نہایت مناسب طور پر یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ اعلیٰ ذمہ دار افسروں کو اپنی ممتاز شخصیت اور حکومت کے ذی رتبہ نمائندگان کی حیثیت سے عام شہریوں کے مجلسی طریق عمل پر ہمیشہ اثر انداز ہوتے رہنا چاہیئے۔ اور انہیں ان کے شہری فرائض و حقوق سے ہمیشہ آگاہ و متنبّہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اصحاب خاص طور پر برگزیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال و افعال دور دور۔ بہت دور سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور ان کی آواز دُور۔ بہت دور تک سُنی جا سکتی ہے۔ عوام اکثر ان ہی کے اعمال و افعال کی نقل اور اُن کی ہی آواز کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لئے اُنہیں بہت سی ذمہ داریاں اور وسیع اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ دوسروں کی نسبت بہت بہتر اور زیادہ عقلمند ہوں۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو گُھپ اندھیرے میں روشنی کے چمکدار مینار ثابت کر سکیں۔ اسی لئے افلاطون اکثر یہ خواب دیکھا کرتا تھا۔ کہ تمام حکمران فلسفی ہوں۔ لیکن گذشتہ کئی صدیوں کے دوران میں کنفوشس اور اس کے صاحب عمل پیرو تو نہایت کامیابی کے ساتھ چین کو کامل طور پر بے غرض اور دیانت دار۔ فلاسفر۔ حکمران اور ذمہ دار افسر بہم پہنچاتے رہے ہیں۔ کیونکہ کنفوشس نے اپنے فلسفۂ حکومت کا یہ ایک بنیادی اصول بنا رکھا تھا۔ کہ تمام دانش مند اور ریاستی رہنماؤں کو عوام میں صرف پرائیویٹ اشخاص کے طور پر اپنے اصولوں کا پرچار کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ بلکہ ملک کی حکومت میں بھی ہر طرح مدد دے کر ان اصولوں کی عملی قدر و قیمت لوگوں کے ذہن نشین کرانی چاہیئے

تاکہ اُن کی دانائی، دانش مندی، نیکی اور پاکیزگی سبھی کچھ ملک اور ملکی حکومت کے لئے ہو سکیں۔ اور اُنہیں اپنا پُورا پُورا پھل مِل سکے کیونکہ حکومت ہی وہ نہایت اہم نظام ہے جو انسانیت کی قسمت کو بنا یا بگاڑ سکتا ہے۔

اب اس بارے میں کنفوشس کے چند اقوال پر غور فرمائیے :۔

"اگر نیک آدمی سو سال تک مسلسل طور پر کسی خوش قسمت ملک پر حکومت کرتے رہیں۔ تو وہ تمام تشدد پسند بدمعاشوں کی کایا پلٹ دیں"

"اگر ایک وزیر اپنے چال چلن کو سُدھار لے۔ تو پھر حکومت کو درست کرنے کے راستے میں اُس کے سامنے کوئی بھی دِقت حائل نہیں ہو سکتی لیکن اگر وہ اپنا ہی سُدھار نہیں کر سکتا۔ تو پھر کسی اور کا سدھار کیسے کر سکے گا؟"

"پہلے انسان پیدا کرو۔ پھر حکومت خود بخود پھولے پھلے گی۔ کیونکہ انسانوں کے بغیر کوئی حکومت زوال سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتی"

روایت ہے کہ جب شاہ کی کانگ (KE KANG) کی ریاست میں چوروں اور ڈاکوؤں کا زور بہت بڑھ گیا۔ تو اس نے ایک دن مہاتما کنفوشس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ "بھگون! میں اپنی رعایا کو ان چوروں کی دست درازیوں سے کیسے محفوظ رکھوں"؟ اس سوال کے جواب میں روشن ضمیر مہاتما نے فرمایا "مہاجن! جب تم خود لوبھی نہ رہو گے۔ وہ خود بخود چوری چھوڑ دیں گے۔ اس لئے پہلے اپنا سدھار کرو۔ تبھی اُن کا سُدھار ہو سکے گا"

مہاتما کنفوشس نے اچھی حکومت کے متعلق جن زور دار خیالات کا اظہار کیا ہے۔ "انسانی دھرم" ان میں صرف یہ اضافہ ضروری سمجھتا ہے۔ کہ اچھی حکومت اس وقت تک ممکن ہی نہیں۔ جب تک کہ عام جمہور کا اس کے ساتھ براہ راست

تعلق نہ ہو۔ کیونکہ حکمرانوں پر اُن لوگوں کی نگرانی لازمی طور پر رہنی چاہیئے جو کہ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ورنہ حکومت اور اس کے کارکن من مانے طور پر اپنے اختیارات سے کام لے کر اپنا اپنا گھر بھرنا شروع کر دیں گے۔ جمہور کی طرف سے حکومت کی نگرانی اور دیکھ بھال میں غفلت اور لاپرواہی ظاہر ہونے پر ہی چھوٹے بڑے اہل کاروں اور افسروں کی جماعت اپنے فرائض سے گر کر بہت جلد خود مختار و مطلق العنان لوگوں کی ٹولیوں میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ گذشتہ زمانہ میں زمینداروں کا مشغول برہمنوں یا شاؤں۔ بے اول مناظموں اور ان کے ماتحتوں کی مختلف جماعتیں ہر ملک بن کر بگڑتی رہی ہیں۔ اس لئے ہوشیار اور کارگذار پبلک ملازموں کی تیاری کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ جہاں ایک طرف اندرونی طور پر ان کا اپنا چال چلن بہت اچھا اور بے عیب ہو۔ وہاں بیرونی طور پر ان کی نگرانی بھی پوری پوری ہوتی رہے۔ تاکہ انہیں پھسلنے کا موقعہ بآسانی نہ ملے۔ اور ان کا نفس امارہ بھی انہیں بہکا کر سہولت سے گمراہ نہ کر سکے۔ لہٰذا حکومت اور اس کے تمام کل پُرزوں کو راہ راست پر رکھنے کے لئے یہ دونوں ہی باتیں اشد ضروری ہیں ورنہ عوام کی ہر دل عزیز نگرانی کے بغیر حکومت جگن ناتھ کے رتھ کی مانند خود مختاری اور مطلق العنانی ایک بھاری بھرکم ذریعہ بن کر غریب و بیکس رعایا کو اپنے بوجھ کے نیچے کچلنا شروع کر دے گی ؛

مزید برآں رائے عامہ ہی حکام کی صحیح رہنما بن سکتی ہے۔ اس لئے حکام کو اپنی بیدار مغزی اور اہلیت کے ثبوت میں ہمیشہ عوام کی بہتری و بہبودی کے لئے نئی سے نئی تجویزیں سوچتے رہنا چاہیئے۔ مگر ان سب کو عوام یا اُن کے نمائندگان سے منظور بھی کراتے رہنا چاہیئے۔ اس سے اُن کی بہت سی ایسی مصیبتیں خود بخود ٹلتی رہیں گی جیسی کہ سویڈن پر بارھویں چارلس کے عہد میں اور جرمنی پر دوسرے

قیصر ولیم کے عہد میں نازل ہوئی ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی ایک آدمی خواہ وہ کتنا بھی دور اندیش اور دانشمند کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ راستی پر قائم رہ کر غلطی سے مبرّا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی ایک فریق یا جماعت ہی۔ خواہ وہ کتنی بھی تجربہ کار اور معاملہ فہم کیوں نہ ہو۔ اس لئے ملک و قوم کی متفقہ دانائی و تدبر کو ہی ہمیشہ ہر سوال کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ ایسی حالت میں اگر عوام اپنی کسی غلطی کی بدولت کسی تکلیف میں بھی پھنس جائیں۔ تو بھی وہ اس سے ویسے ہی سبق حاصل کر سکیں گے۔ جیسے کہ ایک بچہ گر گر کر ہی چلنا سیکھا کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے فرانسیسیوں نے بڑے جوش و خروش سے نپولین کے زیر سایہ سلطنت فرانس قائم کئے جانے کے حق میں رائے ظاہر کی تھی۔ مگر اسی نے ۱۸۷۰ء میں انہیں ایک نہایت نازک حالت کو پہنچا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے نپولین گردی سے بچ گئے ورنہ نہ جانے وہ انہیں اور کیا کیا کنوئیں نہ جھنکاتی۔ کیونکہ اور کوئی بھی واقعہ حقیقتاً انہیں اتنی سیاسی دانائی نہیں سکھا سکتا تھا۔

جب عوام خود اپنی رضا و رغبت سے کوئی نقصان دِہ پالیسی منظور کر لیتے ہیں۔ تو وہ کسی خاص لیڈر یا اس کے پیروؤں کی جماعت کو قربانی کا بکرا بھی نہیں بنا سکتے۔ اس لئے انہیں خواہی نخواہی ہر مصیبت و آفت کو خود ہی صبر و استقلال سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ایتھنز پایہ تخت یونان میں جب ایگوس پوٹامی (AEGOS POTAMI) کے واقعہ کی خبر آئی۔ تو وہاں ساری رات کوئی ایک شخص بھی بے فکری اور آرام کی نیند نہیں سو سکا۔ اسی طرح باشندگان ملک کو جمہوریت اور شہریت کی تعلیم ملا کرتی ہے۔ جس سے ملک و قوم کی طاقت بڑھتی ہے اور مضبوطی حاصل کرتی ہے۔ برخلاف اس کی مطلق العنانی اور خود مختارانہ حکومت ایک ایسے مختلف زاویوں والی چوکور چیز کے مانند ہے۔ جو اپنے سب سے چھوٹے پہلو پر قائم

قائم ہو اور ذرا سے صدمے سے ہی لڑھک سکتی ہو۔ لیکن برخلاف اس کے جمہوری حکومت ہر دل عزیز رائے عامہ کی سنگین بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ خطرے اور اندیشے کے وقت بھی اپنی جگہ سے ڈانواں ڈول نہیں ہوتی۔ اور ہر طرح اپنے وزن کو قائم رکھتی ہے :-

کسی بھی جمہوری حکومت کی رعایا۔ ضرورت سے زیادہ ٹیکسوں کے لئے کبھی منظوری نہ دے گی۔ کیونکہ اپنے آپ کو خود ہی کون لوٹ کھسوٹ سکتا ہے؟ لیکن مطلق العنان اور خود مختار حکمران اور اس کے ماتحت افسر و حکام ہمیشہ بے زبان رعایا کو من مانے طور پر لوٹ لوٹ کر اپنا گھر بھرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بے لگام اختیارات ہمیشہ حرص و ہوس کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ اسی لئے اقتصادیات، انصاف اور تحفظ امن کا ہمیشہ یہ تقاضا رہتا ہے۔ کہ اصلی طاقت تمام قوم کے ہاتھ میں محفوظ رہنا چاہئے :-

ارسطو کا قول ہے۔ کہ "مسلح بے انصافی سے زیادہ خوفناک چیز اور کچھ بھی نہیں" موجودہ ہندوستان اور چین۔ نیز اٹھارہویں صدی کے فرانس۔ اور انگلینڈ اور زار کے زیر نگین روس کی رعایا کے ناگفتہ افلاس و ناداری کی وجہ جمہوری حکومت کی عدم موجودگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ بے لگام۔ اور خود مختار حکمران اور افسر گدھ اور بھیڑیوں کی مانند ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے وہ مدبرانہ اور موقع بین منتظمانہ حکومت ثابت نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جمہوریت کے بغیر انصاف عنقا صفت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم سب "انسانی دھرم" کے پیرو جمہوریت کے جاں نثار شیدائی ہیں :-

قول و فعل۔ تبادلہ خیالات نکتہ چینی اور یہی میل جول نیز انجمنوں اور جلسوں کی آزادی صرف جمہوری حکومت میں ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ اور روز افزوں

ترقی کر سکتی ہے۔ آزادی اور جمہوریت ایک ہی تمغہ انسانیت کے دو رخ ہیں۔ اور اس لئے لازم و ملزم کہے جاسکتے ہیں۔ آزاد یونانی ہی اپنے "پرہیشیا" پر فخر بھی کر سکتے تھے۔ نہ کہ باشندگانِ سپارٹا۔ چونکہ خود مختاری اور مطلق العنانی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے مخصوص مفادات کی حمایت کرنے لگتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ وہ عوام کے منہ کو بھی بند رکھے۔ اور ان کے دماغ کو بھی طرح طرح کے منشیات سے بیکار کرتی رہے۔ جیسا کہ اس وقت بھی بدقسمت اٹلی اور جرمنی میں کیا جا رہا ہے۔ جمہور نواز امریکہ۔ انگلستان، سوئٹزرلینڈ سویڈن۔ ناروے جیسے آزاد ممالک ہی ان آزاد خیال مردوں اور عورتوں کے گہوارے اور جائے پناہ بن سکتے ہیں۔ جو صرف ایسی ہی آزاد فضا میں ہی زندہ رہ کر سانس لے سکتے ہیں۔ جس کے متعلق ایک انگریزی شاعر نے اپنے پاکیزہ خیالات کا اس طرح اظہار کیا ہے:۔

THE LAND WHERE GIRT WITH FRIENDS
OR FOES,
A MAN MAY SPEAK THE THING HE WILL.

ترجمہ :- ایک ایسی سرزمین جہاں ہر ایک شخص خواہ دوستوں سے گھرا ہوا ہو یا دشمنوں سے، اپنے دل کی ہر ایک بات صاف صاف اور بغیر کسی خوف و خطر کے اپنی زبان سے نکال سکے"

اس لئے بغیر جمہوریت کے ہمیں دماغی بے ہوشی اور اخلاقی فالج کا ہی شکار ہو کر تباہ و برباد ہونا پڑے گا۔ آہ! یہ بھی کتنی خوفناک اور بھیانک بدقسمتی ہے۔ کہ پولیس کے ڈنڈے اور مطلق العنان حکام کے جبر و تشدد کے خوف سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہوئے اپنی زبان پر ہر وقت قفل خاموشی لگائے رکھو!

اور کبھی کوئی آزاد خیال اپنے دل و دماغ میں نہ آنے دو! اگر بدقسمتی سے بھولے بھٹکے کوئی آ بھی جائے۔ تو اُسے کچل ڈالو! مار ڈالو! اور کسی طرح بھی نشوونما نہ پانے دو! ہر طرح کے ٹیکس اور محصول چپ چاپ ادا کرتے رہو! لیکن اُنہیں خرچ کرنے والوں کے طریق عمل کے متعلق کبھی کوئی ایک لفظ بھول کر بھی اپنی زبان سے نہ نکالو! ہر طرح کے جنگ و جدل میں حصہ لے کر مرو اور مارو۔ لیکن یہ جاننے کی کبھی کوشش نہ کرو۔ کہ تم کیوں کسی کے ہاتھوں مر رہے ہو؟ یا کسی کو مار رہے ہو؟ اور کہاں ہو صرف سرکاری دروغ بیانیوں کو پڑھتے اور سُنتے رہو اور یہ معلوم کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کرو۔ کہ ان میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟ ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا تو موت سے بھی بہت بڑھ کر اذیت دِہ ہے۔ وہاں تو ہر روز معصوم انسانیت اور بیگناہ شخصیت کو دار پر کھینچا جاتا ہے۔ ایسے ممالک کے باشندے جلد ہی قدیم اٹلی کے مطلق العنان شہنشاہوں کی غلام رعایا کی سی قابلِ رحم حالت کو پہنچ جاتے ہیں۔ جن کا نقشہ فلورنس کے مشہور مؤرخ ڈوناٹو جیانوٹی (DONATO GIANNOTTI) نے ان دردناک الفاظ میں کھینچا ہے:-

"مطلق العنان شہزادوں کی رعایا جانوروں سے بھی زیادہ گری ہوئی حالت میں ہے۔ وہ اتنی کمینہ۔ بدخلق اور ذلیل ہے۔ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے؟"

جمہوریت ہمت اور جرأت پیدا کرتی ہے۔ اور رعایا کی اخلاقی طاقت کو بڑھاتی ہے۔ جیسا کہ ہیروڈوٹس نے قدیم یونانیوں کے متعلق تحریر کیا ہے۔ جہاں کہ سب رائے دے سکتے تھے۔ اور اپنے دلی خیالات کا اظہار کر سکتے تھے وہاں نسلاً بعد نسلاً شہری طاقت کا ایک ناقابل ختم ذخیرہ جمع ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آزادی ہی زندگی ہے۔ اور آزادی ہی حقیقی طاقت ہے۔ صرف جمہوریت کی بدولت

ہی پبلک سپرٹ پیدا ہو کر نشو و نما حاصل کر سکتی ہے۔ وہاں ہی اپنی آزاد شہریت
پر بجا طور سے فخر کر سکنے کا خیال ترقی و پرورش پاتا ہے۔ اسی لئے آزاد انسان اپنے
ملک و حکومت کے لئے بزدل۔ فرماں بردار غلاموں کی نسبت بدرجہا زیادہ
قربانیاں کر سکتے ہیں۔ آزاد اور حریت پسند سپاہیوں کے والہانہ جوش و
خروش کے مقابلے میں مطلق العنان فوجی طاقتوں کی جنگی قواعد اور فنونی تعلیم سب
بے سود و بے طاقت ثابت ہوا کرتی ہیں۔ جیسا کہ اہل آسٹریا کو ۱۷۹۲ء میں
والمی کے میدان جنگ میں پتہ لگا۔ اس لئے ایک جمہوری حکومت میں ہی بہترین
انسان بآسانی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور انہیں بغیر کسی شک و شبہ کے کامل
اعتبار و اعتماد کے ساتھ اعلٰے سے اعلٰے اور وسیع سے وسیع اختیارات حکومت
حوالے کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن غیر ذمہ دار مطلق العنان حکمرانوں کے عہد میں انہیں
جباروں کے لئے۔ اشد ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ ملک کے تاریک سے تاریک
کونوں میں اپنا سر چھپائے پڑے رہیں۔ کسی پر اپنی لیاقت و قابلیت کا کبھی بھی
اظہار نہ ہونے دیں۔ مطلق العنانی کے دور حکومت میں حقیقی قابلیت کا خیال
ایک خام خیالی اور وہم باطل سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ بغیر آزادانہ نکتہ چینی کے
اور کسی طرح بھی اس کی صحیح پرکھ نہیں ہو سکتی؟ اسی لئے جب کوئی سخت گیر
اور تشدد پسند حکمران مر جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کی حکومت میں افراتفری
پھیل کر چند سالوں میں ہی اسکے کام کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک غیر
جمہوری سلطنت کا امن و امان ہمیشہ چند روزہ ثابت ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ مدینہ میں حضرت
عثمان کے ذرا کمزور ہوتے ہی حضرت عمر کے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنے
پیشرو کی تمام کارگزاریوں پر پانی پھیر دیا۔ کوموڈس نے مارکس آریلیس کے کاموں
کو تہس نہس کر دیا۔ اور اورنگزیب نے اکبر کے خوابوں کو خواب ہائے پریشان کر دکھایا

اس طرح ہم یہ محسوس کر سکتے ہیں۔ کہ سچی جمہوریت میں ہزارہا اوصاف بھرے پڑے ہیں۔ لیکن عیب ایک بھی نہیں۔ اگر کسی خاص زمانہ میں جمہوریت کے اندر کوئی نقص دکھائی بھی دیا ہے۔ تو اس کا علاج اور زیادہ آزادی اور جمہوریت سے ہی ممکن بھی ہوا ہے۔ نہ کہ اس میں کچھ کمی کر کے۔ براہِ راست اور عالمگیر جمہوریت کی زبردست بنیادوں پر ہی دُنیا بھر کی ایک متحدہ فیڈرل حکومت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ نہ کہ اور کسی بنیاد پر!

جمہوریت ہی ہر طرح کی بے چینی اور اضطراب انگیز نکتہ چینی کا ایک واحد علاج ہے۔ یہ اس کے ضرورت سے زیادہ بڑھے ہوئے اثرات کو خارج کرنے کے لئے ایک سیفٹی والو (SAFETY VALVE) مہیا کرتا ہے۔ جس کے بغیر ہر ایک انجن کے پھٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی اچھا اور بیش قیمت کیوں نہ ہو۔ یہی عوام کی سب شکایات دُور کر کے اُن کے تمام مطالبات ہر وقت پورے کر سکتی ہے۔ اور ملک و قوم کو تباہی سے بچا لیتی ہے جدّت ہمیشہ چند سرگرم اور نکتہ رس دماغوں تک محدود رہتی ہے۔ اور جمہوریت ان دماغوں کو کچل کر بیکار نہیں کرتی۔ بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیتی ہے اور وہ روزانہ نئی سے نئی اور عجیب سے عجیب چیزیں ملک و قوم کے سامنے پیش کر کے انہیں اپنے مقصد و مطلب کی بہترین چیز انتخاب کر لینے کا موقع دیتی ہیں۔ یہ صرف ایسا تخیل پرست اور جدت پسند اشخاص ہی اپنی تقریروں اور مضامین سے لوگوں کے دلوں میں جوش و خروش کی بھاپ پیدا کر سکتے ہیں۔ جن سے مطلق العنان حکومت کی مشینری بلوہ فساد اور انقلاب رونما ہو کر پھٹ جاتی ہے۔ لیکن جمہوری حکومت کو ایسی کوئی خدشہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اُسے آزادرائے دو ووٹ کی گولی ہمیشہ بم کے گولوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ غیر جمہوری حکومت ہر

وقت زبان بندی اور طرح طرح کے بہانے بنا کر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل کھیلتی رہتی ہے۔ کبھی کسی بہروپیے کھلاڑی کو پیش کرتی ہے کبھی کسی کو۔ اور اس طرح ہر دھوکے اور فریب سے عوام کو بہلانے اور بہکائے رکھنا چاہتی ہے۔ کیونکہ اسے ہمیشہ ہی یہ خطرہ رہتا ہے۔ کہ کہیں رعایا پر اس کی اپنی مکاری اور حیلہ سازی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ اور عوام اس کے خلاف ہو کر اس کا خاتمہ نہ کر دیں۔ بھلا ایسے خوف و خطر و غیر تحفظ کی حالت میں جیسی کہ ۱۷۸۹ء سے ۱۸۱۵ء تک فرانس میں قائم رہی۔ کون زندگی بسر کرنا پسند کریگا؟ یہ ہر وقت کا اندیشہ والے اعصابی ہر ایک انسان کے نظام عصبی کو کمزور کر کے اسے دیوانہ بنا دینے کے لیے کافی ہو گی۔ لیکن جمہوری حکومت میں اگر کوئی انقلاب رونما ہوتا بھی ہے۔ تو بالکل بے تشدد و پُرامن۔ اس لئے اُسے انقلاب کا نام دینا بھی ایک بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت انقلاب نہیں بلکہ محض ارتقا ہوتا ہے اور اس میں سیاسی و مجلسی تبدیلیاں بغیر کسی خونریزی کے ہی رونما ہو جاتی ہیں اور یہ درحقیقت علم و فہم اور دانشمندی و دور اندیشی کا ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔

جمہوریت کا فرض ہے۔ کہ وہ تعلیم کو ترقی دے کیونکہ مناسب اور موزوں تعلیم ہی انسان کے لئے زندگی بخش سانس کی مانند ہے۔ لیکن خود مختار و مطلق العنان حکومت لکھنے پڑھنے اور حساب کتاب سے ایسا خوف کھاتی ہے۔ گویا اُن کے پردے میں انقلابی بھوت چھپا ہوا ہے۔ جمہوریت ہر قسم کے سکول اور کالج قائم کر کے زندگی کا تیا جوہر حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ لیکن مطلق العنانی علم و ہنر سے ایسا ڈرتی ہے۔ جیسا کہ چمگادڑ اور اُلو سورج کی روشنی سے۔ زار روس کے عہد حکومت میں پرائیویٹ سکول جاری کرنے کی بھی ممانعت تھی اور

جمہوریت کی ترقی سے ہی انگلستان میں قانون تعلیم مجریہ ۱۸۷۰ء نافذ کیا گیا۔ سکول اور اسمبلی بالکل اسی طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جس طرح ایک گویا اور باجہ نواز۔ "انسانی دھرم" کا مستقبل بھی انسان کے لئے بہترین ممکن قسم کی عالمگیر تعلیم کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ جب تک اُسے ترقی نہ ہوگی۔ تب تک وہ بھی نہیں پھیل سکیگا۔ تعلیم اور اخلاق ہی جسم جمہور کے دو پھیپھڑے ہیں۔ جن کے بغیر اس کی زندگی محال ہے۔ اسی لئے ہم سب جو "انسانی دھرم" کے شیدائی ہیں۔ ہر ایک نسل میں انسانوں کے لئے پہلے سے بہتر تعلیم اور بلند تر اخلاقی معیار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح انسانیت اور تعلیم و اخلاق دنیا میں بدوش بدوش یہ پہلو ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں*

جمہوریت شخصی آزادی کی عزت و تعظیم کرتی ہے۔ اس لئے صرف وہی "ایک پُر ثمر اور نتیجہ خیز اخلاقی سیاست" کہلانے کی مستحق ہے۔ برخلاف اس کے "مطلق العنانی اور خود مختاری" بداخلاقی آمیز کمزوریاں اور نقائص ہی نہیں بلکہ وہ گناہ۔ جرائم اور غلط کاریوں کا ایک عجیب اور قابل نفرت مرکب کہلا سکتی ہیں۔ صرف جمہوریت کے زیر سایہ ہی ہر ایک مرد و عورت اپنے لیے سے لیے قدرتی امارت کو حاصل کرسکتا ہے۔ اور انسانی خصلت ایک حیرت انگیز قدرتی طریق سے اپنی ہستی کا پورا پورا اظہار کرسکتی ہے۔ "انسانی دھرم" اور "تاریخ انسانیت" دونو ہی زبانِ حال سے پکار پکار کر ہمیں دیگر طرزہائے حکومت کے خلاف متنبہ کررہے ہیں۔ جو کہ ایک منظم اور باقاعدہ لوٹ کھسوٹ کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہے جاسکتے۔ اس لئے ہم پیروانِ انسانی دھرم ہمیشہ جمہوریت کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ اور آئندہ بھی ہر زمانے و ہر ملک میں کرتے رہیں گے۔ کیونکہ یہی انسانی شخصیت کے مرد معنوی کی پرورش کے لئے

آفتاب عالمتاب کی زندگی بخش اور پرنور کرنوں کا اثر رکھتی ہے۔

۵ - جنگ و جدل

کنفوشس دھرم جنگ و جدل کا سخت مخالف ہے۔ اور امن و امان کی تعریف کے گیت کھلے دل اور بلند آواز سے گاتا ہے۔ اسی نے چینیوں کو امن پسند بنا کر سپاہی کے پیشے سے متنفر کر رہا ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں سپاہی کے پیشے کو اتنی نفرت سے نہیں دیکھا جاتا۔ جیسا کہ چین میں! یہ ایک ایسی عملی کامیابی ہے۔ کہ مثال کسی اور مذہب میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ جنگ و جدال اور قتل و خونریزی کے شیدائیوں سے نفرت کرنا ہی چینیوں کا ایک نمایاں بلکہ حکمراں خاصہ ہو گیا ہے۔ چینی فلاسفر موتشی نے بھی جو کنفوشن دھرم کا پیرو نہیں تھا۔ عالمگیر امن و خیر اندیشی کی ہی تعلیم دی ہے۔ اور بودھ دھرم نے بھی اس کا ہی پیام سنایا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔ کہ چینی اپنی امن پسندی میں ضرورت سے بھی بہت زیادہ بڑھ کر درجہ افراط تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ایک عرصہ دراز تک ایسے ہی بنے رہیں۔ مین شی اس نے (MENCUIS) نے امن امان اور حکومت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہایت دور اندیشی و دانش مندی بھرے الفاظ میں یہ کہا ہے :-

"علاقہ جات کے لئے جنگ و جدل کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ زمین کا خیال انسانوں کو تباہ و برباد کر دے"۔

"بھلائی یا نیکی کے لئے کوئی جنگ نہیں ہو سکتی۔ البتہ اتنا ضرور ہے۔ کہ کوئی جنگ تو کم بری ہوتی ہے اور کوئی بہت زیادہ بری"۔

"اگر کودن (ایک غلہ) اور دھان اتنے ہی زیادہ ہو جائیں۔ جتنے کہ آگ اور پانی ہیں۔ تو دنیا کے تمام انسان نیک بن جائیں"۔

"جو وزیر ٹیکس بڑھا بڑھا کر جنگ و جدال کرتے ہیں۔ وہ خود چور اور ڈاکو ہیں"

"بڑے بڑے جرنیل اور فوجی راہنما ہی سب سے بڑے جرائم پیشہ ہیں"

۶۔ موسیقی یا راگ ودّیا

افلاطون اور دیگر مفکروں کی مانند مہاتما کنفوشس بھی راگ ودّیا کی قدر و قیمت خوب جانتے تھے۔ اُنہوں نے اسے نیکی اور امن و امان کا ایک زبردست معاون قرار دیا ہے۔ وہ خود بھی اس کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور اسے مذہب و تہذیب کی جان خیال کیا کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ شُن ای پیو نے نغمہ و دف سے وہاں کے باشندوں پر ایسا اثر ڈالا۔ کہ اُن سب نے اپنے زرہ بکتر اور خود توڑ ڈالے اور باجے بنوا لئے۔ اور سب گانے بجانے کے شوقین بن گئے۔ اور یہ خبر سن کر گورو دیو کنفوشس بہت خوش ہوئے"۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ گورو دیو کنفوشس نے مشہور اُستاد موسیقی سے یہ کہا "جانتے ہو باجے کیسے بجائے جاتے ہیں۔ شروع شروع میں تمام سازوں میں سے ایک ہی وقت میں آواز بلند ہوتی ہے۔ پھر اُن کی آوازوں میں یکسانیت و مطابقت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگرچہ ہر ایک ساز کی آواز نمایاں طور پر جدا جدا رہتی ہے۔ مگر اُن کے سُر اور تال ایک ہی ہوتے ہیں اور آخری وقت تک بھی اُن کا تار نہیں ٹوٹنے پاتا"۔ آپ کا قول ہے کہ "قدیم فرمانرواؤں نے مجلسی تکلفات اور راگ ودّیا کو اسی لئے قواعد و ضوابط میں باندھا ہے کہ انسان اُن کی مدد سے اپنے جذبات پر قابو پا سکے"۔

اب ہمیں بھی اپنی موجودہ تہذیب میں مناسب تیزی کے ساتھ موزوں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے ملک بھر میں شرافت آمیز موسیقی سے مدد لینی چاہیئے یہاں موسیقی سے مراد لرزہ اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے ناشائستہ شور و غل سے نہیں

جیسے غلطی سے "موسیقی" کا نام دیا جاتا ہے ہیں تو ہیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو اُن کے
تمام سکون و اطمینان اور بزرگی و شان سے محروم کر دے گی۔ موسیقی سے نفرت
کرنے والے پیورٹین (عیسائیوں کا ایک پاک باز فرقہ) اگرچہ اس بارہ میں سخت
غلطی پر تھے۔ لیکن موسیقی کی عظمت و اہمیت کو کم کر کے اُسے یوں ذلیل کرنیوالے
لوگ اُن سے بھی زیادہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ موسیقی صرف اُن خالی دماغ اور ضرورت
سے زیادہ بھرے پیٹ والے امیروں و رئیسوں کی دلبستگی کا ہی ایک ذلیل ذریعہ
نہیں۔ اور نہ یہ نوجوان مرد و زن کے حیوانی جذبات کو بھڑکا بھڑکا انہیں ننگے
اور نیم برہنہ ناچوں کے لئے اُبھارنے اور اُکسانے، نیز گناہ کے تنگ و تاریک
گڑھوں میں گرانے والا کوئی شیطانی آلہ ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ و پاکیزہ موسیقی تو ایک
رُوحانی ہوائی جہاز کی مانند ہے جو ہمیں اس خود غرض و مطلب پرستی میں پھنسی ہوئی محسوسات
کی دُنیا سے بہت اُونچے اٹھا کر رُوحانی مسرت کی ایک ایسی پُر سرور فضاء میں
نہایت آسانی کے ساتھ پہنچا دیتی ہے۔ جہاں دوئی کا ہر ایک خیال ہمارے دل
سے دُور ہو کر "سب میں ایک اور ایک میں سب" کے سوا اور کوئی دکھائی ہی
نہیں دیتا۔ یہ موجودہ بد آواز سوسائٹی کے نیم وحشی، بے سرے لوگوں میں بھی
لطافت اور باہمی مطابقت کی ایک حیرت انگیز رُوح پھونک دیتی ہے غرضیکہ
موسیقی ہی ہماری آئندہ نسلوں میں شرافت اور پاکیزگی کا پاک عنصر پیدا کر کے
انہیں امن پسند تخیل پرست بنا سکیگی۔ اور انسانی خصلت کے نہایت گہرے اور
خوابیدہ جذبات کو بیدار کر کے بنی نوعِ انسان میں رُوحانی یگانگت و اتحاد کو
رُونما ہونے میں مدد دیگی۔ کیونکہ بقول مسٹر سی۔ جے ویبر یہی ایک سچی "عالمگیر
زبان" ہے ❖

بلا شک و شبہ خیالات اور جذبات کے اظہار کے لئے موسیقی انسانی

گفتگو بدرجہا زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ کیونکہ طاقت گویائی انسانی دل و دماغ اور روح کے مختلف جذبات و کیفیات کو ویسی خوبی و خوش اسلوبی سے ہرگز ظاہر نہیں کر سکتی۔ جیسی کہ موسیقی۔ موسیقی ہی انسانی روح کی وہ حقیقی آواز ہے۔ جو دوسری روح تک اپنا روحانی پیغام ایسی کامیابی کے ساتھ براہِ راست پہنچاتی ہے۔ جیسے کہ کوئی اور طاقت ہرگز ہرگز نہیں پہنچا سکتی ؛

۷۔ اخلاقیات

کنفوشین دھرم کا اخلاقی آدرش یہ ہے۔ کہ ہر پہلو سے انسانی شخصیت کو یکساں طور پر نشوونما دی جانی چاہیئے۔ یہ یونان کے ہیلن دھرم سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ غیر جانب دارانہ مساوات (چنگ) کی حالت سے اعلیٰ اتحاد (ہوو HWO) پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جب یہ دونو باتیں پیدا ہو جائینگی۔ تو خود بخود، تمام دُنیا میں ایک نظام اور امن و امان پیدا ہو کر۔ اس پر ہر طرح کی برکتیں نازل ہونے لگیں گی۔ دانائی (چی)۔ انسانیت (جین JEN) اور ہمت (یُو) ہی انسان کے تین بڑے اور بنیادی اوصاف ہیں۔ انہیں تینوں سے نیکی۔ موزونیت (لی)، اور وفاداری (شین SHEN) کی صفات پیدا ہوتی ہیں ؛

ان میں سے انسانیت (جین) سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ بقول پروفیسر سوزوکی "ہمدردی۔ محبت۔ مہربانی۔ جذبات دوستی اور ساتھی پن کا خیال یہ سبھی باتیں اس میں شامل ہیں"۔ یہی احساس کنفوشین دھرم کے اس سنہری اصول کی بنیاد ہے۔ کہ "جو سلوک تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ اوروں کے لئے بھی اُسے روا نہ رکھو" کنفوشس کا فرمان ہے۔ "جس شخص میں "جین" ہے وہ اپنی مضبوطی کے ساتھ دوسروں کی مضبوطی اور اپنی کامیابی کے ساتھ دوسروں

کی کامیابی کی بھی خواہش رکھتا ہے"۔ کنفوشس کا مشہور شاگرد مین شی اس۔ جو مسیح سے تین سو سال قبل ہو گذرا ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ "ہر شخص کو دوسروں کا خیال ہوتا ہے۔ جنہیں نہیں وہ انسان نہیں کہلا سکتے۔ "جین" ہی درحقیقت انسان ہے"

دہاتما کنفوشس فرماتے ہیں :۔

"جو شخص پورا پورا انسان ہونا چاہتا ہے۔ وہ خوراک سے صرف اپنی ہی بھوک مٹانے کا خیال نہیں رکھتا۔ اور نہ مکان میں صرف اپنے ہی آرام و آسائش کا! وہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ پوری سرگرمی کے ساتھ کرتا ہے۔ اپنی بات چیت میں نہایت محتاط رہتا ہے۔ اور ہمیشہ ایسے آدمیوں کے ساتھ صحبت رکھتا ہے۔ جن کے اصولوں کی وہ اپنی زندگی سے بھی تائید کر سکے"۔

"نظم کی کتاب (BOOK OF POETRY) میں تین سو نظمیں ہیں۔ لیکن ان سب کا لب لباب اس ایک ہی فقرے میں آجاتا ہے۔ کہ "کبھی ذلیل کن خیالات کو اپنے دل میں نہ آنے دو"۔ "نیکی کو دیکھ کر بھی اس پر عمل نہ کرنا ہمت و جرأت کی کمی کو ظاہر کرتا ہے"۔

"نیکی ایک انسان کے لئے آگ اور پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ میں نے انسانوں کو آگ اور پانی سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے کسی کو بھی مرتے نہیں دیکھا"

"ایک مہاں پرش کی زندگی کا مقصد "سچائی" ہوتا ہے۔ اسے اسی بات کی ہمیشہ فکر رہتی ہے۔ کہ کہیں سچائی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ اُسے اسباب کی کبھی فکر نہیں ہوتی۔ کہ کہیں افلاس مجھے نہ آدبائے"۔

"استقلال۔ برداشت۔ سادگی اور شرم نیکی کے قریب پہنچانے کے

رسانتے ہیں "! "ایک مہاپرش ہمیشہ نیکی کا خیال رکھتا ہے۔ لیکن ادنیٰ انسان اپنے آرام و آسائش کا! ایک مہاپرش اپنی خوراک کے لئے بھی نیکی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ جلد بازی کے موقعوں پر بھی وہ نیکی سے چمٹا رہتا ہے اور خطرات کے موقعوں پر بھی۔ سب انسانوں سے محبت کرتا ہے۔

۸۔ سوانح ہائے حیات

کنفوشیس دھرم نے چین کو خصوصاً اور دنیا کو عموماً بڑے بڑے مہاپرش نذر کئے ہیں جن کے مختصر سوانح ہائے حیات ہدیہ ناظرین ہیں:-

مین شی اس (ماسٹر منگ) کنفوشس کے بہترین نمائندے اور ترجمان ہیں۔ آپ نے ہی باشندگانِ چین میں اس دھرم کو بے حد ہر دلعزیز بنا کر اسے فتح دلائی ہے۔ آپ ایک ان تھک پرچارک تھے۔ آپ نے اس اصول کا بہت پرچار کیا ہے۔" انسانی خصلت لازمی طور پر نیک اور پاکیزہ ہے، نیز اسے خوب نشوونما دی ہے۔ اس لحاظ سے کنفوشیس دھرم اور عیسائی دھرم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ عیسائیت انسان کو پیدائشاً گنہگار مانتی ہے۔ مین شی اس کا قول ہے۔ کہ جس طرح پانی ہمیشہ ڈھلوان کی طرف جاتا ہے اسی طرح انسان بھی طبعاً نیکی کی طرف راغب ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ پانی کو مار کر اور اچھال کر کسی کے سر پر سے بھی گذارا جا سکتا ہے۔ اور فینہ اور بند سے دوسری طرف لے جایا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے پہاڑ پر بھی چڑھایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اس کا قدرتی خاصہ نہیں کہلا سکتا۔ صرف حالات سے مجبور ہو کر ہی ایسا ہوتا ہے ..... اسی طرح انسان کے دل میں بھی بار بار نیکی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ طبعاً و خصلتاً نیک ہے"۔

بلکہ سنتی اس نے مجلسی اصلاح اور اقتصادی انصاف پر بھی بہت زور دیا ہے۔ اُن کا قول ہے۔ کہ "انسانیت ہی انسان کا دل ہے۔ اور نیکی ہی اس کا طریقہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی معصوم کو مار ڈالنا انسانی دل کا کام نہیں ۔"

"ایک انسان کے دل میں خیرات کا جو خیال پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کے غیر خیر اندیشانہ خیالات کو ایسے ہی دبا لیتا ہے۔ جیسے کہ پانی آگ کو ! ۔"

"ایک مہان پُرش جہاں سے بھی گذرتا ہے۔ وہیں تہذیب و اخلاق پھیلاتا ہے۔ اور اپنے پیچھے رُوحانیت کی ایک فضا چھوڑ جاتا ہے"

چو فوٹ زو۔ ۱۱۳۰ء سے ۱۲۰۰ء آپ بھی ایک زبردست عالم۔ منتظم اور ماہر تھے۔ آپ نے قدرت اور انسانیت کے متعلق کنفوشین فلسفے کے پوشیدہ و پیچیدہ مسائل کی خوب تشریح و توضیح کی ہے۔ اور سائنس پر مبنی بہت سے عالمگیر اصولوں کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ لیکن کسی دیوتا کے ذریعہ دُنیا کی پیدائش کے مسئلہ کو بالکل نظر انداز کئے رکھا ہے۔ اسی لئے پروفیسر ایچ اے گائیلر نے آپ کی تعلیمات کو "جدید کنفوشین دھرم" کا نام دے کر بظاہر ناستک (ملحدانہ) ظاہر کیا ہے۔ آپ کی تصنیفات نے مشرق بعید پر بہت اثر ڈالا ہے۔ ڈاکٹر ڈبلیو ای گریفس آپ کو موجودہ چین۔ کوریا اور جاپان کا سب سے بڑا گورو بتلاتے ہیں۔ ان کی یہ رائے ہے۔ کہ زمانہ حال کے زبردست جاپانی فلسفے کی بنیاد "چوہسی" کی تصنیفات پر ہے"

ہان ویں کنگ دجہ پہلے "ہان یو" کے نام سے مشہور تھے ۸۲۴ء۔ ۷۶۸ء) آپ ایک مشہور شاعر اور فلاسفر ہو گذرے ہیں۔ اپنی افسری کے زمانہ میں آپ نے بُدھ دھرم کے توہمات آمیز پہلوؤں کی سخت مذمت کی۔ اس لئے آپ کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اور آپ جنوبی حصہ ملک میں چلے گئے۔ جہاں کہ ایک دانشمند اور دیانتدار مدبر و منتظم کی حیثیت سے آپ نے خاص شہرت حاصل کی۔ اور پھر ملک میں

ہر دلعزیز ہو گئے۔ آپ اپنی تصنیف "کنفوشین دھرم کے عقائد" میں یہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ "عالمگیر محبت کو ہی خیرات کہتے ہیں اور صحیح طریق عمل کو فرض۔ لیکن انسان فوق الفطرت چیزوں کی خواہش کے زیر اثر ان عبادی باتوں کو بالکلیہ نظرانداز کر دیتا ہے۔

وانگ، آن شیہ (۱۰۲۱-۸۶ء) آپ ایک جید عالم اور سیاسی ریفارمر تھے۔ آپ ہی چینی سول سروس کے ادبی امتحانات کے کورس میں تاریخ، جغرافیہ — اور اقتصادیات جیسے ضروری مضامین کو بھی جگہ دلائی ہے اور اپنے آپ کو ہر طرح کی کتابوں کا ایک زبردست شوقین ظاہر کیا۔ آپ نے اعلیٰ حکام کی رشوت ستانیوں اور بدعنوانیوں کی کھلم کھلا مذمت کی ہے اور کسانوں کے مفید مطلب بہت سی اقتصادی اصلاحات نافذ کی ہیں۔

وین ٹی ین ہسیانگ۔ (۱۲۳۶-۸۲ء) آپ ایک زبردست مدبر اور محب وطن تھے۔ آپ مغل فاتح کابلی خان کی غلامی منظور نہ کر کے درجہ شہادت حاصل کر گئے۔ جیل خانے کے متعلق آپ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ کہ "وہاں کی مضر صحت، گندی فضا بھی میرے لئے بہشت سے کم نہ تھی۔ کیونکہ وہاں میرے دل میں وہ نور موجود تھا۔ جس سے کوئی بدنصیبی اور بدقسمتی بھی کبھی مجھے محروم نہیں کر سکتی تھی"۔

شہنشاہ کانگ ہسی (۱۶۵۴-۱۷۲۲ء) آپ کا تعلق مانچو خاندان سے تھا آپ نے اپنی رعایا کی اخلاقی رہنمائی کے لئے سولہ اصول قائم کئے۔ اور یہ فرمان نافذ کیا۔ کہ سرکاری حکام ہر مہینے کی پہلی اور پندرھویں تاریخ کو ان اصولوں کو عام جلسوں میں پڑھ کر پبلک کو سنایا کریں۔ آپ ایک نہایت دانش مند فرض شناس۔ کفایت شعار اور باحمیت حکمران ہو گذرے ہیں۔ آپ کے اخلاقی اصول

اب بھی تمام چینیوں میں خاص عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک مقولہ یہ تھا۔ کہ "اپنے بچوں اور چھوٹے بھائیوں کو ایسی تعلیم دو کہ وہ غلطیوں اور گناہوں میں نہ پھنس سکیں" ۔

لین ٹزی ہسو (۱۷۸۵-۱۸۵۰ء) آپ ایک قابل عالم اور منصف مزاج دانشمند مدبر تھے۔ ایک صوبے کے وائسرائے کی حیثیت سے آپ نے ایک بہت بڑی مقدار میں افیون برآمد کر کے برباد کرا دی تھی۔ اسی لئے چین اور برطانیہ کے درمیان وہ جنگ چھڑ گئی۔ جو "جنگ افیون" کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر مسئلہ افیون کے متعلق آپ نے ملکہ وکٹوریا کو یہ لکھا تھا۔ کہ "جب سے عظیم الشان چنگ خاندان کی سلطنت متحدہ کی بنیاد پڑی ہے۔ تب سے ہی ہماری پالیسی یہ ہے۔ کہ اپنے ملک کے رسم و رواج اور بری و بحری محصولات کو ہم ایک ایسے نظام میں لائیں۔ جس سے کہ انسانوں کی کمزوریاں خود بخود دور ہو کر اُن کے دل صاف ہوتے چلے جائیں"

ٹسینگ کو اُو فان (۱۸۱۱-۱۸۷۲ء) آپ ایک مشہور مدبر اور فوجی جرنیل تھے جو بعد میں وائسرائے کے عہدے پر بھی ممتاز رہے۔ آپ اِن مہاپرشوں میں سے ایک مانے جاتے ہیں۔ جو مہاتما کنفوشس کے آدرش پر چلتے رہے۔ آپ نے لکھا ہے "ڈاکٹروں اور اُن کی دواؤں پر عقیدت نہ رکھو" "دوران ملازمت میں دیانت داری کو ہی اپنا مقصد بنائے رکھو" "کسی بھی مذہب کے پوجاریوں کا اعتبار نہ کرو" "دیوتاؤں، پہاڑوں، دریاؤں یا درختوں کے دیوتاؤں پر یقین نہ رکھو" کنفوشس اور مینشس کی اس سے جو مذہب ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ وہی ہمارے طریق عمل کے لئے ایک مکمل معیار ہے۔

(۶)

ہندو دھرم

ہندو دھرم ایک قابل تعظیم قدیم مذہب ہے۔ اور اس کے نقائص ہیں بہت سے دیوتاؤں کی پرستش۔ مورتی پوجا۔ بے شمار رسوم اور رواجات۔ ذات پات۔ مردوں کے متعلق رسومات۔ ویدانت (QUIETISM.) خاموشی پسندی، پیشین گوئیاں، وحدانیت (PANTHEISM) دنیا کی برہم روپ سے پوجا۔ قوم پرستی۔ علیحدگی پسندی۔ سورگ۔ نرک۔ دیوی دیوتا، علامات پرستی؛ مبالغہ آمیز روایات، قدرتی طاقتوں کی دیوتا کے طور پر پوجا وغیرہ وغیرہ شامل کئے جاسکتے ہیں ؞

۱۔ ہندو دھرم کے دو پہلو

ہندو دھرم کے دو پہلو ہیں ایک عملی اور دوسرا مخفی و پُراسرار۔ اس مخفی و پُراسرار یعنی گیان مارگ (سوچ وچار کے راستے) پر چلنے کا حق صرف برہمچاری (مجرد رہنے والے) سادھوؤں اور فقیروں کو ہی حاصل ہے۔ وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنی ایک الگ ہی جماعت بنا لیتے ہیں۔ اور موکش میں اپنی روح کی دائمی آزادی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن دوسرے تمام معمولی آدمیوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ عملی ہندو دھرم کی پیروی کرتے رہیں۔ جس کا تعلق زیادہ تر مجلسی فرائض کیساتھ ہے۔ جن کے مناسب طور پر ادا کئے جانے کے عوض (ان کے عقاید کے بموجب)

انہیں دُنیا میں پُرمسرّت خاندانوں میں جنم ملتا ہے۔ اور نیک و پاک زندگی بسر کرنے سے مرنے کے بعد سوارگ کا سُکھ حاصل ہوتا ہے۔ ہندو دھرم میں گرہستی کے فرائض تین قسم کے قرار دیئے گئے ہیں "دھرم" یعنی مذہبی، اخلاقی اور مجلسی فرائض "ارتھ" یعنی مالی اور اقتصادی نفع اور "کام" یعنی خانہ داری کی زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی محبت و اُلفت۔ گرہستی لوگ موکش حاصل کرنے کے لئے سادھوؤں کی سی پُرریاضت زندگی بسر کرنے کے حق دار نہیں ہوتے۔ میری رائے میں اُن کے لئے اچھا بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس غیر حقیقی، فرضی اور محض خیالی موکش کی کسی کو ضرورت بھی کیا ہے؟ کم از کم مجھے تو نہیں۔ اور مجھ جیسے دیگر انسانیت پرستوں کو بھی یقیناً نہ ہوگی"۔

۲- مجلسی فرائض

ہندو دھرم مجلسی فرائض کے مسئلہ پر خاص زور دیتا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ ہر شخص کو خواہ وہ کسی حیثیت کا کیوں نہ ہو اپنے مجلسی فرائض ضرور ادا کرنے چاہئیں یہ وراثت کو خاص اہمیت اور عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ لیکن "انسانی دھرم" میں وراثت کو کچھ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ ہندو دھرم کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ شخصی خود پرستی کو طرح طرح کی پابندیوں میں جکڑ رکھا جائے۔ تاکہ ایک مجموعی طاقت کے طور پر برادری کو کوئی نظر انداز نہ کر سکے۔ ایک ہندو اکثر اپنا ذکر اپنے پیشے اور کام کے تعلق سے کیا کرتا ہے۔ گویا کہ وہی اس کی شخصیت کا جوہر ہے بھگوت گیتا میں لکھا ہے۔ کہ "اپنا دھرم نامکمل طور پر ادا کرنے سے بھی انسان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ دوسرے کا دھرم کامل طور پر پورا کرنے میں بھی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اپنے دھرم (فرض) کی ادائیگی میں مرجانا بھی مبارک ہے"۔

اس طرح راستی اور ناراستی کی تعریف جو تمام سوسائٹی کے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ اِسے اِشارتاً ایک جسمِ ترتیبی (ORGANISM) کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس خیال پر زور دیا گیا ہے۔ کہ مختلف ذاتیں ایک ہی برہم (خالقِ کل) کے سر، گردن، بازوؤں، ٹانگوں، پیروں اور دیگر اعضاؤں سے پیدا ہوئی ہیں۔ یعنی کہ اُن سب کا منبع اور ماخذ ایک ہی ہے۔ اگرچہ فرائض اور کام کے لحاظ سے وہ سب الگ الگ ہیں۔ ان سب کے اخلاقی فرائض بھی ایک نہیں مثلاً ایک سپاہی (کھشتری) کے لئے گوشت کھانا جائز ہے۔ لیکن ایک عالم پوجاری (برہمن) کے لئے گناہ۔ ایک ویش دولت جمع کر سکتا ہے۔ مگر برہمن کو غریبی میں ہی زندگی بسر کر کے غریب ہی مرنا چاہیئے۔ غرضیکہ ایک شخص کے لئے جو کچھ اچھا ہے۔ دوسرے کے لئے وہی بُرا ہو سکتا ہے ؛

یہ نسبتی اخلاق سوسائٹی کو بوجھل تو ضرور بنا دیتا ہے۔ لیکن اس سے تنظیم ہم سازی۔ صبر و اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے " انسانی دھرم " بھی یہی سکھلاتا ہے کہ کسی مرد یا عورت کی صرف ایک ہی شخصیت نہیں۔ جو دوسرے اشخاص کیساتھ مل کر یا اُن کے خلاف ہو کر کوئی کام کرتی ہے۔ بلکہ ترتیبی و نظامی طور پر ان کا سوسائٹی اور حکومت کے ساتھ بھی ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ جسے کسی طرح اور کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ مجلسی فرض کا خیال نہایت نتیجہ خیز ہے۔ اور شخصی حقوق کا خیال اُسے ضروری طور پر درجۂ تکمیل کو پہنچاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ مجلسی فرائض کا مناسب طور پر خیال رکھے بغیر شخصی حقوق کا فکر اکثر بگڑ کر ایک خشک اور باطل دلیل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس طرح بے حد نقصان دِہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے ہندو دھرم پکار پکار کر اس اصول کا اعلان کرتا ہے کہ

"ہر ایک سب کے لئے اور سب ہر ایک کے لئے"

پروفیسر جون میکنزی جو ایک عیسائی عالم ہیں۔ ہندو دھرم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"اس کا سب سے زیادہ دلکش پہلو گرہستی محبت والفت کی صورت میں نمایاں ہے۔ والدین اور بچوں، بھائیوں اور بہنوں کی باہمی محبت اور سماج کے مختلف افراد کا اپنے جداگانہ مفاد کو تمام برادری و جماعت کے مفاد کے ساتھ وابستہ رکھنے کا خیال ہندو دھرم میں ایک نہایت عام اور معمولی سی بات ہے۔ اور اس طرح ہندو دھرم عالمگیر محبت کے لئے ایک نہایت ہی گرانبہا تعلیمی میدان مہیا کر رکھا ہے"!

(دیکھو HINDU ETHICS)

۳۔ ہندو دھرم اور براہمن

ہندو دھرم نے ہمارے سامنے براہمن (عالم۔ پوجاری) کو بطور ایک آدرش انسان کے پیش کیا ہے۔ اُس کی طرف سب کو پوری پوری توجہ دینی چاہئے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ بہت سے براہمن آج کل معمولی دُنیادار نظر آتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس آدرش کی تعریف ضرور کرنی چاہئے۔ جس کے سانچے میں اُن میں سے بہترین اشخاص اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک براہمن دماغی قابلیت کے ساتھ ہی ساتھ اخلاقی عظمت کو بھی اپنی زندگی میں شامل رکھتا ہے۔ اِس کے لئے یہ لازمی ہے۔ کہ وہ اپنی ہستی میں گیان (دانائی) اور آچار (پاکیزہ چال چلن) دونو کو یکساں طور پر نمایاں جگہ دے۔ عموماً ایک ہی انسان میں مجلسی رہنمائی کے لئے یہ دو نو صفات اکثر بہت ہی نایاب ہیں۔ مثلاً یونانی عالم آرسٹاٹائل ڈیڑھ صرف منصف مزاج ہی تھا۔ اور تھیمس ٹوکابھر صرف دانش مند ہی! نیکی اور علم اگر علیحدہ علیحدہ رہیں۔ تو اکثر کم و بیش بے اثر رہتے ہیں۔۔ اور کوئی قابل قدر

نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ ہندو دھرم نے ایک ہی شخص میں ان دونوں صفات کی موجودگی پر پورا پورا زور دے کر مجلسی بہتری اور بہبودی کی نہایت شاندار فصل حاصل کی ہے۔ منو بھگوان نے ایک براہمن کے فرائض اس طرح بیان فرمائے ہیں :-

"ایک براہمن کو اپنی بسر اوقات کے لئے ایسا سلسلہ روزگار تلاش کرنا چاہیئے۔ جس سے دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یا بہت ہی کم تکلیف پہنچے۔ وہ اپنی کوٹھی یا غلے کے برتن میں کافی غلّہ رکھ سکتا ہے۔ یعنی اتنا رکھے۔ جس سے اس کا تین دن کا گذارہ چل سکے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اگلے روز کی بھی کچھ فکر نہ کرے" ۔

"اُسے اپنی گذر اوقات کے لئے دوسرے دُنیاداروں کے طریق عمل کی پیروی کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ ایک سچے براہمن جیسی پاکیزہ سیدھی سادی اور دیانتدارانہ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اُسے اُن ذرائع سے جو دوسرے اختیار کرتے رہتے ہیں دولت کما کر اس سے چمٹے نہیں رہنا چاہیئے۔ نہ نفسانی لذات کا غلام ہی بننا چاہیئے۔ اُسے روزانہ بلاناغہ ان علمی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے۔ جو عقل و دانش کو بہت جلد تیز کرتی ہیں" ۔

بھگوان کرشن گیتا میں فرماتے ہیں :-

"شانتی (سکون طبع) حواس پر قابو۔ ریاضت۔ پاکیزگی۔ معافی۔ صداقت پسندی۔ علمیت۔ تجربہ اور عقیدت مندی۔ یہی براہمن کے قدرتی اوصاف ہیں" ۔

۴۔ ہندو دھرم اور رُوحانی زندگی

ہندو دھرم حقیقی روحانی زندگی کو عقائد اور رواج پرستی پر بہت ترجیح دیتا ہے۔ وہ ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ سبھی نیک سادھو مہاتماؤں کی عزت کرو خواہ وہ ناستک ہوں، قدرت پرست ہوں یا خدا پرست، مسلمان ہوں یا عیسائی ہوں یا ہندو۔ اس نے تحمل و برداشت کی ایک نہایت عجیب تصویر دُنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ جس کے متعلق بھگوت گیتا میں یہ لکھا ہے۔ کہ جو کوئی بھی میرے پاس آتا ہے۔ میں اُسے ہی منظور کر لیتا ہوں۔ خواہ وہ کسی بھی راستے یا طریقے سے کیوں نہ آئے" درحقیقت سبھی سچے مذہبی پجاری اسی ایک ہستی کی پُوجا کرتے ہیں۔ اور اس کو ہی اللہ، خدا، شیو، وشنو، یہوواہ وغیرہ مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ بلکہ ایک ناستک بھی نادانستہ طور پر اسی ایک کی خدمت کرتا ہے۔ اس طرح تمام ہی تصویریں مفید ہیں۔ اگر وہ ایک متلاشی کو ایک خاص حد تک اس کی دماغی اور روحانی ترقی میں مدد دیتی ہیں۔ غرضیکہ ہندو دھرم بھی صوفی مذہب کی طرح سب مذاہب کے لئے تحمل و رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔

پروفیسر آر۔ ای ہیوم فرماتے ہیں کہ "درحقیقت قدیم ہندو دھرم کے پیروؤں کا سبھی طرح کی خدا پرستی، دیوتا پرستی اور قدرت پرستی پر اعتقاد ہے"

* (THE LIVING RELIGIONS OF THE WORLD

ایک شخص کی رُوحانیت کا سچا امتحان اس کی زندگی سے ہو سکتا ہے۔ نہ کہ اُس کے عقاید یا معبود سے۔ ہندو دھرم کا یہ عقیدہ "انسانی دھرم" سے بہت کچھ ملتا ہے فرق صرف اتنا ہے۔ کہ ہندو ہر طرح کی عبادت اور روحانیت کو مفید سمجھتا ہے۔ اور ہم سب کو یکساں طور پر فضول و بے معنی۔ اس لئے دونوں ہی بنی نوع انسان کو مختلف مذاہب اور فرقوں کی بیہودہ کشمکش سے بچانا چاہتے ہیں ٭

۵- ہندو اور صداقت پرستی

ہندوستانیہ یعنی صداقت کی تعریف کے راگ ایسے ہی مؤثر اور فصیح الفاظ میں گاتے ہیں۔ جیسے کہ پارسی۔ صداقت کی پیروی میں ہی راجکمار رام نے اپنے تاج و تخت کی شان و شوکت کو ٹھکرا کر چودہ سال کا بن باس اختیار کیا اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کی۔ ہند و دھرم ستیہ کو سماج کی بنیاد اور اسے انتشار سے بچانے والی ایک نہایت مضبوط زنجیر مانتا ہے۔ منو کا قول ہے :-

"انسان کو ہمیشہ صداقت میں خوشی محسوس کرنی چاہیئے" "سچ بولو!۔ میٹھا بولو اور کبھی کوئی تلخ سچائی یا میٹھا جھوٹ زبان سے نہ نکالو"

شت پتھ براہمن میں لکھا ہے۔ کہ "سچ کے سوا کبھی کچھ نہ بولو" ایک مشہور ہندی کہاوت ہے۔ کہ "سچ برابر تپ نہیں اور جھوٹ برابر پاپ" مہاتما کوی تلسیداس نے لکھا ہے :- کہ

"رگھوکل ریت یہی چلی آئی — پران جائیں پر بچن نہ جائی"

رامائن کی تمام کہانی کی بنیاد ہی در حقیقت سچائی کی بزرگی اور عظمت پر ہے۔ قابل تعظیم ہندو ویر یدھشٹر کی تمام عزت و عظمت بھی اس لئے ہے۔ کہ اس نے اپنی تمام عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ شاید ایک مرتبہ کے سوا جب کہ جنگ میں اسے نصف جھوٹ بولنا پڑا تھا۔ حتیٰ کہ مردے کی ارتھی کے ساتھ بھی سب لوگ دبی زبان سے یہی کہتے جاتے ہیں کہ

"رام نام ستّ ہے — ستّ بولو گتّ ہے"

ہندو دھرم نے صداقت کی بنیادی و مجلسی قدر و قیمت کو بہت اچھی طرح سمجھ کر اسے بے شمار افسانوں اور مقولوں کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم "انسانی دھرم" کے پیرو اس کی اس بیش بہا امداد کے لئے

اس کے نہایت ہی ممنونِ احسان ہیں۔ کیونکہ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ کہ صداقت پسندی ہی اخلاقیات کی شاندار عمارت کا سنگ بنیاد ہے۔ صداقت کے بغیر انسانی زندگی خاک اور پتھر سے بھی زیادہ ہیچ اور ناکارہ ہے۔ سچ کے بغیر سوسائٹی میں مکر و فریب، دھوکہ اور جعلسازی کی غلاظت بڑھ جاتی ہے۔ سچ ہی وہ لطیف طاقت ہے۔ جو ہمارے مجلسی نظام کے مختلف ذرات کو ایک دوسرے کے ساتھ متحد و پیوستہ رکھتی ہے۔ سچ کی ہی بدولت ہر طرح کا تعاون و تہذیب ممکن ہے۔ جہاں سچائی کی کچھ قدر نہیں ہوتی۔ وہاں جھوٹ پھیل جاتی ہے اور افراد ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اور سب فارغ البالی و خوشحالی خاک میں مل جاتی ہے۔ حکومت اور ریاست کا انحصار بھی صداقت اور اس کے تحفظ اور اس کے مناسب عمل درآمد پر ہی ہے۔ جس ملک میں تمام وزراء جھوٹے اور وعدہ خلاف ہوں۔ وہاں کی وزارت کب کوئی مفید کام کر سکتی ہے؟ حکومت پھل پھول وہاں سکتی ہے۔ جہاں کے باشندے جھوٹ اور فریب سے کسی بری چیز کی مانند نفرت کرتے اور خوف کھاتے ہوں۔ اور فخر سے یہ کہہ سکتے ہوں کہ "ہماری بات ہی ہمارا عہد نامہ ہے" جب عوام صداقت کا سہارا چھوڑ دیتے ہیں۔ تبھی حکومت تباہ ہو کر برباد ہو جاتی ہے۔ غلامی اور تنزل کی بلائیں جھوٹ کی سزا کے طور پر ہی قوموں کے سروں پر نازل ہوتی ہیں۔ تاریخ چلا چلا کر یہ شہادت ہمارے روبرو پیش کر رہی ہے۔ کہ جو بزدل قوم صداقت سے نفرت کرتی ہے۔ وہ کبھی کوئی شاندار کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ اسے ایک ایسے دائم المریض شخص کی مانند سمجھنا چاہیئے۔ جو بستر مرگ پر پڑا ہوا ہو۔ ہندو دھرم ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ جس طرح ایک نوجوان کے چہرے پر

اس کی تندرستی سُرخی کی جھلک کے ساتھ چمکتی اور دلکتی ہے۔ اسی طرح صداقت ایک قوم کی مجلسی صحت کی ایک نمایاں علامت ہے۔ برعکس اس کے جھوٹ ایک کمزوری اور ضعیفی پیدا کرنے والی بیماری ہے۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ سچ سے محبت کرنی چاہیئے۔ وہی ہماری اور ہماری ہر ایک چیز کی ہمیشہ حفاظت کریگا۔ یہ ایک شاندار پیغام ہے۔ جو ہندو مہاتماؤں نے انسانیت کو دیا ہے۔ اور جسے انسانی دھرم اب بار بار دوہرا رہا ہے ؂

۶- خاندانی استحکام

کنفوشیئن ازم اور رومن کیتھولک (عیسائی دھرم) کی طرح ہندو دھرم بھی خاندانی استحکام و مضبوطی کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اس میں لکشمن اور بھرت برادرانہ الفت و محبت کے آدرش ہیں۔ ساوتری اور ستیہ وان۔ نل اور دمینتی۔ شو اور پاربتی (جو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے ناقابل علیحدگی ہو گئے) شادی شدہ زندگی کی پائیداری اور پختگی کا آدرش پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت محبت اور فرض شناسی کا خیال ہی ایک گھر کی خودغرضانہ اور بھٹکنے والی لمحی خواہشات سے حفاظت کرتا ہے۔ جو ہمیشہ اندر اور باہر سے انسانوں پر حملہ کر کے اُن کی خوشی و مُسرّت کو خطرے میں ڈالتی رہتی ہیں آسان طلاقوں کی نسبت بہت سی پُرمسرت شادیاں بہت اچھی ہیں۔ اِسی لئے ہندو دھرم گرہست کا ایک نہایت بلند آدرش پیش کر کے شادی کے رشتے کو ناقابل منسوخی قرار دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو شادی منسوخ ہو سکے۔ وہ شادی ہی نہیں کہلا سکتی۔ اُسے تو کوئی اور ہی نام دیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس حالت میں گھر گھر نہیں رہ جاتا۔ حالانکہ اُسے ہمارے مجلسی اور سیاسی جسم کا ایک جیتا جاگتا جزو یا خانہ (CELL) ہونا چاہیئے۔ اُسے ایک پرندے

کے گھونسلے سے بھی مشابہت دی جاسکتی ہے۔ جس میں کہ نسل پیدا ہوتی، پرورش پاتی اور قائم رکھی جاتی ہے۔ ہندو دھرم میاں بیوی کے تعلقات کا ایک نہایت بلند آدرش قائم کر کے "پتی پتنی" (خاوند اور بیوی) کے الفاظ میں ایک ایسی برقی حرارت بھر دیتا ہے۔ جس کی بدولت گھر کبھی ٹھنڈا اور بے جان نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایک حکومت یا ریاست نہایت ہی سوچ سمجھ کر قائم کئے ہوئے بلند آدرشوں کے سہارے پر قائم کی جاتی ہے۔ اور مضبوط و پائیدار رکھی جاسکتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہندو دھرم ایک گھر کی پختگی و پائیداری کے لئے اُسے پاکیزگی کے شاندار حلقے میں محفوظ کر دیتا ہے۔ کیونکہ ایک گھر دوزخ بھی بڑی آسانی سے بن سکتا ہے۔ اس لئے ہندو ازم ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ ہم اپنے گھر کو سورگ بہشت یا کم از کم ایک مجلسی پناہ گاہ کس طرح بنا سکتے ہیں؟

وہ طلاق کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ میاں بیوی کو صرف ایک ایسا جوڑی دار خیال نہیں کرتا جیسے کہ ٹینس کے کھیل میں مرد و عورت عارضی طور پر جوڑی دار بن جایا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان عمر بھر کے لئے باہمی اعتبار و اعتماد اور محبت و الفت پیدا کر کے اُن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور اس طرح گھر کو ایک بنیادی مجلسی سنستھا بنا دیتا ہے۔ کیونکہ میاں بیوی میں اگر عمر بھر کے لئے اعتماد اور وفاداری نہ ہو تو شادی ایک بدقسمتی آمیز مذاق کے سوا اور کیا رہ جاتی ہے؟ اور گھر ایک شاندار ہوٹل اور قحبہ خانہ کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟ اس لئے ہندو دھرم گھر کی شان اور پائیداری بڑھاتا ہوا اپنے آپ کو دُنیا کے تمام دوسرے قدیم مذاہب کے مطابق ظاہر کرتا ہے۔

ہمیں یعنی "انسانی دھرم" کے سب پیروؤں کو بھی اس بارے میں ہندو دھرم کی تائید و تقلید کرنی چاہئے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہم شادی کے رشتے کو قانونی طور پر بھی ناقابلِ منسوخی خیال کریں۔ کیونکہ ہمارا کسی بھی نا انشی قانون رسمی رواج یا بیرونی پابندی پر اعتقاد نہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں زمانہ حال کے مردوں اور عورتوں کے لئے گھر کو "ایک برکت اور رحمت کا ذریعہ" بنانا چاہئے۔ بچپن کی شادیوں بڑھوں اور جوانوں کی بے جوڑ شادیوں، جلد بازی اور عجلت سے ہونے والی شادیوں اور مالی منفعت یا مجلسی عزّت کے خیال سے کی جانے والی ایسی شادیوں کی نہایت سختی کے ساتھ مخالفت کر کے اُن کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے۔ جن کے متعلق یہ اُمید نہیں کی جا سکتی۔ کہ وہ آخر میں کامیاب اور پُر امن ثابت ہوسکینگی۔ اور نیز اقوام کے تجربات نے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک پہنچا دی ہے۔ کہ قدرت ہی جوڑے اور گھر بناتی ہے۔ اور پیچیدہ جماعتی شادیوں اور پُر ہجوم خواب گاہوں کو ہرگز پسند نہیں کرتی۔ اگر ہمیں۔ اگر ہمیں گھر رکھنا ہی ضروری ہے تو وہ خوش اور پُر مسرت ہونا چاہئے۔ اور اس میں رہنے والوں کے دلوں میں ہر پہلو سے ہم رنگی و ہم سازی ہونی چاہئے تاکہ وہ صبر و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔ صرف ایک اعلیٰ درجے کی اخلاقی تعلیم اور دانشمندانہ رسم و رواج ہی ایسے گھر بنانے میں ہماری خاطر خواہ مدد کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ طلاق ایک بہت ہی آسان بیماری ہے۔ اس لئے ہمیں جہاں تک بھی ہو سکے۔ اس سے بچنا ہی چاہئے۔ کیونکہ مجلسی تندرستی کی حالت میں تمام شادیاں لازمی طور پر پائیدار اور عمر بھر کے لئے ہو سکتی ہیں۔ دانائی اور چال چلن کی پختگی نہ مضبوطی ہی ایک گھر کی سچی اور بہترین محافظ ہیں۔ نہ کہ زبردست جنسی جذبات اور شہوانی خواہشات؛

شادی کبھی بھی ایک شریفانہ معاہدہ (سول کنٹریکٹ) کی صورت اختیار نہیں کرسکتی۔ کیونکہ کسی بھی وکیل میں اتنی لیاقت و قابلیت نہیں۔ کہ وہ ایک خاص و مقررہ معیاد کے اندر محبت والفت کی ایک خاص و مقررہ مقدار کی بہم رسانی کے لئے کوئی معقول معاہدہ تیار کرسکے۔ لیکن شادی کوئی "مذہبی تبرک" ہی نہیں بلکہ یقیناً وہ ایک "مجلسی تبرک" ہے۔ جو کہ مادری رشتے کی مانند ہی لازمی طور پر ایک مجلسی رشتہ ضرور ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ ایک قدرتی اسرار بھی ہے۔ کیونکہ محبت بذات خود ایک عجیب وغریب قدرتی اسرار ہے۔ اگرچہ قانوناً شادی اور طلاق دونوں میں ہی انسان کو پوری پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ جیسا کہ برہا میں رواج بھی ہے۔ مگر مجلسی اور اخلاقی طور پر ان دونو کو ہی حدود رجہ مشکل بنا دینا چاہئے۔ تاکہ وہ متلون جذبات اور شہوانی خواہشات سے اتنے ہی دور ہو جائیں۔ جتنا کہ ڈینٹی کا بہشت سے دوزخ ہے۔ اس لئے ہر شخص کو شادی کے جال میں پھنسنے سے ہمیشہ محتاط و خبردار رہنا چاہئے۔ لیکن جب وہ پھنس جائے۔ تو اس سے باہر نکلنے میں بھی ویسا ہی ہوشیار و محتاط رہے۔ شادی کرنے سے پہلے پختہ سوچ سمجھ اور شادی کے بعد اپنی روزانہ زندگی میں کامل بے غرضی۔ اخلاق کی پابندی اور ایثار نفسی نہایت ہی ضروری لوازمات ہیں۔ کیونکہ ان کی بدولت زندگی کی بے شمار مایوسیاں اور ناکامیاں ٹل جاتی ہیں۔

نہایت ہی شاذ و نادر حالات میں طلاق سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسا ہی جیسا کہ خاص خاص حالات میں عمل جراحی (آپریشن) بھی ایک مجلسی ضرورت مانا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ گرہست کے لئے کوئی اخلاقی قانون صرف اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر وضع کیا جاسکتا ہے۔ کہ شادی ایک عمر بھر کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ کیونکہ محض عارضی تعلقات کا اخلاق لازمی طور پر اس سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ اور وہ کوئی بھی امید یا پاک جذبہ انسان کے دل میں پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی لئے انسانی دھرم بھی شادی کو محبت کے بلند

ترین اور شریفانہ ترین آدرش کے طور پر تمام نوع انسانی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ وہ سب اِس کو منظور کر کے عملی اور پر اختیار کریں۔

۷۔ ہندو دھرم اور خوراک

یہودیت کی مانند ہندو دھرم بھی ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کے انتخاب میں نہایت دانشمندی اور احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ خوراک سے متعلق ہندوؤں کے پُرانے قواعد و قوانین ہم منظور نہ کر سکیں لیکن اُن کا بنیادی تخیل نہایت مناسب و معقول ہے۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ یہ جاننا چاہئے کہ "ہم کیا کھائیں" اور "کیا نہ کھائیں"۔ بھگوت گیتا میں لکھا ہے۔ کہ

> "خوراک تین قسم کی ہوتی ہے۔ اچھے آدمی تو اس خوراک کو پسند کرتے ہیں۔ جو عمر طاقت اور قوت کو بڑھائے۔ روغن دار ہو۔ جس میں پوری پُوری غذائیت ہو اور جو مرغوب و پسندیدہ ہو۔ جذبات کے غلام اس خوراک کو پسند کرتے ہیں جو کڑوی ہو۔ کھٹی ہو۔ نمکین ہو۔ گرم۔ تیز تیکھی چرچری اور جلن پیدا کرنیوالی ہو اور تکلیف، رنج اور بیماری پیدا کرے۔ اور کاہل وجود، شرارت پسند شخصوں کو ایسی خوراک مرغوب ہوتی ہے۔ جو ٹھنڈی ہو۔ بدذائقہ ہو۔ بدبودار اور متعفن ہو۔ باسی ہو اور غیر پاکیزہ ہو۔"

اس لئے مناسب خوراک کے بارے میں جو ہماری جسمانی اور اخلاقی بہتری و بہبودی کو نشوونما دے سکے۔ ہمیں ہندو دھرم کی رہنمائی و رہبری منظور کرنا چاہیے۔ کیونکہ حقیقتاً ہماری خوراک کوئی ایسی چیز نہیں۔ جس کا اخلاقیات سے کوئی تعلق نہ ہو جیسا کہ بعض ہادی و رہنما غلط طور پر خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ صحیح قسم کی خوراک کے بغیر صحیح قسم کا اخلاق پیدا ہونا بھی ناممکن ہے۔ بدقسمتی سے آج کل ہماری خوراک میں بہت سی ایسی کھانے اور پینے کی چیزیں شامل ہو چکی ہیں۔ جو صحت کو تباہ کرتی ہیں۔ عمر کو گھٹاتی

ہیں۔ اور جذبات کو بھڑکاتی ہیں۔ وہ درحقیقت خوراک نہیں۔ بلکہ منجمد بیماریاں اور بد چلنیاں ہیں۔ جو خوراک کے پردے میں ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اس لئے ہم سب کو ہی ان سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ غلط خوراک موت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اور جو چیز انسان کے منہ میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اکثر اُسے ناپاک بھی کرتی اور کر سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں ایک نہایت چوکنا چوکیدار مقرر کرنا چاہیئے۔ جس کا یہ فرض ہو کہ وہ ہر ایک ناپسندیدہ چیز کو ہمارے منہ میں داخل ہونے سے روک سکے۔

اس پہلو میں آپ "سرب بھکشی" (سب کچھ کھا جانے والے) ہرگز نہ بنیں۔ بلکہ اپنی خوراک کے انتخاب میں نہایت دانشمندی سے تمیز کرنے والے بنے رہیں خواہ لوگ آپ کو وہمی ہی کیوں نہ کہیں۔ کیونکہ یہ خوراک ہی ہمارے جسم اور دماغ کو بناتی ہے اور یہی درحقیقت ہماری جسمانی اور دماغی ہستی ہے۔ آپ اگر چاہیں تو حضرت موسیٰ اور منو بھگوان کے بہت سے احکام کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ لیکن خوراک کے متعلق آپ کو نئے گوروؤں سے نئی تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی مذہب آپ کو ہر ایک چیز کھانے پینے کی حماقت سے باز نہیں رکھتا۔ تو وہ ہرگز کوئی اچھا مذہب نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک برا مذہب ہی ہے۔ غیر مہذب یا وحشی اور جنگلی لوگوں کے سوا گھونگھے۔ مینڈک۔ ٹڈی۔ چنڈول۔ ابابیل، سانپ گردے، کپورے، جگر، تلی، خون کی پڈنگ (حلوہ) کچا گوشت۔ سوئر کے پاؤں سڑا ہوا بدبودار مکھن۔ بلند پرواز شکاروں جیسی نعمتیں اور کون پسند کر سکتا ہے۔ بھلا انسانی تہذیب کی ترقی کا اندازہ روز افزوں انسانیت۔ لطافت پسندی اور خوراک کے متعلق پاکیزگی و صحت بخشی کے سوا اور کس چیز سے لگایا جا سکتا ہے؟

انسانی دھرم یہ سکھاتا ہے۔ کہ گوشت۔ شراب، منشیات، ادویات یا

تمباکو اور میدہ کی سفید روٹی یہ سبھی چیزیں نقصان دِہ ہیں۔ اور دودھ۔ بیز دودھ سے بنی ہوئی سب چیزیں۔ بغیر دھوئی یعنی چھلکے دار دالیں۔ سبزیاں۔ سبزیوں کی جڑیں۔ خمیر۔ انڈے کی زردی۔ گریاں۔ پھل۔ شہد اور زیتون کا تیل۔ سب صحت بخش اور مفید ہیں۔ ہم ہر شخص کو اس کے لئے خاص طور پر مفید خوراک کے متعلق ہدایات بھی دیتے ہیں۔ اور اس طرح ہندو دھرم اور یہودی دھرم کی ہدایات پر پہلے کی نسبت زیادہ ماہرانہ قابلیت کے ساتھ عمل پیرا ہیں ؛

۸۔ ہندو دھرم اور بڑھاپا

ہندو دھرم ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے۔ کہ بڑھاپے کا زمانہ ہمیں زیادہ سکون طمانیت اور خود ضبطی کے ساتھ بسر کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ایام پیری میں بھی انسان نفسانی لذتوں اور خود غرضانہ مطالب پرستیوں میں ہی پھنسا رہے۔ آشرموں (درجات زندگی) کی سکیم کا بھی یہی مطلب و مدعا ہے۔ جب قدرتی اور معمولی خواہشات و جذبات کی سیری سے لطفِ زندگی حاصل کر کے شادکام ہو چکے تو یہی مناسب ہے۔ کہ انسان ایک خاص عمر کے بعد خود ہی رضاکارانہ طور پر ایک سیر چشم مہمان کی طرح دُنیا کے خوانِ نعمت سے دست کش ہو جائے۔ اور اس دن کا انتظار نہ کرے جبکہ یک اجل خود ہی آ کر اس جھک مرے۔ جو اسات کے غلام کو ان نفسانی لذتوں سے الگ ہونے کے لئے مجبور کرے۔ مہاکوی کالیداس نے رگھو کُل کے تپسوی ویروں کو زمانہ پیری کے پیچھے بنا سفروں" کی حیثیت میں ہمارے سامنے آدرش کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس لئے عمر رسیدہ مردوں اور عورتوں کو کمال سیر دلی اور مسرت کے ساتھ یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ " ہم ان دُنیاوی لذتوں سے کافی حد تک لطف اندوز ہو چکے ہیں" اور انہیں اپنے آخری ایام کامل پاکیزگی۔ صبر و اطمینان کے ساتھ۔ سادہ سے سادہ خوراک کھا کر اور پوشاک پہن کر دوسر دل

کی خدمت کرتے ہوئے ان کی بہتری و بہبودی کے بارے میں خوب غور و خوض کرتے ہوئے بسر کرنے چاہئیں۔ جو پیر نابالغ جوانی کی خرمستیوں میں آخری دم تک پھنسے رہتے ہیں۔ وہ ہندوؤں کی نظروں میں قابلِ مضحکہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ جوانی کی رنگ رلیاں جوانوں کو ہی سُوجھا دیتی ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کو کسی اور ہی رنگ میں اپنی زندگی گذارنی چاہیئے۔ اسی خیال کو ایک فارسی شاعر نے نہایت عمدگی سے اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

ترا برف بارید بر پرّ زاغ   نشاید چو بلبل تماشائے باغ

یعنی" اے بُوڑھے! تیرے کوّوں کے پر دل جیسے کالے بالوں پر سفیدی کی برف پڑ رہی ہے۔ اس لئے اب بلبل کی مانند باغ میں ناچتے گاتے اور اٹکھیلیاں کرتے ہوئے پھرتے رہنا تیری شان کے شایاں نہیں ؛

اس طرح ہندو دھرم پیرانہ سالی میں ایک بزرگانہ رُوحانی نشان پیدا کرتا ہے۔ انسان کو اس کے اپنے نفس کی لعنت ملامت سے بچاتا ہے۔ اور اُسے جوانوں کی نظروں میں عزت و عظمت حاصل کرنے کا ایک ایسا شان دار نسخہ بتلاتا ہے۔ جس کی بڑھاپے میں ہر انسان کو سخت ضرورت پڑتی ہے ؛

ہندو دھرم بڑھاپے کی پختہ عمری میں اس سرائے فانی سے کُوچ کر جانے والوں کے لئے گریہ وزاری کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ جو مرد یا عورت اپنے پوتے پوتیوں کا مُنہ دیکھ کر وفات پاتے ہیں۔ اُن کی موت پر اکثر خوب خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اور باجے گاجے کے ساتھ دھوم دھام کی جاتی ہے۔ جیسا کہ انگریزی کے مشہور شاعر ملٹن نے اپنی نظم "SAMSON AGONISTES" میں لکھا ہے :- NOTHING IS HERE FOR TEARS, NOTHING TO WAIL OR KNOCK THE BREAST.

ترجمہ - یہاں کوئی بات بھی ایسی نہیں - جس کے لئے آنسو بہائے جائیں - رویا جائے یا چھاتی پیٹی جائے ؛

۹ - ہندو دھرم اور یوگ

ہندو دھرم ہمارے سامنے "یوگ" کا طریقہ پیش کرتا ہے - جسے بُدھ دھرم اور جین دھرم نے بھی تسلیم کیا ہے - کیونکہ ان دونو کی پیدائش بھی ہندوستان سے ہی ہے - مگر ہم پیروانِ انسانی دھرم یوگ کی تمام تفصیلات پر ایمان نہیں لاسکتے - کیونکہ ہماری یہ بالکل خواہش نہیں - کہ ہم اپنی دماغی سرگرمیوں کو ترک کر کے رُوحانی معجزات دکھائیں - یا "سمادھی" میں جاکر ایک ایسی رُوحانی حالت حاصل کریں - جو رُوح کو اس کی دُنیاوی قیود سے بالاتر لے جاکر اس کی ہستی کو ایک سادہ دائمی اور مکمل زندگی میں تبدیل کر دیتی ہے" (دیکھو انڈین فلاسفی مصنفہ سر - ایس - رادھاکرشنن) ؛

ہمارا یہ اعتقاد نہیں - کہ طبی نقطہ خیال سے خوابِ غفلت (PATHOLOGICAL COMA) یا اپنے آپ کو خود ہپناٹائز کر لینے (AUTO HYPNOTISM) سے کوئی انسان صحیح طریق پر اپنی شخصیت کو نشو و نما دے سکتا ہے ہم مفرد قدرت (UNITARY NATURE) کو دو خیالی حصوں میں تقسیم کر کے اُسے "رُوح" اور "مادے" کا نام بھی نہیں دیتے - ان تمام نادرات قدرت کا بہ ہیئتِ مجموعی مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہوئے اُن میں کوئی ناقابل فہم تمیزہ تخصیص بھی پیدا نہیں کرتے ہیں - ہم دنیا کی بے رحمی سے چیر پھاڑ کر کے اُسے ایسے دو فرضی حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں - جو ایک دوسرے سے بالکل غیر مشابہ ہوں - اور نہ پورش اور پرکرتی" (روح اور مادے) کا یہ کبھی ختم نہ ہونے والا روحانی کھیل ہی کھیلتے ہیں جسے انسانوں سے نفرت کرنے والے تارکوں اور انتردرشٹی (بصیرت باطنی) بارو شن

ضمیری الحاد عوے کرنے والے وہمیوں نے ایجاد کیا ہے ؛

ہمارا "انسانی دھرم" یوگ کے آخری آدرش کو محض ایک خواب و خیال سمجھ کر اُسے نامنظور کر دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی یوگ ہماری "ذاتی نشو و نما کی عملی سکیم" میں کچھ نہایت ہی بیش قیمت عناصر شامل کر کے اُسے بہت کچھ مدد دے سکتا ہے مثلاً "پرانایام" یعنی لمبے لمبے سانس لینے اور دم روکنے کی خوبیوں کو اب مغرب میں بھی جسم، دل و دماغ اور رُوح کے لئے نہایت طاقت بخش سمجھا جانے لگا ہے۔ ہندو فلاسفر مہرشی پتنجلی بھی "پرانایام" (حبس دم) کو ایک پسندیدہ ورزش ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ انسانی دھرم کے تمام سرگرم پیروؤں کو اس سے لازمی طور پر فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ لمبے اور گہرے سانس لینے سے آکسیجن کی مقدار بڑھتی ہے۔ جو اچھی صحت اور لمبی عمر کے لئے ایک ناقابل ترک نعمت کہی جا سکتی ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر اے کیتھ (KEITH) اپنی تصنیف "جسم انسانی" (A HUMAN BODY) میں اپنی رائے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں :-

"جو مرد اور عورت زیادہ تر بیٹھے رہنے یا خاموشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے پھیپھڑے بہت کچھ بند رہتے ہیں۔ اور اُن کا "نظام تنفس" (سانس لینے کا سلسلہ اپنی قابلیت کے نصف حصے سے بھی کم کام کرتا ہے) اس لئے کم از کم چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ تو اُسے اپنی پوری طاقت کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔"

لمبے اور گہرے سانس لینے سے چھاتی پھیلتی ہے۔ ٹوکسن (TOXIN) (ایک فاسد مادہ) خارج ہوتے ہیں۔ بھوک بڑھتی ہے۔ قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور دماغ چست و سرگرم رہتا ہے۔ باقاعدہ اور باآواز سانس لینا دماغی سکون

کے لئے بھی ایک نہایت عجیب ترکیب ہے۔ جس کے بغیر کوئی اخلاقی ترقی نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر دماغ سے پورا پورا کام لینا ہو تو اُسے ہمیشہ اس کی مناسب و موزوں حالت میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ باوزن آواز یعنی لے اور سُر (RHYTHM) بھی اسرارِ قدرت میں سے ہیں۔ اپنے سانس کے ساتھ اُنہیں شامل کر لینے سے ہم بہت سی جسمانی و دماغی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اس لئے باقاعدہ اور ہموزن سانس لینا "ذاتی مشورات" یعنی آٹو سجشن (AUTO-SUGGES-TION) - اپنے آپ کو خود مشورہ دینے کا طریق عمل مثلاً اپنے آپ سے بوقت فرصت یہ کہنا "موہن جی! جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ ہمیشہ سچ بولا کرو! وغیرہ وغیرہ) نہایت ہی مفید ہے۔ اس لئے انسانی وجود" کے ہر ایک پہلو کو اسے اختیار کر کے اس کی مدد سے آہستہ آہستہ اپنی تمام کمزوریوں کو چھوڑ کر اپنے اندر نیک اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

تعمیری "ذاتی مشورات" انسانی شخصیت پر کچھ اصلاحی اور تعمیری اثر ڈالتے ہیں۔ یہ ہمیں اپنی بیماریوں اور اخلاقی کمزوریوں پر قابو پانے میں مدد دیتے ہیں۔ ایسی طاقت و قوت کے اِن پوشیدہ خزانوں سے کام لینے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ جو ہمارے دل و دماغ کے گہرے سے گہرے خانوں میں ویسے ہی چھپے پڑے ہیں۔ جیسے کہ زمین کے اندر سونے اور ہیروں کی بیش بہا کانیں ہیں۔ ان ذاتی مشورات کی مشق کے لئے بھی یہ "آوازِ تنفس" پہلی مشق کا کام دیتا ہے۔ اس طرح یوگ، دُور کو بنانا یا ہماری جسمانی، دماغی اور اخلاقی نشوونما کے لئے ایک نہایت ہی گراں بہا معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

باقاعدہ غور و خوض اور اپنی توجہ کو ایک خاص مقصد پر مرکوز کرنے یعنی دھیان لگانے کی ضرورت پر بھی یوگ میں پورا پورا زور دیا جاتا ہے [illegible]

تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ کسی ایک خیال پر اپنی توجہ کو ایسا مرکوز کر لینے سے اس پر کوئی دوسرا خیال خلل انداز نہ ہو سکے۔ انسان کی جو حالت ہو جاتی ہے۔ وہی دھیان کہلاتی ہے (دیکھو انڈین فلاسفی)۔ انسانی دھرم کے پیرو چونکہ کسی پوجا پاٹھ اور پرارتھنا وغیرہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس لئے اُن کے واسطے دھیان لگانا ویسا ہی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں یا مسلمانوں کے لئے نماز۔ اس لئے یہی ہماری روزانہ مشق ہونی چاہیئے یہی ہماری روح کو کمزوری سے اسی طرح محفوظ رکھ سکتی ہے جیسے کہ خوراک جسم کو۔ اور اُسے مناسب ترقی دے کر پھلنے پھولنے اور شگفتہ ہونے میں اسی طرح مدد دیگی۔ جس طرح کہ پانی باغات کے پودوں کو دیا کرتا ہے۔ اس لئے ہمارا یہ ہر روز دھیان لگانا بھی ہمارا ایک ایسا ہی ضروری فرض ہے جیسا کہ ورزش کرنا اس طرح یوگ یعنی دھیان کی اصطلاحات کے عمل میں بھی چند نہایت مفید اشارات دے سکتا ہے۔ مثلاً ہندو یوگیوں نے اس مقصد کے لئے بہت سے آسنوں کی مشق کی ہے۔ ہم بھی اُن میں سے دو تین آسن اپنے لئے ایسے منتخب کر سکتے ہیں۔ جو آسان بھی ہوں اور قابل عمل بھی۔ اگرچہ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم خاص اشیاء کی طرف دیکھتے رہنے کا خاص عمل بھی کرتے رہیں۔ بلکہ اس کی بجائے ہم شاعری۔ موسیقی اور دوسرے فنون پر اسی مقصد سے اپنا دھیان جما سکتے ہیں۔ اجتماعی دھیان کے لئے ہم مختلف فنون سے اس بارے میں پوری پوری مدد لے سکتے ہیں۔ جیسا کہ وسطی زمانہ میں عیسائیت لیتی رہی ہے۔ بعض طرزیں۔ مثلاً رنگ۔ تصاویر۔ دستکاری بھی دماغی توجہ مرکوز کرنے میں ہمیں بہت مدد دے سکتے ہیں۔ بعض مقولوں اور الفاظ کے بار بار دہرانے یعنی جاپ کرنے سے ان کا پیغام بھی ہمارے دماغ پر زیادہ پختگی کے ساتھ نقش ہو جاتا ہے۔ مشہور مصنفوں اور رہنماؤں کی زندگیوں کے بعض واقعات اور اُن کے اقوال پر بار بار غور کرتے رہنے سے

بھی ہماری آتما اُن کی عظمت کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ ایسے بزرگوں کی سوانح حیات سے بہتر پاکیزگی اور نیکی سکھلانے والا رہبر گرو اور کون ہو سکتا ہے؟ ہم جب بھی چاہیں نہایت خاموشی اور عقیدت کے ساتھ اُن کے چرنوں میں بیٹھ کر اپنے گھر پر یا اجتماعی مجلسوں میں اُن کا دھیان لگا سکتے ہیں۔ اور اس طرح ہندو دھرم کا دھیان سادھن ”انسانی دھرم“ کے پیروؤں کے لئے نہایت بیش بہا ثابت ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس میں اپنی اپنی ضروریات اور روایات کے مطابق جیسی بھی چاہیں تبدیلیاں کر کے اُسے اپنے مفید مطلب بنا سکتے ہیں۔

۱۰۔ ہندو دھرم اور اخلاقیات

مسٹر جے۔ این فارکوہر لکھتے ہیں ”ہندو خیرات پسند، پُرامن اور قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ اور ان میں بہت سی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی صفات پائی جاتی ہیں۔ ہندو دھرم ہمیں عملی اخلاقیات اور شریفانہ آدرش کے گرانبہا سبق سکھاتا ہے۔ ذیل میں چند ہندو مقولات نذرِ ناظرین ہیں:-

”پانچ پاپوں سے بچو! کام (خواہشات نفسانی)۔ کرودھ (غیض و غضب)، لوبھ (حرص و طمع)۔ موہ (جہالت آمیز خود غرضانہ محبت و الفت) اور اہنکار (غرور و خود پرستی) یہی پانچ پاپ ہیں۔ جن سے سب کو بچنا چاہیئے۔“

”جو لوگ وِدّیا (علم)، دان (جذبۂ قربانی و خیرات) اور تپ (زہد) سے محروم ہیں۔ وہ انسانی صورت و شکل میں حیوان ہیں“ ...... ”جو علم ادب، راگ اور فنون سے عاری ہیں۔ وہ بغیر دم اور سینگ کے مویشی ہیں“ ...... ”جو سلوک تمہیں پسند نہیں وہ اوروں کے لئے بھی روا نہ رکھو“ ...... ”لوبھی صرف روپیہ دیکھتا ہے سچائی اپنے

معشوق کو، انتقام پسند اپنے دشمن کو، لیکن مغرور کسی کو بھی نہیں دیکھتا" ... "اپنے دشمنوں سے بھی مہربانی کے ساتھ پیش آؤ! کیونکہ درخت اس شخص پر سے بھی اپنا سایہ نہیں ہٹاتا۔ جو ایک کلہاڑا لے کر اُسے کاٹنے کے لئے آتا ہے" ... "نیکی کرنے والے ہمیشہ انکسار پسند اور شرمیلے ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے پھلوں سے لدی ہوئی درخت کی شاخیں ہمیشہ جھکی رہتی ہیں" ... "خوشحالی اور مصیبت کے دنوں میں ہمیشہ یکساں رہو۔ جیسے کہ سورج طلوع اور غروب کے وقت یکساں سُرخ رہتا ہے" ... "نیکوں کی تمام سرگرمیاں دوسروں کی بہتری و بہبودی کے لئے ہی ہوا کرتی ہیں" ...

"خود ضبطی، خیرات اور ہمدردی کی ہمیشہ تعریف کرو" ...

۱۱۔ سوانح عمریاں

ہندو دھرم کو بہت سے مہاپرشوں اور واجب التعظیم دیویوں نے نشو و نما دی ہے۔ جن میں سے چند ایک کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

بھگوان کرشن (پندرھویں صدی قبل مسیح) یادو خاندان کے ایک نہایت دانش مند فرمانروا تھے۔ آپ نے کئی ظالم و جفاکار حکمرانوں کا جنگ و جدل کے ذریعہ خاتمہ کرنے میں ہمیشہ اوروں کی مدد کی ہے۔ آپ کی دانش مندی اور نیکی کے باعث ہی لوگ آپ کو نر بھگوان سمجھنے لگے۔ بھگوت گیتا کی فلسفانہ نظم کی تصنیف کا فخر بھی آپ سے مخصوص کیا جاتا ہے:۔

بھگوان رام (زمانہ نامعلوم) عملی ہندو دھرم بھگوان رام جیسی اعلیٰ نشو و نما پائی ہوئی عالم و نیک ہستی کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے

جن کی انسانی دھرم بھی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے کارنامے ہندوؤں کی قومی نظم رامائن میں درج ہیں۔ اس نظم کا مصنف شاعر اپنی اس مقبول عام تصنیف میں جسمانی، دماغی اور اخلاقی نشو ونما کی مکمل ہم سازی کی تعلیم دیتا ہے اور رام کو انسانیت کے ایک نہایت قابل قدر ہیرو کے طور پر دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے شاعر کہتا ہے:۔

"تپاتما نارد اُن لوگوں میں ایک شہزادے کی مانند ہیں۔ جن کے خزانوں میں دانش مندی و دانائی کے الفاظ بہتے ہیں۔ مذہبی گرنتھوں کا مطالعہ یا ریاضت و عبادت ہی اُن کی سب سے بڑی مسرت اور اُن کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ نیک والمیکی جی جو سادھو سنتوں میں بہترین اور برترین سمجھے جاتے ہیں۔ اُن سے مخاطب ہو کر یُوں دریافت کرتے ہیں "بھگوان! کرپا کر کے مجھے یہ بتلائیے کہ آج کل اس دُنیا میں سب سے زیادہ نیک، بہادر، راستباز اور اپنے قول کا دھنی، دل و دماغ سے احسان شناس۔ ہر مخلوق کے ساتھ مہربانی اور نیکی سے پیش آنے والا، حسد و بغض سے آزاد، عالم و دانا اور سب انسانوں کی نظروں میں بے دور عایت کون ہے؟ کس کی شانت آتما کبھی غیض و غضب کا شکار نہیں ہوتی؟ کس کی شریفانہ طاقت اور حلیمانہ قابلیت نین لوک کو سب طرح کی برائیوں سے بچاتی اور محفوظ رکھتی ہے؟ جو سب راجاؤں میں بہترین ہے۔ اور اپنی رعایا کی بہتری و بہبودی سے شغف کرتا ہے۔ جو خوش قسمتی کی دیوی کا بہترین و عزیز ترین دوست ہے۔ اور جس کے قدموں کے ساتھ بہترین برکات وابستہ ہیں؟ وہ کون ہے"؟

"یہ سوال سُنکر نارد رشی جن کی آنکھوں کے سامنے ماضی حال۔ اور مستقبل تینوں زمانے ہمیشہ یکساں طور پر موجود رہتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں "اے رشی! ایسی اعلیٰ و نایاب صفات یک جا کہاں مل سکتی ہیں؟ لیکن پھر بھی سُنو۔ میری زبان تمہیں یہ بتلائے گی کہ وہ ایک داجابرتی کونسی ہے۔ جس میں یہ سب اوصاف موجود ہیں وہ اکشواکو کے قدیم خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو دُنیا میں رام کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنے نفس پر قابو پا لیا ہے۔ وہی بڑا پرتاپی راجہ وید شاستروں کا ایسا ماہر عالم ہے۔ کہ اس کا تیج چمک رہا ہے۔ اس کے قدم ہمت و نیکی کے راستے پر جھکے رہتے ہیں۔ وہ نہایت فرمانبردار، پاکیزہ اور فصیح زبان، لمبے قد، چوڑے کندھوں اور مضبوط اعضا والا ہے۔ اور خوش قسمتی نے اپنی مہر اس کے زبردست جبڑے اور کشادہ چھاتی پر ثبت کر رکھی ہے تمام روشن تریں و صنعداریاں اس کے سر، پیشانی اور شاہانہ گردن کو آراستہ و پیراستہ کرتی ہے۔ اس کے سب جسمانی اعضا متناسب سڈول اور موزوں ہیں۔ اور اُن میں ایک ایسی مردانہ شان پائی جاتی ہے۔ جو اس سے پہلے کسی میں کبھی دکھائی نہیں دی۔ وہ اپنے قول و اقرار کو کبھی نہیں بھولتا۔ اور غلطی کرنے والے حواسات پر ہمیشہ نظر رکھتا ہے۔ وہ خصوصاً نہایت دانشمند ہے۔ اور اس کے گورو دیو کی دانائی نے اُسے ایسا سدھایا ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات پر ہمیشہ قابو رکھتا ہے۔ وہ نیک ہے۔ ارادے کا پکا اور مضبوط ہے وہ ہر نقصان و بے انصافی کے حملے سے بنی نوع انسان کی حفاظت

کرتا ہے اور ہر طرح اسے ایسی مدد دیتا ہے جو کبھی فضول ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیشہ عدل و انصاف کا بول بالا کرتی ہے۔ وہ دھنش ودیا میں کمال رکھتا ہے۔ جملہ فنون و قوانین کا ماہر ہے۔ مہمان آتا ہے۔ اور اس کی ملاقات ہمیشہ خوش تسلی و مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ وہ نہایت رحم دل و ہمدرد ہے۔ وہ مہارانی کوشلیا کے دل کی راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ نیکی کے ہر کام میں پُرجوشی حصّہ لیتا ہے۔ ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں کی مانند مستقل مزاج ہے۔ سمندر کی مانند گہرا اور پرتھوی کی مانند متحمل ہے۔ لیکن جب اس کا غصّہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ تو وہ قیامت خیز آگ کی مانند خوفناک بھی ہو جاتا ہے۔ وہ بخشش اور خیرات میں سونے کے دیوتا (کوبیرا) کی مانند ہے اور عدل میں انصاف مجسم تھا۔

سنت کبیر صاحب۔ (تقریباً ۱۴۴۰ء سے ۱۵۱۸ء تک)

آپ شمالی ہند میں ایک سادھو صفت ریفارمر ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے دہیں پرچار بھی کیا ہے۔ آپ نے ذات پات، نمائشی فقیری، رسم و رواج۔ ختنہ اور روحانیات کی بڑی مذمت کی ہے۔ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے بڑی کوشش کی۔ آپ کے اخلاقی دوہے اور نظمیں بہت پُر تاثیر ہیں۔

گوسوامی تلسی داس جی (تقریباً ۱۵۳۲ء سے ۱۶۲۳ء تک) آپ بھی شمالی ہند کے ایک مشہور مہاتما اور شاعر ہو گذرے ہیں۔ آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ مگر بعد میں آپ سنیاسی ہو گئے۔ آپ نے ہندی کی مشہور نظم "رام چرت مانس" یعنی "رامائن" (ہندی) تصنیف کی ہے۔ جس میں شری رام چندر کے کارناموں کو بیان کرتے ہوئے انہیں دیوتا بنا دیا ہے۔ تلسی

ساتھی ہی کو قریباً کروڑ ہندوؤں کی انجیل کہا جاتا ہے۔ یہ علم ادب کی ایک مشہور منظوم کتاب ہے۔ جو راستبازی، اگرہستھی محبت۔ دنیا سے بے تعلقی اور عالمگیر خیراندیشی کی تعلیم دیتی ہے ؞

گورو نانک دیو جی۔ (۱۴۶۹ء سے ۱۵۳۸ء تک) آپ بھی ایک مشہور سنت اور ریفارمر ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے ذات پات۔ رسم و رواج، بہت سے دیوتاؤں کی پوجا اور پوجاری پن کی مذمت کی ہے اور شمالی ہند میں سکھ دھرم کی بنیاد ڈالی ہے ؞

گورو گوبند سنگھ جی۔ آپ سترھویں صدی میں ایک بہادر قومی لیڈر ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے مغلیہ حکومت کے خلاف بغاوت کی اور اس غیر مساوی جد و جہد میں اپنے والد بزرگوار بیز چار بچے شہید کرا دیئے۔ سنت بندہ اور آپ کے دیگر شاگردوں نے اس تحریک کو دیر تک جاری رکھا ؞

راجہ رام موہن رائے جی (تقریباً ۱۷۷۴ء تا ۱۸۳۳ء) ایک ہندو عالم اور ریفارمر تھے۔ جنہوں نے "برہمو" تحریک کو جنم دیا۔ پوجاری پن کی مذمت کر کے جدید مغربی تعلیم کو ترقی دی اور سب مذاہب کی صداقتوں کی تعریف کی۔ پروفیسر میکس مولر نے آپ کو "ایک سچا مہا پرش اور انسانیت کے بڑے بڑے خیر خواہوں میں سے ایک" بیان کیا ہے ؞

مہرشی دیویندر ناتھ ٹیگور جی (۱۸۱۷ء تا ۱۹۰۵ء) آپ ایک ذی ثروت زمیندار کے نورِ نظر اور مشہور عالم مہاکوی رابیندر ناتھ ٹیگور کے والد بزرگوار تھے۔ آپ نے کئی سال تک ہمالہ میں رہ کر برہمو تحریک کو نشو و نما دی۔ مذہبی کتب کی عمل داری کی مخالفت کی اور مجلسی ریفارم کو ترقی دی

بابو کیشب چندر سین جی (۱۸۳۸-۸۴ء) برہمو سماج کے مشہور لیڈر، ایک فصیح نقار اور قابل مصنف تھے۔ آپ بنک کی ملازمت ترک کر کے غریب پرچارک بن گئے۔ آپ کی زیر رہنمائی برہمو سماج نے ذات پات اور بیک وقت بہت سی شادیوں کے رواج کی سخت مخالفت و مذمت کی اور اُسے بالکل چھوڑ دیا۔ آپ نے سب مذاہب کی کتب سے اقتباسات لے کر انہیں ایک دلپسند مجموعہ کی صورت میں تالیف کیا۔ تعلیم اور ٹمپرنس کی تحریک کو ترقی دی۔ سستا لٹریچر پیدا کیا۔ ۱۸۷۰ء میں جب آپ انگلستان تشریف لے گئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ "اگرچہ میں ہندوستانی ہوں۔ لیکن میرا تعلق تمام اقوام کی عالمگیر برادری سے ہے"

سوامی دیانند سرسوتی جی (۱۸۲۴-۸۳ء) آپ ایک برہمن کے نور نظر تھے۔ شادی سے بچنے کے لئے ابتدائے جوانی میں ہی گھر سے بھاگ کر سنیاسی ہو گئے۔ ودیا حاصل کی اور آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ جو کہ ہندو دھرم کا ایک زبردست اصلاح پسند فرقہ ہے۔ یہ پوجاری پن رسم و رواج، ذات پات کا سخت مخالف ہے۔ اور نئے طریقوں پر لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کی حمایت کرتا ہے۔ یہ ہندوستان کی قدیم تواریخ علم ادب، فلاسفی اور دھرم کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اچھوتوں میں کام کر کے اُن کی مجلسی مساوات کا حمایتی ہے۔ اس کے مقاصد میں سنسار کی بھلائی یعنی نوع انسان کی جسمانی، روحانی اور مجلسی حالت کو بہتر بنانا بھی شامل ہے۔ سوامی دیانند کو مارٹن لوتھر (مشہور عیسائی ریفارمر) سے تشبیہ دی جاتی ہے ٭

مہاتما ہنس راج جی۔ آریہ سماج کے مشہور لیڈر اور پنجاب یونیورسٹی

کے گریجوایٹ ہیں۔ آپ نے اس جماعت کے ایک نئے قائم شدہ کالج کے لئے اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کر دیں۔ کئی دوسرے پروفیسروں نے بھی آپ کی مثال کی پیروی کی۔ جو آج کل کالج میں ہی پڑھاتے ہیں۔ اور سچے براہمنوں کی مانند بہت کم تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔

سوامی شردھانند جی۔ آپ بھی آریہ سماج کے لیڈر تھے۔ آپ ایک کامیاب وکیل تھے۔ مگر بعد میں پریکٹس چھوڑ کر لوک سیوا کرتے رہے آپ ایک مذہب پرچارک اور تعلیمی راہبر کے طور پر زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ نے ایک ترقی یافتہ سکول (گوروکل) قائم کیا اور سیاسی ریفارم کے لئے بھی کام کیا ؛

سوامی رام تیرتھ جی۔ آپ شمالی ہند کے ایک کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ آپ شادی شدہ تھے۔ مگر بعد میں بیوی اور دو بچے چھوڑ کر سنیاسی ہو گئے۔ آپ نے امریکہ میں ویدانت فلاسفی کا پرچار کیا۔ لیکن ہندوستان کی مجلسی ترقی کے لئے اپنی تعمیری تجاویز کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی بدقسمتی سے ایک پہاڑی سیلاب میں بہہ گئے ؛

مسٹر گوپال کرشن گوکھلے۔ آپ بمبئی یونیورسٹی کے گریجوایٹ اور پونہ کے ایک جدید کالج کے نہایت قابل پروفیسروں میں سے تھے۔ جو کہ سچے برہمنوں کی طرح بہت کم تنخواہوں پر کام کرتے رہے ہیں۔ آپ نے سیاسی زندگی میں بھی اسی اصول سے کام لیتے ہوئے "سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی" کی بنیاد ڈالی۔ جس کے ممبر ایک مذہبی نظام کی مانند محض گذارہ کے لائق تنخواہ لے کر کام کرتے ہیں ؛

مہاتما اروند گھوش جی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے گریجوایٹ تھے

ایک ہندوستانی کالج میں پروفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ بعد ازآں ایک نیاگ پتیل پرچارک کے طور پر ملازمت سے علیحدگی اختیار کر کے سیاسی اصلاحات کے میدان میں آگئے۔ اب آپ نے اپنی زندگی فلسفہ اور یوگ کے مسائل حل کرنے کے لئے معنون کر دی ہے۔ بڑے شاندار مصنّف و مقرّر ہیں اور ایک سادھو صفت لیڈر مانے جاتے ہیں ؎

سوامی رام کرشن پرمہنس - ایک ہندو مندر کے پجاری تھے شادی ہوگئی تھی۔ مگر بعد میں آپ نے اپنی بیوی کے ساتھ صرف روحانی تعلق رکھنے کا ارادہ کر لیا اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ کو دھیان میں مگن رہنے اور ایک ادنیٰ خدمتگار کے طور پر کام کرنے کا شوق تھا۔ دوسرے مذاہب کے مطالعہ میں بھی آپ کو دلچسپی تھی۔ آپ ویدانت، ذاتی تخیل پرستی اور سب مذاہب کی یگانگت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کی تحریک کو کئی عالم سنیاسیوں نے جاری رکھا۔ سوامی ویویکانند نے امریکہ میں ویدانت کا پرچار کیا۔ سوامی شوانند نے مجلسی خدمات کے متعلق ایک جماعت کو تنظیم دی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے سنیاسی اپنی روحانی قابلیت اور جوش و سرگرمیوں کے لئے خاص پریم اور شہرت رکھتے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ میں ویدانتی ہندو دھرم کا پرچار کرتے ہیں ؎

(۷)

جین دھرم

جین دھرم بھی ایک پُرانا دھرم ہے۔ اگرچہ اب اس کے پیروؤں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہیں رہی۔ انسانی دھرم کے پیرو اس دھرم کے نقائص بآسانی جان سکتے ہیں۔ جو کہ یہ ہیں:-

مادے کے بندھنوں سے رُوح کی آزادی کا خیال۔ سولہ سورگ اور سات نرک، ذاتی نفس کُشی کی اجازت۔ کرم کا عجیب و غریب مادی مسئلہ۔ چونتیس فوق الفطرت طاقتیں (ذاتی سیاس) آتشی روحیں اور ہوائی روحیں۔ بعض سادھوؤں کے لئے نہانے کی ممانعت وغیرہ وغیرہ۔

جین دھرم کے بانی مبانی کا نام وردھمان جی تھا۔ آپ کو ہی مہاویر سوامی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا زمانہ ۵۹۹-۲۷ سنہ قبل مسیح مانا جاتا ہے۔ آپ کا تعلق شمالی ہند کے ایک رئیس خاندان سے تھا۔ آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی بعد میں دھرم اور فلسفہ کا مطالعہ کرنے کی غرض سے گرہست ترک کر دیا۔ اور بارہ سال تک سخت ریاضت کی زندگی بسر کی۔ بعد ازاں آپ نے اپنے عقائد کا پرچار شروع کیا۔ اور ۷۲ سال کی عمر میں پاواپوری کے مقام پر وفات پائی۔ جو کہ اب جینیوں کا ایک مشہور تیرتھ سمجھا جاتا ہے۔

جین دھرم کے مشہور تیرتھنکروں (لیڈروں) اور سادھوؤں میں سے

شری مہاویر جی کے سب سے بڑے چیلے اندربھوتی گوتم جی قابل ذکر ہیں۔آپ کا دیہانت ۵۱۵ قبل مسیح میں ہؤا۔سودھرم یا جمبو سوامی جی ایک ساہوکار کے نورِ نظر تھے۔جو بعد میں سادھو ہوگئے۔بھدر باہو ایک مشہور فاضل اور فلاسفر ہو گذرے ہیں۔سوہستین۔کلی کا چاریہ۔وردھ وادی۔وجر سوامی۔ہری بھدر شری۔سیدھ شری جو ریاست سری مال کے وزیر اعظم کے لخت جگر تھے۔ہیم چندر وغیرہ وغیرہ کے نام نامی بھی خاص طور پر قابل عزت سمجھے جاتے ہیں؛

گذشتہ چوبیس صدیوں میں جین دھرم نے ہر نسل میں کسی نہ کسی نوجوان کو اپنا گردیدہ بنا کر سربرآوردہ پرچارک و رہنما بنا لیا ہے؛

۱۔جین دھرم اور خود ضبطی

جین دھرم نفس کشی یا خود ضبطی کو انسان کا سب سے پہلا فرض سمجھتا ہے اور اُسے تین طرح کی قرار دیتا ہے۔یعنی دماغ کا۔زبان کا اور جسم کا ضبط" دماغی ضبط کے لئے ہر ایک انسان کو اپنے جذبات پر قابو پا کر سکون و اطمینان حاصل کرنا اور دھیان جمانے کی مشق کرنا چاہیئے" "ضبط زبان" کی خاطر تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے خاموش رہنے کا عہد (مون سادھن) کرنا چاہیئے۔"ضبط جسم" کے لئے رضاکارانہ طور پر مشکلات یعنی بھوک، پیاس، سردی، گرمی برداشت کرنے غیر آرام دہ بستر پر سونے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ایک جین ساہوکار اکثر ۲۴ گھنٹے تین طرح کی رُوحانی مشغولوں میں گذار دیتا ہے۔یعنی وہ نہایت سادہ اور بہت کم خوراک کھاتا ہے۔غیر ضروری گپ شپ سے پرہیز کرتا ہے اور سخت بستر پر سوتا ہے؛

"انسانی دھرم" کے پیروؤں کے لئے بھی یہ سہ گونہ خود ضبطی ناقابلِ ترک ہے۔کیونکہ ہمارا دل یا من بڑا چنچل اور اڑیل ہے۔اسی لئے اُسے بند سے

مشابہت دی جاتی ہے۔ موجودہ تہذیب نے ہمارے دماغ کو پریشان کرنے اور اُس میں جوش پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں اس لئے سکون و حلم تو اس سے بالکل ہی دور ہو گیا ہے۔ وہ ایک پیپل کے پتے کی مانند ہمیشہ ہی مضطرب و متحرک رہتا ہے۔ حالانکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہماری قوتِ ارادی ہمارے دماغ پر قبضہ حاصل کر کے اُسے مطمئن اور پُرسکون رکھے۔ ورنہ اس تہذیب کا انجام سوائے دماغی اور اعصابی کمزوری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جین دھرم اس کفر آمیز خیال کی سخت مذمت کرتا ہے۔ کہ "ہر وقت کی پریشانی اور چھیڑ چھاڑ سے بھی مسرت حاصل ہوتی ہے"۔ اور ہمیں یہ سکھلاتا ہے۔ کہ "چونکہ ہمارا من قدرتاً نہایت ہی چنچل اور آوارہ گرد ہے۔ اس لئے ہمیں اسے قائم و پُرسکون (سمتا اور شانت) بنانا چاہیئے"

زبان پر ضبط و قابو حاصل کرنے کی غرض سے کبھی کبھی چند گھنٹوں کے لئے خاموش (مون) رہنے کی جو مشق یہ کرتا ہے۔ وہ بھی ہم میں سے اکثروں کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔ خصوصاً ان کے لئے جو ہر وقت ہی بک بک کرتے رہتے ہیں۔ اور کسی طرح بھی روکے نہیں رُک سکتے۔ ہمیں اپنے جسم کو بھی سختیاں برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ جینیوں اور سپادھانوں کی اس نصیحت کو پیروانِ "انسانی دھرم" کو بھی اپنے خزانہ دل میں ضرور جگہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ جب ضروری حدود سے بڑھی ہوئی لطافت اور نفاست پسندی کے زیر اثر ہو کر انسان اس مادی جسم کی بے حد خدمت شروع کرنے لگتا ہے۔ اور ہر وقت اس کی آراستگی اور آرام و آسائش کے خیال میں محو رہنے لگتا ہے۔ تبھی سماج کا زوال شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس امر کی سخت احتیاط رکھنی چاہیئے۔ کہ کہیں ہم نازک بدن۔ زنخے۔ بزدل، دائم المریض اور بھوک، پیاس، سردی، گرمی، فاقہ کشی، تکالیف و

مصائب سے ہر وقت خوف زدہ رہنے والے ہی نہ بن جائیں۔ جیبنوں جیسی خود ضبطی (دُکھیتی) کی عادت ہی مہذب دُنیا کو زوال آفرین زنانہ پن سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ہم ایسی تہذیب سے باز آئے۔ جس میں مردانہ پن کی خو بُو ہی نہ رہے ہمیں تو قدرت پر بھی فتح حاصل کر کے اپنے جسم کو ایسا بنانا ہے۔ کہ وہ قطبین کی سرد سے سرد موسم اور منطقہ حارہ کی سخت سے سخت گرمی کو بسہولیت اور بہ مُسرت برداشت کر سکے۔ اس لئے ہمیں جان بوجھ کر اور ارادتاً کچھ نہ کچھ جسمانی سختیاں برداشت کرنے کی عادت ڈالتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ خالص سونے کو بھی جب طلائی سکے کی صورت میں ڈھالا جاتا ہے۔ تو سختی کے لئے اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ملانا ہی پڑتا ہے۔ اس لئے عزیزو! مہذب رہتے ہوئے بھی ہمیں بہادر محنتی۔ جفاکش اور سختی برداشت کر سکنے والے بننا چاہئے۔ آپ چھتریوں، آفتابیوں۔ دستانوں، پنکھوں، تکیوں۔ گدگدے بستروں، انگیٹھیوں اور طرح طرح کی سواریوں کے ہی ہمیشہ غلام نہ بنے رہیں۔ کبھی کبھی ان کے بغیر بھی گذارہ کر لینے کی عادت ڈالیں۔ ورنہ اگر ہم حد سے زیادہ مہذب اور نازک بدن بن گئے۔ تو امتدادِ زمانہ سے اس ہماری تہذیب کا انجام بھی طرح طرح کی خرابیوں اور وحشیانہ پن کی صورتوں میں نمایاں ہونے لگے گا:

۲۔ جین دھرم اور اہنسا

جین دھرم اور اہنسا (یعنی کسی کی جان نہ لینا) کا ایک خاص اور نہایت گہرا تعلق ہے۔ جینی سادھو تو کبھی کبھی اس اصول کو نہایت مضحکہ خیز حدود تک پہنچا دیتے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو سبز پتے اور شہد تک کھانے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ عہد کر لیتے ہیں۔ کہ پانچ۔ چار۔ تین یا دو اندریائی (ذرائع احساسات) رکھنے والے جانداروں کو اپنی لاپرواہی سے کبھی ضائع نہ ہونے

دیں گے۔ کوئی کوئی تو غیر متحرک جانداروں کے متعلق بھی یہی عہد کر لیتے ہیں معمولی جینی گنہستی بھی گوشت۔ مچھلی، مرغی انڈے وغیرہ سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ اور نہایت سختی کے ساتھ دودھ اور سبزی وغیرہ پر گذارہ کرتے ہیں۔ بوڑھے بیکار اور بیمار جانوروں کے لئے ہسپتال اور آشرم (پنجراپول) جاری کرتے ہیں اور جانوروں کے متعلق پانچ پاپوں سے بچے رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی انہیں تنگی سے نہیں باندھتے۔ مارتے نہیں۔ اُن کے عضو نہیں توڑتے یا نہیں کاٹتے۔ اُن پر بہت زیادہ بوجھ نہیں لادتے۔ نہ اُن سے بہت زیادہ کام ہی لیتے ہیں اور نہ اُنہیں مناسب خوراک دینے میں کسی طرح کی لاپروائی یا غفلت ہی کرتے ہیں۔

غرضیکہ انسان کے اُن "گونگے اور بے زبان" دوستوں یعنی حیوانات کی طرف اس کے جو فرائض ہیں۔ اُن پر جین دھرم بہت زور دیتا ہے۔ یہ گوشت خوری کو سب سے بڑا پاپ سمجھتا ہے۔ اس دھرم کے سادھوؤں کے لئے یہ حکم ہے۔ کہ وہ اس طرح چلیں کہ اُن کے قدموں میں چیونٹی۔ کیڑے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جاندار بھی آکر نہ مرنے پائیں۔ دھرم پرائن جینی رات کو کھانا بھی نہیں کھاتے۔ کیونکہ بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے جاندار ہیں۔ جو زیادہ سے زیادہ روشنی میں بھی نظر نہیں آسکتے۔ یا منتشر نہیں ہوتے۔ اور اس طرح سورج چھپنے کے بعد کھائے جاتے ہیں۔

اگر سادھوؤں کی اس مبالغہ آرائی اور حد سے بڑھی ہوئی نفاست کو نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ تو جین دھرم کے اس اصول کی تشریح اس طریق پر کی جاسکتی ہے۔ کہ جب تک یہ بہت ہی ضروری نہ ہو۔ اور کسی اعلیٰ زندگی کی برقراری یا تحفظ کے لئے اس کی سخت ضرورت نہ پڑے۔ تب تک کسی جاندار کی جان

کو ضائع نہ کرو۔(دیکھو OUTLIVES OF JAINISM BY. L.L (JAINI) اس لئے یہ اصول نہایت معقول اور ہر طرح نا قابلِ اعتراض ہے۔ یہ جانداروں پر ہر طرح کی مدہوشانہ بیرحمیوں کی ہر شکل و صورت میں سخت مذمت کرتا ہے۔ کیونکہ انسان اب بھی اکثر چرندو پرند کو نہایت ہی قابلِ افسوس اور ترحم انگیز اذیتیں دینے کا مجسم بنا رہتا ہے۔ موجودہ نام نہاد "تہذیب" لومڑیوں اور ہرنوں کے شکار، چکوروں، جنگلی مرغوں اور دیگر خوبصورت پرندوں۔ جانوروں کی قربانی اور ان کے عضو عضو کی چیر پھاڑ VIVI SECTION) وغیرہ بہت سے وحشیانہ افعال و اعمال کی اب بھی حوصلہ افزائی ہی نہیں کرتی۔ بلکہ انہیں قابلِ معافی بھی قرار دیتی ہے۔ بہت سے بے رحم اشخاص تو صرف "دل لگی اور مذاق" کے طور پر ہی بے شمار چھوٹی چھوٹی مچھلیوں اور پرندوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں۔ انسانوں کی یہ سفاکانہ ذہنیت ضرور دور ہونی چاہئے۔ اور سب کو "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے زریں اصول پر عمل کرتے ہوئے تمام مفید اور بے ضرر جانداروں کے ساتھ ہمیشہ ایسا سلوک کرنا چاہئے جو انسانیت کے شایانِ شان کہلا سکے۔

خوراک کے لئے بے زبان و معصوم مویشیوں کا قتلِ عام بھی انسانی تہذیب بزرگی و عظمت کی اعزازی سپر (ڈھال) پر ایک خونی دھبہ ہے۔ بعض آدمیوں کے لئے تو خاص حالات میں مچھلیاں، مرغابیاں یا اور جانداروں کو خوراک کے طور پر استعمال کرنا نہایت ضروری ہو۔ لیکن "انسانی دھرم" کے صادق الخیال پیروؤں کو بہر حال یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ کہ گائے، بچھڑے، بھیڑ بکری سور اور دیگر جانداروں کا گوشت کھائے بغیر بھی تقریباً ہر ملک میں اور ہمیشہ ہی صحت و طاقت برقرار رہ سکتی ہے۔ ترس اور رحم کی یہ کم از کم مقدار ہے جو

کہ ہمیں جانوروں پر ہمیشہ ظاہر کرتے رہنا چاہیئے۔ پھر اب تو سائنس کی مدد سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ گوشت خوری زہریلے ٹوکسن (TOXINS = مواد فاسد) پیدا کرتی رہتی ہے۔ جسمانی آلاتِ اخراج (یعنی پیشاب، پاخانہ، پسینہ وغیرہ خارج کرنے کے لئے جسمانی ذرائع) پر بوجھ ڈالتی ہے۔ خون میں ترشی بڑھاتی ہے۔ معدے کی انتڑیوں میں جو مادہ پھنس کر گلتا سڑتا رہتا ہے۔ اُسے اور بھی زیادہ خراب کرتی ہے۔ غرضیکہ ایک نہیں بلکہ بہت سے پہلوؤں میں مختلف بیماریاں پیدا کر کے ہماری طاقتِ زیست کو کمزور کرتی ہے۔ جذبات کو بھڑکاتا اور اکسا کر انسانوں کو حیوان بلکہ خونخوار درندوں سے بھی بدتر بنا دیتی ہے۔

غرضیکہ تہذیب و حفظانِ صحت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ کسی بھی مہذب ملک میں مذبح اور مقتل نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ اخلاقی اور جسمانی وباؤں کے مخرج و مرکز بن جاتے ہیں۔ ایک بوچڑ کی دوکان کا نظارہ ہی آنکھوں کے لئے موجبِ تکلیف و کراہیت ہوتا ہے۔ اور کوئی لاش بھی کسی انسان حساس اور نفاست پسند انسان کی بھوک کو تیز نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ کوئی معمولی گوشت خور بھی مذبح و مقتل میں کام کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس نفرت انگیز اور مخرب اخلاق کام کو اوروں کے لئے ہی چھوڑ دیتا ہے۔

ماسوائے اس کے اقتصادی نقطۂ خیال سے بھی گوشت کچھ بہت فائدہ مند خوراک نہیں اور مجلسی کفایت شعاری کے ہر پہلو و ہر خیال سے مختلف دالیں، غلے اور ترکاریاں گوشت کی نسبت بدرجہا زیادہ قابل ترجیح ہیں۔ غرضیکہ گوشت خوری ایک ایسی غلطی ہے جو ایک نہیں بلکہ چار پہلوؤں سے ناقص و نقصان دہ ہے۔ اور اخلاق، صحت، اصولِ خوب صورتی اور اقتصادیات کے

خلاف ایک قابلِ اعتراض "قصور" بلکہ "جرم" کہی جا سکتی ہے۔ پھر بھی مہذّب مرد و عورت جسمانی و اخلاقی طور پر اپنے آپ کو اس زہر کا شکار کیوں بناتے ہیں؟ جین دھرم ابھی تک شگاف آواز سے سب کو اُن کی اس زبردست غلطی سے آگاہ کرتا ہے۔ نیز ہندو دھرم، بدھ دھرم اور بہت سے مغربی صاحب دماغ و اہلِ خیال حضرات اس کی اس آواز کو دُنیا میں گونجا رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ سبزی خوری کوئی بنیادی نیکی یا ثواب نہیں لیکن پھر بھی یقینی طور پر یہ انسانی اخلاق کا ایک پھولوں سے آراستہ و پیراستہ زیور ضرور کہا جا سکتا ہے۔

جین دھرم کا اخلاقی آدرش

جین دھرم ہمارے سامنے ایک نہایت ہی شریفانہ اخلاقی آدرش پیش کرتا ہے:۔

"قتل و خوں ریزی، چوری، بدعصمتی اور جھوٹ۔ ان پانچ بڑے گناہوں سے بچو اور دُنیاوی ساز و سامان کے مُوہ (جھوٹی محبت) میں نہ پھنسو"...... "جو دن گذر رہا ہے۔ وہ پھر کبھی نہ آئیگا اس لئے جو بھی بھلائی کرنی ہو۔ ابھی کر لو"...... "غصّے، غرور، مکر و فریب اور لالچ سے پرہیز کرو! صبر و تحمّل سے کام لو! منکسر المزاج، راستی پسند اور صابر و شاکر رہو!"... "کسی لڑائی جھگڑے کا خاتمہ کرنے کی غرض سے معافی مانگنے یا معاف کرنے میں کبھی پس و پیش نہ کرو"...... "تمام جانداروں پر رحم و کرم کی نظر رکھو"... "تمام مخلوق مصیبت و اذیّت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے کبھی کسی جاندار کو نہ مارو اور نہ کوئی ایذا پہنچاؤ"....

"جیسے کہ دنیا کی تمام چیزیں زمین پر قائم ہیں۔ ویسے ہی مہاتماؤں کی تعلیم بھی امن و امان پر قائم ہے"...... "صحیح خیال، صحیح علم، اور صحیح طریق عمل ہی صحیح و پاکیزہ ترین تثلیث ہے"...... "کسی شخص کو بھی اپنے قول یا فعل سے نقصان نہ پہنچاؤ"...... "لڑائی جھگڑوں سے ہمیشہ بچتے رہو"...... "دوسروں پر الزام نہ لگاؤ، ایک بڑے دوست کی غیر حاضری میں اس کی غیبت کبھی نہ کرو۔ بلکہ تعریف ہی کرتے رہو"...... "عقلمند وہی ہے جو اپنے جذبات پر فتح حاصل کرتا ہے"...... "جوئے اور جنگی ملازمت سے دور بھاگو"...... "چار چیزیں خیرات میں دیتے رہو۔ "دوا، دوائی خوراک اور آرام و آسائش"..... "اپنے پانچوں حواسات کے غرور اور تکبر کو مارو"...... "چلنے، بولنے، کھانے، مختلف اشیاء کے استعمال اور حوائج ضروری (پاخانہ، پیشاب وغیرہ کے اخراج) میں ہمیشہ احتیاط سے کام لو"...... ✣

(٨)

بدھ دھرم

بدھ دھرم دو فرقوں میں منقسم ہے۔ ایک "ہین یان" کہلاتا ہے اور دوسرا "مہایان" یہ ایک بڑا وسیع اور عجیب و غریب دھرم ہے۔ اس کے نقائص میں توہم پرستی۔ دیوتاؤں اور بدھی ستوؤں کا خیال۔ اس کی مراقبہ کی حالتیں (دھیان) اور فوق الفطرت طاقتوں کا اعتقاد (ردھی) یہ سب غیر پائیدار اشیاء سے اظہار نفرت۔ مکتی یا نروان (نربان) کا عقیدہ۔ برہمچریہ کا اصول۔ تکلیفات کے مسئلہ کی حد درجہ سادگی، خشک طبع مُردوں جیسا دھیان کا طریقہ۔ آئندہ جنم میں نیک و بد اعمال کے معاوضے کا اصول۔ بہشت اور دوزخ کا خیال۔ یادگار پرستی یا مُردوں کے متعلق پوجا پاٹھ۔ پوتر ستھانوں اور تیرتھوں کے متعلق عقائد۔ پیدائش عالم کے متعلق توہمات۔ بدھ ہستی منکروں جیسی روحانیات وغیرہ وغیرہ شامل کیے جا سکتے ہیں۔

بھگوان گوتم بدھ اس مذہب کے بانی مبانی ہوئے ہیں آپ کا زمانہ ۵۶۳ سن قبل مسیح سے ۴۸۳ سنہ قبل مسیح مقرر کیا جاتا ہے۔ آپ کے پتا جی ایک با ثروت زمیندار تھے آپ کا جنم کپل وستو شمالی ہندوستان میں ہوا۔ آپ کی شادی ہوئی تھی۔ ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ لیکن آپ ۲۹ سال کی عمر میں سب مال و دولت اور گھر بار چھوڑ کر سنیاسی ہو گئے۔ چھ سال تک جپ تپ۔

دھیان اور فلسفہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ بعد ازاں ۴۵ سال تک آپ نے اپنے خیالات کا پرچار کیا اور اسی سال کی عمر میں سورگ سدھار گئے۔ آپ نے اپنے خیالات کے پرچار کے لئے خاص عقیدت مندوں (بھکشوؤں) کا ایک سنگھ (جتھا) قائم کیا۔ جس میں برہمچارنی استریوں کو بھی شامل کیا گیا۔ آپ کے عظیم الشان تیاگ نے بہت سے تخیل پرستوں کو آپ کی طرف کشش کر لیا۔ آپ کی زندگی سے ہم خود انکاری رسب کی خیراندیشی، سادگی، سرگرمی، شرافت، حلم اور خود ضبطی کا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ بدھ دھرم اور دکھ کی شانتی

پارسی دھرم کی طرح بدھ دھرم میں بھی دکھ (مصیبت، تکلیف، رنج والم) سے چھٹکارا پانے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور سب سے پہلی شریفانہ سچائی یہ سمجھی گئی ہے۔ کہ اس دکھ کی ہستی کو تسلیم کر لیا جائے۔ "انسانی دھرم" اس خیال کی تعریف تو کرتا ہے۔ لیکن بدھ دھرم کی سکیم کی تشریح کے لئے یہ کہنا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ کہ اگرچہ مسلمہ طور پر معمولی انسانی زندگی میں دکھ اور خرابیاں بہت ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ صرف دکھوں اور خرابیوں کا ہی مجموعہ نہیں۔ بلکہ اس میں دکھ، سکھ، برائی، بھلائی دونوں شامل ہیں۔ اس لئے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ہی فانی چیزیں لازمی طور پر دکھ کا کارن ہوتی ہیں۔ کیونکہ لافنا اور وقت کی قید سے باہر تو کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی۔ مگر پھر بھی انسان قدرت کی بے شمار برکات سے حظ اٹھا سکتا ہے۔ خواہ وہ عارضی و ناپائیدار نہ بھی ہوں "امانا" (یا لافانیت) تو بدھ دھرم اور ویدانت دھرم کی ایک ایسی اصطلاح ہے جو صرف و نحو (گرامر) کی رو سے اسم فعل کہلا سکتی ہے۔ ورنہ یہ ایک فلسفی کہانی یا مذہبی لوری سے بڑھ کر اور کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ انسانیت تو

ہمیشہ "ہیبرک" کے اس دانش مندانہ مقولہ پر ہی عمل کرتی چلی آئی ہے۔ "کہ موسم بہار میں جب تک ممکن ہو خزاں کے خوف سے بالا تر رہ کر پھولوں کی کلیاں چننے رہو"۔ اگر تم فانی اور اتنیہ چیزوں سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ تو پھر خودکشی کے سوائے تمہارے لئے اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے ؀

"بدھ دھرم نے نہایت ہی صحیح طور پر یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ خواہشات ہی سب مصیبتوں کی جڑ ہیں"۔ لیکن جیسا کہ بدھ دھرم کا عقیدہ ہے۔ صرف خواہشات ہی مصیبتوں کا باعث ہیں۔ بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں مصیبت کا باعث ہو سکتی ہیں۔ حقیقتاً بدھ دھرم نے اس خوف ناک اور پیچیدہ مسئلہ کو جتنا سیدھا سادہ بنا دیا ہے یہ اتنا سیدھا نہیں۔ کیونکہ دکھ صرف خواہشات سے ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ بیماری۔ علمی جہالت۔ سیاسی نااہلیت سے بھی بہت دکھ پہنچ سکتا ہے۔ اخلاقی نقطہ خیال سے بھی اگر دیکھا جائے۔ تو صرف خواہشات ہی دل کو "لبھانے والی" نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہم انسانی دھرم کے پیرو بدھ دھرم کی اس دانائی بھری بات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یونانی فلسفہ اور جدید خیالات کی مدد سے اس خیال کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں۔ گویا کہ بدھ دھرم زندگی کے مناظر پر صرف ایک ہی کھڑکی سے نظر ڈالتا ہے۔ اور ہم نے اس کے لئے سب کھڑکیاں کھول دی ہیں ؀

۲- بدھ دھرم اور آستکتا (خدا پرستی) ؀

بدھ دھرم اس دنیا کے مالک و خالق کے خیال کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ جسے خدا۔ اللہ۔ یہوواہ۔ ایشور وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وہ اس دنیا کو بےپیدا شدہ اور دائمی مانتا ہے۔ ہندو دھرم کا بھی یہی خیال ہے۔ کیونکہ دکھ (خرابی) کی موجودگی میں کبھی خدا کی ہستی کے ساتھ مطابقت نہیں کھا سکتی۔ ایک بدھ

عالم کا قول ہے :-

"جس کی آنکھوں میں بصارت ہے اُسے سب ہی ہولناک نظارے دیکھنے پڑتے ہیں۔ لیکن پھر بھی برہما اپنی غیبی طاقت سے ہی تمام مخلوق کو راہ راست پر کیوں نہیں لے آتا؟ اگر یہ انش مندانہ طاقت لامحدود ہے۔ تو وہ لوگوں پر اپنے برکات نازل کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں سے اتنا کم کام کیوں لیتا ہے؟ اس کی تمام مخلوقات دکھوں کی تیز کیوں بھگتتی ہے؟ وہ سبھی کو خوشی و مسرت کیوں عطا نہیں کرتا؟ مکر و فریب دنیا میں کیوں پھیل رہا ہے؟ جہالت کو اتنا غلبہ کیوں حاصل ہے؟ جھوٹ کو فتح کیوں حاصل ہوتی ہے؟ اور انصاف و صداقت اکثر کیوں ناکامیاب رہتے ہیں؟" (جاتک)

عیسائی، مسلم اور یہودی مذاہب کی کتب وحدانیت کے وہم سے پُر ہیں۔ اُن میں ہمارے ساختہ "خدا" حد سے زیادہ رہتا ہے۔ لیکن بدھ علم ادب اس روح کا دم گھوٹنے والے "دھند" سے بالکل آزاد ہے۔ "انسانی دھرم" بھی بودھوں اور جینیوں کی اس ناستکتا کی تعریف کرتا ہے۔ جیسے انہوں نے کپل منی کی تعلیم سے سیکھا ہے۔ ہم بھی کسی قسم یا کسی نمونے کے خدا کی ہستی پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ بہت سے خداؤں، دیوتاؤں - جنوں وغیرہ کی ہستی پر اعتقاد رکھنا، تاریخ سے قبل زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھنے والی اقوام کا ابتدائی خیال تھا۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ کہ یہ تمام قدرتی تغیرات انسان جیسی دوسری ہستیوں کے سوا کسی اور طاقت کے ذریعہ بھی رُونما ہو سکتے ہیں۔ اِن ہستیوں اور انسانوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ نظر نہیں آتیں اور انسان دکھائی دیتا ہے۔ وہ آگ میں "اگنی" "سمندر کی لہروں میں (POSEIDON

"بوسی ڈون" بادل کی گرج میں "بھوت" اور گرہن میں "راہو" کو موجود سمجھتے تھے اور اپنے انسانی تجربے کی اصطلاح میں قدرت کی تشریح و توضیح کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ جب ابتدائی سلطنت پرستی کے خیال نے بہت سی اقوام کو فتح کر کے انہیں ایک سیاسی و اقتصادی قوم کی صورت میں مضبوط و پختہ کردیا تب یہ بہت سے دیوی، دیوتا، جن اور بھوت بھی ایک "خدا" کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ کیونکہ انسان ہمیشہ سے اپنے معبود کو اپنی ہی شکل و صورت میں بناتا رہا ہے۔ اس لئے "وحدانیت" بھی انسان کی جہالت اور سیاسی غلامی کی ایک علامت ہے۔ اور علم و آزادی کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ ان توہمات کا بھی اسی طرح خاتمہ ہو جانا ضروری ہے۔ جس طرح ہملیٹ کے باپ کی روح دن نکلتے ہی غائب ہو جایا کرتی تھی"۔

بعض فلاسفروں نے خدا کی ہستی کی تردید کرنے کے لئے نہایت ہی لطیف دلائل سے کام لیا ہے۔ ایک کہتا ہے۔ کہ "جس خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں مذہبی کتابوں کے حوالہ جات کی ضرورت پیدا ہو۔ اس خدا کی قدر و قیمت ہمارے لئے کچھ بھی نہیں ہوسکتی"۔ دوسرا کہتا ہے۔ کہ "خدا تو ایسا نمایاں ہونا چاہئے۔ جیسے کہ سورج اور چاند" اس طرح خدا پرستوں کی تمام دلیلیں ناقابل تسلیم ہیں۔ اس دنیا کا خالق یا حرکت کا ابتدائی نتیجہ کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔ ارسطو اور افلاطون۔ ایک نیا اس تو صرف الفاظ کو ہی دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ ہم وقت کی ابتدا و انتہا کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہیں لاسکتے۔ خدا کو اس دنیا کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑ سکتی تھی؟ کیا وہ اس کے بغیر مکمل یا مسرور نہ تھا؟ کیا وہ "اپنی خوب صورتی کی نمائش کرنے کا خواہاں تھا۔ جیسا کہ اکثر صوفی کہا کرتے ہیں۔ یا وہ "کھیل تماشے کا شوقین تھا؟ جیسا کہ ہندوؤں کا خیال ہے۔ غرضیکہ اس دنیا کے پیدا کئے جانے

کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کہ "خدا کو کس نے پیدا کیا؟ اُس کی ابتدا اور بنیاد کہاں سے ہے"؟ اس طرح ہم ایک بے انتہا جھمیلے میں پھنس جاتے ہیں۔ جس سے چھٹکارا آخرکار مشکل ہو جاتا ہے ؎

جب سے کینٹ نے خدا پرستی کے اس قلعے کی حقیقت ظاہر کی۔ تب سے ہی اکثر مفکر یہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس "من" یا "دماغ" نے بھی اس دُنیا کو گھڑا یا بنایا ہے ہمیں تو یہی کہنا پڑیگا۔ کہ "وہ بھی دیوانہ اور غیر مُنصف ہی ہوگا" کیونکہ کوئی شخص بھی آج کل یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ قدرتی یا کیمیائی نظاروں میں کسی طرح کا کوئی خاص مقصد و مدعا نظر آتا ہے۔ نیبولا (ستاروں کا جھرمٹ) ستارے۔ سیارے دُمدار ستارے۔ تجارتی ہوائیں۔ آتش فشاں پہاڑ۔ سمندری لہریں۔ مختلف عناصر۔ (ہائیڈروجن سے لے کر یورانیم اور اُن کے مرکبات تک) کو بھی قدرت کے وسیع تجربہ گاہ کی تمام پیدائشوں کی طرح علت و معلول کے خاموش قانون کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ جس کے بغیر دُنیا میں انتشار اور گڑبڑ پیدا ہو جانی لابدی ہے ؎

غرضیکہ قدرت ہر طرح مطلق العنان ہے اور بغیر کسی پابندی یا اجازت کے از خود سب کام کرتی ہے۔ ہم کسی بھی ایسی سمجھدار ہستی کا کوئی پتہ نہیں لگا سکتے۔ جو اس تمام کارخانے میں کہیں اسی طرح چھپی بیٹھی ہو۔ جس طرح کہ ایک مکڑی اپنے جالے میں بیٹھی رہتی ہے۔ یعنی بیرونی قدرت، ہر طرح کی قوتِ ارادی سے آزاد ہے۔ اور یہی انسانی دانش مندی کی ابتدا ہے۔ جب تک آپ دُنیا میں انسانوں کے حلقے سے باہر کسی دماغ کی تلاش کرتے رہیں گے۔ تب تک آپ ایک ایسے ہی فضول کام میں مصروف رہیں گے۔ جیسا کہ ایک اندھیرے کمرے میں کالی بلی کی ٹٹول۔ ہم "انسانی دھرم" کے پیرو انسان کو ہی ایک ایسی سب سے بڑی ہستی سمجھتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتی ہے۔ اور یہ

سمجھ بوجھ اس کے اندر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ باہر کہیں سے نہیں آتی۔ اس کے علاوہ باقی تمام کارخانہ قدرت میں نہ تو کوئی اور دماغ ہی ہے اور نہ کوئی سمجھ بوجھ ہی یہ ایک کیسا دلدوز نظارہ ہوتا ہے؟ کہ سرگرم انسان، لامحدود اور نامعلوم طبقات میں اپنے جیسے کسی دوسرے دماغ یا روح کی تلاش میں مبتلا و پریشان نظر آتے ہیں۔ لیکن وہاں آپ کو سورج، چاند، ستاروں، آوارہ گرد سیاروں یا ٹھٹھرا دینے والی سردی کے سوا۔ خیالات و احساسات کہاں مل سکتے ہیں؟ یہ تمام غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی ہے۔ کہ جو چیز خود اس کے اندر ہے۔ اُسے وہ اپنے آپ سے باہر تلاش کر رہے ہیں۔ یہی بے شمار بیہودہ توہمات کی جڑ ہے۔ اور یہی سائنس اور اس کی طاقتوں سے انکار کرتا ہے۔ اسی عقیدے کو ماننے یا نہ ماننے پر ہی انسانیت کی اخلاقی ترقی و تنزل کا انحصار ہے۔ اس لئے ہم یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہم زیادہ سے زیادہ سمجھ بوجھ اور گیان کا جو پتہ لگا سکے ہیں۔ وہ انسانی دماغ کے اندر ہی ہے۔ اس سے باہر کہیں نہیں۔ انسان سے ادنیٰ درجے پر حیوانات نباتات اور جمادات ہیں۔ اور یہی ہماری تمام دُنیا ہے۔ ایسی دنیا جس کی بنیاد عقل اور سائنس، انسانیت اور تاریخ پر قائم ہے۔ ہم نے ان تمام فوق الفطرت ہستیوں کے جال سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ جو جن، بھوت، دیو، پری، فرشتے، شیطان، دیوی دیوتا یا خدا کے نام سے مشہور ہیں۔ ہماری رائے میں سوچ سمجھ والا انسان اکیلا ہی بے جان قدرت کا مقابلہ کر کے قدم بہ قدم اس پر فتح حاصل کر رہا ہے۔ یہی انسانی دھرم کا عقیدہ ہے۔ جس کی پیروی کئے بغیر ترقی و عروج ناممکن ہے۔''

حیوانات یا نباتات کی دُنیا میں کہیں بھی کسی دانائی یا فیاضی کا نام و نشان ڈھونڈھے نہیں ملتا۔ ہر جگہ جنگلوں میں بیجوں اور کلیوں کی بے اندازہ اور بیہودہ

حساب تباہی یا پرورش اور رہائی کے لئے گوشت و خون آمیز جدوجہد نظر آتی ہے نباتاتی دُنیا میں ہر طرف بے رحمانہ کرم خور پودے اور بیلیں جوہروں کی طرح دوسروں پر قبضہ جمانے کی فصاحت ظاہر کر رہی ہیں۔ عالم حیوانات میں بھی یہی دکھائی دیتا ہے۔ کہ لکھوکھا۔ کروڑہا، نہیں نہیں بلکہ بے شمار و بے اندازہ جانور ارتقا اور دُنیاوی نشو و نما کی وجہ ہی بھینٹ ربان کئے جا چکے ہیں۔ اور آئے دن قربان ہو رہے ہیں۔ گوشت خور پرندے اور درندے، زہریلے کیڑے، قاتل و مہلک جراثیم ہر طرف اپنے اپنے شکار میں مصروف ہیں پھر بھی خوراک کی کمی یکساں طور پر زمانہ قدیم سے نظر آ رہی ہے۔ یہ بے حد و حساب اندوں کی پیدائش اور تباہی، حیوانی دُنیا کے دیگر نظارے کسی عقلمند اور مہربان دیوتا کی کرنی یا کرتوت تو ہرگز نہیں سمجھے جا سکتے۔ اگر وہ درحقیقت کوئی ہستی ہے بھی تو نہایت ہی مہیب، بے عقل یا دیوانہ ہستی ہے ؛ مولف

انسان کی حالت بھی اس سے کچھ بہتر نہیں۔ وہ بھی اکثر رنج و الم، مصیبت و اذیت اور بلیش از وقت موت کا شکار بنتا ہے۔ اس کی دنیا کو بھی بیماریاں، قحط اور جنگ و جدل تاریک و تہ و بالا کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس کی داستان الم بھی نہایت پُر غم اور اندوہناک ہے۔ بدی اور بدمعاشیوں کو بھی اس پر اتنا ہی قبضہ حاصل ہے۔ جتنا کہ نیکی اور انصاف کی شان و جلال کو۔ بلکہ کبھی کبھی تو بدی اور گناہ کا یہ قبضہ نیکی اور انصاف کی نسبت بہت ہی بڑھ جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کو روتے دھوتے اور آنسو بہاتے ہوئے ہی روٹی کا ٹکڑا کھانا نصیب ہوا ہے اور بہت سے اب بھی اسی طرح کھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کے سر پر اکثر ایسی خدائی برکتیں بھی نازل ہوتی ہی رہتی ہیں۔ جیسے کہ طوفان باد و باراں۔ سموم یعنی جلتی بلتی لوؤں اور ہواؤں کے جھونکوں اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی آندھیاں، زلزلے بھونچال۔ سیلاب۔ آتش خیز پہاڑوں کا پھٹنا۔ ہیضہ۔ پلیگ۔ ٹڈی دل وغیرہ وغیرہ

غرضیکہ ہماری زندگی میں نیکی اور بدی ایسے حیرت خیز طریق پر گتھی معلوم ہوتی ہیں۔ کہ وہ خالق و مالک بھی اُن کی وجہ سے بالکل ہی ایک عجیب و غریب ہستی بن گیا ہے۔ جس نے ان سب کو بنایا ہے۔ اور سقراط و شیطان۔ مسیح اور کلی گولہ۔ بدھ اور بورگیا کو ساتھ ہی ساتھ پیدا کیا ہے۔ ایک عرصہ دراز گذرا۔ جبکہ ایک قدیم چینی ادیب تشنیمیہ جنگ نامی نے خدا کے متعلق یہ بہترین۔ مختصر ترین اور موزوں ترین فیصلہ نافذ کیا تھا۔ کہ "وہ نہ تو کچھ سوچتا ہی ہے اور نہ اپنی تجاویز پر غور ہی کرتا ہے"۔

غرضیکہ وحدانیت کسی سوال کو بھی حل نہیں کر سکتی۔ بلکہ نئی نئی الجھنیں پیدا کرتی رہتی ہے۔ جو قطعی غیر ضروری اور ناقابلِ حل ہوتی ہیں۔ فلسفہ کے دائرہ میں تو یہ ایک فضول مصیبت ہی معلوم ہوتی ہے۔ اور مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تو اس کی طاقت و قدرت سے بالکل ہی باہر ہیں:۔

"ہم خدا کی مرضی کو کیسے جا سکتے ہیں؟" "خدا کا الہام کیا ہے؟" .... "اس کا پیغامبر کون ہے"؟ وغیرہ وغیرہ:۔

سچ پوچھو تو "ختمی الہام" کا اصول ہی وقتاً فوقتاً دُنیا پر خون کی ندیاں بہاتا رہا ہے۔ وحدت پرستوں اور وحدانیت کے شیدائیوں کی تمام مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے ویسی ہی تیزی اور سختی سے نفرت کرتی ہیں۔ جیسی کہ خدا سے محبت۔ کیونکہ اُن کے ملہم رسول۔ زردشت اور موسیٰ سے لے کر جوزف سمتھ اور "مقدس باپ" تک اپنے آپ کو خدا کے رحم و کرم کا اجارے دار ظاہر کرتے چلے آتے ہیں۔ اس مسئلہ کا اٹل اور لازمی نتیجہ جھوٹے دعوے کرنا اور غیر روا داری کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ تلوار اور جلتی آگ کی چتائیں ہی اُن کے جنگ و جدل کا موزوں نشان ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ خدا "محبت مجسّم" ہو۔ لیکن عیسائیوں۔ اور مسلمانوں۔ پراٹسٹنٹوں اور رومن کیتھولکوں۔ شیعہ سُنیوں۔ معتزلیوں اور بہائیوں

آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں وغیرہ میں تو کہیں بھی ہمیں باہمی محبت کا ایک شمہ نظر نہیں آتا پھر بھی وہ سب کے سب ایک ہی خدا کے سترد ہا لو پجاری ہیں اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خدا پرستی بے رحمی اور کشت و خون کا ہی ایک مذہب ہے۔ جیسا کہ اسلام اور عیسائیت کی تواریخ خلقی طور پر ثابت کرتی ہیں ؛

خدا مصیبت کے وقت بھی انسان کی مدد نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی ہستی میں اعتقاد رکھنے سے ہماری مصیبتیں اور مشکلیں ہزاروں گنا بڑھ جاتی ہیں۔ غرضیکہ ہم خدا کے بغیر بڑے مزے سے اپنا گذارہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ جون سٹوارٹ مل نے جس محدود طاقت والے نیک دیوتا کی تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اس کی بھی ہمیں کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ نہ خدا انسان کے لئے کسی کمال کا ہی نمونہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے نہ جسم ہے نہ جائیداد۔ نہ کوئی جذبات ہیں۔ اور نہ اسے کوئی مجلسی زندگی ہی بسر کرنی پڑتی ہے۔ وہ تو بالکل ہی ایک "غیر انسانی" ہستی ہے۔ پھر وہ ہمارے لئے کوئی مثال کیسے قائم کر سکتا ہے ؟ سینٹ انسلم (ST ANSELM) اور ڈیکارٹیں (DESCARTES) کا خیال یہ تھا کہ "انہیں ایک مکمل ہستی کا پرتیکش گیان (صریح علم) ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ ضرور ہے" لیکن اس نکتہ خیال سے "مکمل ہستی" کیا ہے ؟ "انسانی درجہ کمال" کا آدرش تو ایسا ضرور ہے۔ جسے بہت سے سادھو مہاتما حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن "خدائی درجہ کمال" تو بالکل ایک ناقابل فہم جملہ ہے۔ جو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودات کے متعلق اپنی دلائل کی حمایت میں ویسے ہی گھڑ لیا گیا ہے ؛

نیکی بدی کا ثمرہ حاصل کرنے یا اس کا یقین دلانے نیز دماغ اور مادے کے باہمی پیچ در پیچ تعلقات کو ضابطہ میں لانے کی غرض سے بھی خدا کی ہستی کو فرض کر لینا کچھ ضروری نہیں سمجھا جا سکتا۔ حتیٰ کہ کینٹ ۔ آڈامز اور مبلی برانشی ۔

(MALEBRA-NCHE) بھی اپنی دلائل سے ہمیں یہ سمجھنے کی قابلیت پیدا نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی شخص بغیر آنکھوں کے کیسے دیکھ سکتا ہے؟ بغیر کانوں کے کیسے سُن سکتا ہے۔ اور بغیر دماغ کے کیسے سوچ سکتا ہے؟ جو بات کسی کے خیال میں ہی نہیں آسکتی۔ اس پر بھلا کوئی ایمان بھی کیسے لا سکتا ہے؟

پھر وحدانیت نے انسان کے چال چلن میں بھی کوئی بہتری یا ترقی پیدا نہیں کی بعض اخلاق پرستوں کو یہ خوف کھائے جاتا ہے۔ کہ بغیر پرارتھنا یا دعا کے لوگ بدمعاش اور بدچلن ہو جائیں گے۔ لیکن جینی، بودھ۔ کنفوشسٹ بھی تو خدا کی ہستی میں یقین نہیں رکھتے۔ مگر اُن میں بھی بہت سے دیانتدار اور شریف لوگ ہوتے ہیں۔ غرضیکہ چال چلن کی پاکیزگی بھی خدا پرستی پانا سکنا پر منحصر نہیں۔ بلکہ اُس کا فیصلہ کرنے والی طاقتیں کچھ اور ہی ہیں۔ اگر خدا پرستی ہی اخلاق کی سب سے بڑی بنیاد ہوتی۔ تب تو لوگ۔ یورپ۔ امریکہ۔ مشرق قریب اور شمالی افریقہ کے سبھی خدا پرست باشندے آج نیکی اور پاکیزگی کے پُتلے ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن کیا وہ ایسے ہی ہیں؟ حالات موجودہ میں تو یہ سوال بہت ہی طعن آمیز معلوم ہوتا ہے

خدا پرستی سائنس کی تو نہایت بے رحم اور زبردست مخالف رہی ہے کیونکہ سائنس کا اعتقاد قانون پر ہے۔ اور خدا پرستی کا انحصار "خدا کی مرضی" اور مطلق العنانی پر۔ اسی لئے تو زمانہ وسطیٰ کی عیسائیت اور اسلام نے ماہران سائنس کو کافر ٹھیرا ٹھیرا کر سن مانی اذیتیں پہنچائی ہیں۔ اور یہ پالیسی تھی بھی اُن کے عقائد اور اُن کی منطق کے عین مطابق! پروفیسر موریس ڈی وولف فرماتے ہیں۔ کہ" مذہبی عالم ہمیشہ ہی سائنس کی ترقی سے دُور رہے ہیں" کیونکہ سائنس تو لازمی طور پر کسی شخصی ایجنٹ کی وساطت کے بغیر کرشمات قدرت کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔ اور اس کی یہ روش مذہبی عالموں کے لئے ایک عجیب معمہ ہے۔ اس لئے ہم انسان

دھرم کے پیرو "وحدانیت" کے اصول کو رجعت پرستی اور رخنہ اندازی کے ہاتھوں میں ایک نہایت خوفناک ہتھیار سمجھتے ہیں۔ اس لئے آپ سائنس اور خدا دونوں پر ساتھ ساتھ یقین نہیں رکھ سکتے۔ آپ کو ان دونوں سے ایک کو ہی منتخب کرنا ہوگا ؎

یہ تو صاف ہی ظاہر ہے۔ کہ خدا کی ہستی میں اعتقاد رکھنا ایک بالکل ہی غیر ضروری توہم ہے۔ جو دماغی، مجلسی اور اخلاقی ترقی کے راستے میں سخت رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے جال سے بھی چھٹکارا پانا چاہئے۔ قدرت میں خدا یا دیوتاؤں کی بھاؤنا کر کے اس کی پوجا کرنا بھی ایک لطیف سی خدا پرستی ہی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی خدا کی عظمت کو تسلیم کیا جاتا ہے ؎

گوئٹھے نے لکھا ہے۔ کہ "خدا اگر دنیا کے باہر کہیں نہ رہ کر اندر سے ہی اسے تحریک کرتا۔ تو بہت اچھا ہوتا" سٹوائکس (علما یونان کا ایک فرقہ) صوفی، بجھ ویدانتی اور دیگر علماء بھی وحدانیت اور ناستکتا کے درمیان ایک طرح کا سمجھوتہ سا کر کے اپنے دل کو تسکین دے لیتے ہیں۔ لیکن کمزور طبیعت والے انسانوں کی مانند وہ طریقین کے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ نہ تو خدا سے ہی دعا مانگ سکتے ہیں نہ انسانیت سے ہی اپیل کر سکتے ہیں وہ خدا پرستوں کی بہشت اور ناستکوں کی دنیا کے درمیان ہی کہیں معلق رہ جاتے ہیں۔ درحقیقت "ہمہ اوست" کا مسئلہ بھی خدا کی لفظی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دماغی اور جذباتی ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ورنہ اس کی حقیقی بنیاد نہیں ؎

بعض لوگوں کو خدا کے مختصر لفظ سے ہی بہت تسکین ہوتی ہے۔ خواہ اس کے معنی کچھ بھی کیوں نہ کر لئے جائیں۔ اس لئے وہ ہم سے بھی یہ یقین کر لینے کے لئے کہتے ہیں۔ کہ خدا کے معنی حقیقی صداقت، نیکی اور خوبصورتی کے

ہیں" اسی طرح ہر ایک لفظ کے ہم جو بھی معنی چاہیں قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں نئے خیالات کے لئے ہمیشہ نئی اصطلاحات استعمال کرنی چاہئیں۔ ہمیں زبان یا لغات پرست درازی کرکے اپنے آپ کو نیز اوروں کو دھوکا دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس لئے ہمیں اب اس دقیانوسی خدا کا پیچھا چھوڑ دینا چاہئے اور سائنس و انسانیت کی ایک نئی تہذیب بنانے کے کام میں لگ جانا چاہئے۔ جیسا کہ مشہور انگریزی شاعر لوویل (LOWELL) نے کہا ہے ؎

"نئے موقعے نئے فرائض سکھاتے ہیں۔ اور وقت قدیم نیکیوں کو بھی بدنما کر دیتا ہے۔ اس لئے جو لوگ حقیقت سے آگے رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ تازہ جرأت سے آگے ہی قدم بڑھانا چاہئے"

۳۔ بدھ دھرم اور خیالات کی طاقت

بدھ دھرم نے خیالات کی طاقت پر بہت زور دیا ہے۔ وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں اپنی روحانی ترقی کے لئے اپنے دماغ سے کام لینے کا سبق سیکھنا چاہئے۔ "دھم پد" میں لکھا ہے:۔

"ہم جو کچھ بھی ہیں اپنے خیالات کا ہی نتیجہ ہیں۔ ہماری بنیاد خیالات پر ہی ہے۔ بلکہ ہم اپنے خیالات کے ہی پتلے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے دل میں برا خیال رکھتا ہوا کوئی کام کرتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے۔ تو تکلیف اس کے پیچھے پیچھے ایسے ہی چلتی ہے۔ جیسے کہ گاڑی کا پہیہ اس بیل کے پیروں کے پیچھے چلتا ہے۔ جو کہ اسے کھینچ رہا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پاکیزہ دلی سے کوئی کام کرتا ہے۔ یا کوئی بات کہتا ہے۔ تو خوشی سایہ کی مانند اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اور کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اس لئے ہر ایک دور اندیش دانش مند شخص کو اپنے خیالات کی اچھی طرح

دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح حفاظت کئے ہوئے خیالات ہی خوشی و مسرت پیدا کر سکتے ہیں .... ماں باپ بھائی۔ بہن یا کوئی اور رشتہ دار ہمارے ساتھ کبھی اتنی بھلائی نہیں کر سکتے۔ جتنی کہ اچھی طرح سدھایا ہوا اور راہِ راست پر چلایا ہوا دماغ یا من کر سکتا ہے"

یہ ایک نہایت اہم سبق ہے۔ جو ہم "انسانی دھرم" کے پیروؤں کو اس بدھ دھرم سے سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ کے خیالات نہ صرف آپ کے چال چلن کو ہی بناتے ہیں بلکہ آپ کے جسم کو بھی وہی بناتے ہیں۔ اور ان کا اثر آپ کے چہرے کے ہر ایک خط و خال پر نظر آتا ہے۔ وہ آپ کی ہستی میں ایک مہک سی پیدا کر دیتے ہیں۔ جو آپ کے جسم سے ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہے۔ خواہ آپ کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ وہ آپ کو ایک نورانی لباس پہنا دیتے ہیں۔ آپ کا دماغ ہی آپ کے جسم کی شکل و صورت کو بھی ڈھالتا ہے۔ ایسے ہی جسم بھی آپ کے دماغ پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ غرضیکہ دونو کے تاثرات کا آپس میں نہایت ہی گہرا تعلق ہے۔ اس بارے میں ہم اکثر دماغ کی طاقتوں کا اس پہلو میں نہایت غلط اور بہت کم اندازہ لگا بیٹھتے ہیں۔ جس کا اظہار پریشانی تفکرات خوف۔ بدہضمی۔ بے خوابی اور دیگر جسمانی اعمال و افعال سے ہوتا ہے۔ ورنہ خوشی و مسرت سے صحت میں ترقی ہوتی ہے۔ اور عمر بڑھتی ہے۔ علم دماغ اور علم الاجسام کا ایک دوسرے پر بہت کچھ انحصار ہے۔ یعنی وہ سیام کے جڑواں بچوں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔

دماغ جسمانی بیماریوں اور کمزوریوں کو بھی دور کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے یہ تسلیم کرنا ضروری نہیں۔ کہ سبھی بیماریاں دماغی عمل سے دور ہو سکتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ دماغ ہماری جسمانی تکلیفات کو گھٹائے

بڑھانے میں ایک زبردست حصہ لیتا ہے۔ اعتماد و ارادہ ہمارے لئے ایسے ہی ضروری ہیں۔ جیسے کہ خوراک۔ آرام اور غسل۔ بعض حالات میں تو یہ دنیا کی تمام ادویات کے مجموعے سے بھی زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں۔ جس کا تعلق صرف ہمارے جسم سے یا ہمارے دماغ سے ہی ہو۔ غرضیکہ ہر ایک انسان جسم و دماغ کا مجموعہ ہے۔ ہر ایک مریض کے دل میں صحت یابی کی زبردست خواہش ہونی چاہئے۔ اور ساتھ ہی اس کے اسے اپنے دل میں یہ یقین بھی ہونا چاہئے۔ کہ میں ضرور صحتیاب ہو جاؤں گا۔ ورنہ کوئی ماہر سے ماہر معالج بھی اس کی موت کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کرنے کے سوا اسے اور کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیگا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ہمارے خیالات کی طاقت ہی ہمیں ایک بہت بڑی حد تک اپنے جسم کا مالک بنا سکتی ہے اس لئے صحت کی سلطنت تو تمہارے اپنے جسم کے اندر ہی موجود ہے :-

آپ کا دماغ بھی سورج کی مانند نور کا مرکز ہے۔ بدھ دھرم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ زبان سے کچھ کہے بغیر بھی خیالات و جذبات آپ کے جسم سے ایسے ہی خارج ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ روشنی کی شعاعیں۔ یا بلا تار کے برقی لہریں۔ "انسانی دھرم" کے پیروؤں کو بودھوں کے "برہم دہار" (اپنے اندر اعلیٰ دماغی حالت پیدا کرنے کے طریق) پر کسی قدر ضروری اصلاح کے ساتھ عمل کرنا چاہئے۔ ہر ایک بودھ اس روحانی کثرت سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے :-

"محبت، ہمدردی، درمندانہ مسرت اور دماغی مساوات بھرے پُرنور خیالات سے انسان دُنیا کی چاروں سمتوں کے گوشہ گوشہ میں ہر جگہ داخل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس دُنیا کی تمام لمبائی اور چوڑائی ایک ایسے عالمگیر، لامحدود اور وسیع دماغ کے پُرنور خیالات سے بھرپور ہے۔

جس میں کسی کے لئے بھی نفرت و بدخواہی کے خیال کو کبھی دخل حاصل

نہیں ہو سکتا؟"

یہ ضروری نہیں۔ کہ ہم انسان دھرم کے پیرو بھی اپنے آپ کو ان متذکرہ بالا چاروں کیفیات تک محدود رکھیں۔ بلکہ ان میں سے چوتھی مد کچھ اتنی ضروری بھی نہیں۔ کیونکہ پہلی تین میں ہی وہ خود بخود شامل ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے ہم اور بھی ایسے خیالات و جذبات ان میں شامل کر سکتے ہیں جو نوع انسان کے لئے عموماً اور خاص اشخاص کے لئے خصوصاً معاون و مددگار ثابت ہو سکیں اور ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے خیالی پیغامات ویسے ہی یقینی طور بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے پہنچتے رہیں گے جیسے کہ تار پہنچا کرتے ہیں۔ اور ان پر ہمارا خرچ بھی کچھ نہ ہوگا۔ قوت ارادی کو مرکوز کرنے کے لئے جماعتی طور پر خیال جمانا ایک نہایت آسان و پُراثر طریق عمل ہے۔ اس تعلیم سے لازمی طور پر ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اپنے دماغ کو پاک سطحیں تیز نفرت، بغض، حسد، غصہ، شہوانی خیالات، پریشانی اور خوف سے ہمیشہ پاک رکھیں۔ در حقیقت ہمارا دماغ اور دل سے اتنا پوشیدہ نہیں۔ جتنا کہ ہم خیال کرتے ہیں۔ ہمارے دماغ کی برقی لہریں دوسروں کی کھوپڑیوں میں داخل ہو کر ہمارے خیالات و احساسات کو ان پر بے پردہ کرتی رہتی ہیں۔ لیکن بیوقوف انسان یہی سمجھتا ہے۔ کہ "میرے خیالات کسی پر ظاہر نہیں ہوتے"، حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ ہمیشہ ہی غائبانہ طور سے اوروں پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک بڑے آدمی سے مل کر ہمارے اوپر اس کا کچھ پسندیدہ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے دماغی ذرات لطیف کی ایک ناخوشگوار مہک اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ ایک فارسی شاعر نے بھی کہا ہے ؎

دل را بدل رہیست درایں گنبد سپہر
از روئے کینہ کینہ و از روئے مہر مہر

بدھ دھرم ہمیں یہ تنبیہہ کرتا ہے۔ کہ ہمیں اپنی حماقت سے اپنے دماغ کو قوت شہوانی خیالات اور کمینہ جذبات کا چاہ بچہ بنا کر یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس کی سڑاند کسی کو پریشان نہ کرے گی۔ نور افشانی کا یہ دماغی اور روحانی آئین عالمگیر ہے۔ آپ اس کی کوئی حد بندی نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے شرارت آمیز خیالات سے دوسروں کو اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جتنا کہ افعال و آواز سے پہنچانا ممکن ہے۔ اسی طرح آپ اپنے نیک اور پاکیزہ خیالات سے انہیں فائدہ بھی بے اندازہ پہنچا سکتے ہیں ؛

۴۔ بُدّھ دھرم اور لذّاتِ نفسانی

جین دھرم کی مانند بدھ دھرم بھی لذاتِ نفسانی کی بہت مذمت کرتا ہے بودھ فلاسفر اور شاعر "کام باراگ" (خواہشات) کی غلامی کی خرابیوں پر خاص طور سے زور دے کر عوام کو ان سے متنبہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ اُن کے حملوں کا خاص نشانہ ہیں۔ "خود ضبطی" ان کے گیت کی ٹیپ ہے۔ یہ خواہشات اور اُن سے حاصل ہونے والی نفسانی لذّات ہمارے حواسِ خمسہ (پانچوں اندریوں یعنی آنکھ ناک، کان، جلد اور زبان ہیں سے جس پر بھی چاہے حملہ کر کے اُسے اپنا گرویدہ بنا سکتی ہیں۔ اصولی طور پر بُدھ دھرم ان سبھی حواسات کی لذتوں اور مسرتوں کو ناپسندیدہ نامنظور کرتا ہے۔ اور کہتا ہے :-

"نفسانی لذتوں اور مسرتوں سے بہت کم اطمینان حاصل ہوتا ہے اور برخلاف اس کے بہت سی خرابیاں، تکلیفیں اور پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے خطرات اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں۔ اِن نفسانی مسرتوں کے باعث۔ ان کے ہی لئے اور صرف انکی ہی دنیاوی خواہش سے ایک بادشاہ دوسرے پر حملہ کرتا ہے۔ اور انسان چور۔ ڈاکو رہزن

اور زانی بن جاتا ہے۔ انا ریوں کے ذریعہ جو خوشی حاصل ہوتی ہے
اُسے ہی نفسانی خوشی، گندی خوشی، گنوار و خوشی اور غیر شریفانہ
خوشی کہتے ہیں۔ اسے کبھی پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اور نہ زیادہ نشو
و نما ہی پانے دینا چاہیئے۔ بلکہ اس سے ہمیشہ ڈرتے اور خوف زدہ ہوتے
رہنا چاہیئے۔ یہ نفسانی خوشی نہایت ہی ایذا پہنچانے اور جھلسانے والی
ہوتی ہے۔ اس خوشی سے ہمیشہ ہی تکلیف اور خوف پیدا ہوتا ہے۔"
(مجھما نکائے) ؛

"سب طرح کی نفسانی خوشیوں کی خواہش کو دبانا اور انہیں پیدا
نہ ہونے دینا ہی اُن کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا ہے" دللت کرتا ہے۔
مگر ہم انسانیت پرست بدھ دھرم کا یہ یک طرفہ اور غلط فہمی پیدا کرنے
والا عقیدہ منظور نہیں کر سکتے۔ ہم یہ یقین نہیں کرتے۔ کہ کسی طرح یہ ناممکن یا پسندیدہ
ہے۔ کہ ہم ہر طرح کی نفسانی خوشیوں سے پرہیز کرتے رہیں۔ یا انہیں بالکل ہی دبا
ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ جب بھوک لگتی ہے۔ تو کھانے میں مزا آتا ہے
جب پیاس لگتی ہے۔ تو پینے سے بھی لطف حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ سفر کرتے
کرتے طرح طرح کے نظاروں کو دیکھتے ہیں۔ یا ستاروں بھرے آسمان پر نظر
ڈالتے ہیں۔ یا باہر جنگل میں سیر کرتے ہوئے پرندوں کے چہچے سنتے ہیں۔ یا
انہیں ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدک پھدک کر جاتے ہوئے دیکھتے ہیں
تو آپ کو کیسا آنند ملتا ہے؟ یہ سبھی بالکل قدرتی، معصوم اور ہر طرح جائز خوشیاں
ہیں۔ جن سے اگر انسان بہرہ اندوز ہوتا رہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرح
اچھے اور پاکیزہ راگ اور دلفریب نظارے بھی کانوں اور آنکھوں کے ذریعہ آپ
کے دلوں کو خوش کرتے ہیں۔ لیکن بدھ دھرم اور جین دھرم ان نفسانی خوشیوں

کو پسند نہیں کرتے۔ وہ حواسات کے تعلّقات سے ضرورت سے بہت زیادہ احتراز کرتے ہیں۔ بلکہ قطعی انکار کر دینے کے بھی حق بیں ہیں ٭

لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ تمام نفسانی خواہشات لازمی طور پر خراب ہیں ۔ ہم " انتہا پسندی کی لغویت " سے ضرور پرہیز کرتے ہیں۔ حواسات کی تربیت اور رہنمائی کی ضرورت کو بھی مانتے ہیں۔ لیکن انہیں بالکل ہی دبا دینا یا کچل دینا کبھی پسند نہیں کرتے اور نہ اسے ممکن ہی خیال کرتے ہیں۔ انہیں بھی ان کا جائز سوراجیہ ملنا چاہیئے۔ لیکن انہیں آپکی شخصیت پر ہرگز بھی غالب نہ آنا چاہیئے۔ یہ بھی انسانی خصلت کے بنیادی عناصر ہیں ۔ ہم " انسانیت پرست " انسانی شخصیت کی نشو ونما کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اسے توڑنے مروڑنے کی کبھی نہیں۔ یہ آسان ہے کہ اپنی پُر ثروت انسانی خصلت کے کسی پہلو سے بھی لاپروائی یا نفرت کا سلوک روا رکھیں۔ یا کسی ایک پہلو کی عظمت و اہمیّت کو بہت زیادہ سمجھ لیں۔ جیسا کہ پہلوان پڑھنے لکھنے کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ یا علماء جسمانی ورزش کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ مگر اسے بھی ایک بدقسمتی ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ " انسانی دھرم " تو ہمیشہ اس پر اصرار کرتا ہے۔ کہ بقول رابرٹ برجز " انسان کی حقیقی دانائی تو یہ تھی۔ کہ اس کے تمام اوصاف میں متناسب یکسانیت پیدا ہوتی ۔ اس کی مختلف قابلیتوں میں ایک رشتہ اتحاد قائم رہتا ۔ اُسے خوبصورتی اور تندرستی کی پُر شان شان کے ساتھ ہی ساتھ وہ دماغی بزرگی حاصل ہوتی جو اس کے سب اعضا و عناصر کی مناسبت کو قائم رکھتی ہے۔ اور جس کی کمی اس کی سمجھ بوجھ کو خراب ، نامکمل اور قابل اعتراض بنا دیتی ہے " ٭

اس لئے ہمیں اپنے حواسات اور احساسات سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے۔ انسانیت کے محل میں کوئی جگہ بھی قابلِ حقارت نہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہیلن

دھرم کے اس اصول کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔ کہ "انتہائی کثرت کسی چیز میں بھی نہ ہونے پائے" لیکن جب تک ہماری قوتِ ارادی اور ضمیر ہمیشہ ہی نہایت چوکنے اور ہوشیار نہ رہیں۔ تب تک نفسانی لذتوں میں افراط و تفریط اکثر اور آسانی ہو ہی جاتی ہے۔ اسی لئے بودھ اور جینی گرو ح کو اس گندگی میں زیادہ پھنسنے سے روکتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ نفسانی خواہشات کیسی خوفناک اور تباہ کن ہو سکتی ہیں؟ یہی حواسات اکثر باغی چوکیدار دل کی طرح آتما کا خون کر ڈالتے ہیں۔ اور اخلاق کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں نہایت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کہ کہیں یہ خواہشات نفسانی ہی ہمیں اپنا غلام نہ بنا لیں:

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں عمر بھر خود ضبطی اور تربیتِ نفس کے اصولوں پر نہایت سختی کے ساتھ کار بند رہنا چاہیئے۔ اگر کھانے پینے کی چیزیں بھی حدِ اعتدال سے زیادہ کھائی پی جائیں۔ تو یہی سانپ کے زہر سے بڑھ کر نقصان دہ ہو کر موت کا باعث بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اکثر خوشحال و فارغ البال اصحاب ضرورت سے زیادہ کھا پی جاتے ہیں۔ گوناگوں امراض کا شکار بنے رہتے ہیں۔ "انسانی دھرم" یہ سکھلاتا ہے۔ کہ "دعوت اڑانے کی نسبت صرف بھوک مارنے کے لئے کافی خوراک کھانا ہمیشہ بہتر ہے اگرچہ کبھی کبھی خاص موقعوں پر دعوت اڑانے میں بھی چنداں مضائقہ نہیں لیکن ہر روز ہی ایسا نہ ہونا چاہیئے" اس لئے یہ سب پیٹوؤں اور ذائقہ کے غلاموں کو ہمیشہ محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہوا یہ بتلاتا رہتا ہے۔ کہ "تم نادانستہ طور پر خودکشی کے مرتکب ہو رہے ہو" ہم بار بار بہت زیادہ اور نہایت بیش بہا خوراک کھانے کے بھی خلاف ہیں۔ افیون، بھنگ، شراب اور دیگر نشہ آور نیز جوش افزا و

جذبات افروز اشیاء کے استعمال سے پرہیز بھی نہایت ضروری خیال کرتے ہیں - اور

"کم کھاؤ، خوش رہو اور زیادہ عرصہ تک جیو"

کے اصول پر عمل کرتے ہیں - سادہ خوراک کھا کر روپیہ بچاتے ہیں - اور باورچی خانوں میں بہت کام نہ کر کے زیادہ تر کتب خانوں میں ہی اپنا وقت گذارتے ہیں - ہم اپنے معدے پر بہت بوجھ نہ لاد کر دماغ کو صاف اور روشن رکھتے ہیں - اور مادی زمین پر رہتے ہوئے بھی مسیح، سقراط، بدھ وغیرہ مہاتماؤں کی مانند رُوحانی آسمان کے ستارے چھوتے رہتے ہیں - جو ہمیشہ کافی مقدار میں ہی کھاتے پیتے ہوئے افراط سے بھوت کی طرح بچتے رہے ہیں ؂

لذت زبان ہمارے جسم میں غضب کی ظالم ہے - جنسی خواہش و کام باسنا بھی کچھ کم ظالم و غدار ثابت نہیں ہوتی - بشرطیکہ انہیں نہایت سختی کے ساتھ ضمیر کے قابو میں نہ رکھا جائے - عیسائیت اور بدھ دھرم نے ہمیں یہ تعلیم دے کر تہذیب کو ایک بہت ہی بلند درجہ پر پہنچا دیا ہے - کہ جنسی پاکیزگی اور عصمت نہایت گراں بہا موتی ہیں جسکی آب و تاب کو ہمیں کبھی کم نہ ہونے دینا چاہیئے - جنسی آدرش (معراج تخیل) ایک ایسا لطیف، لیکن اُڑ جانے والا جوہر ہے - جس کی خوشبو آپ کے تمام جسم کو ایسا معطر رکھ سکتی ہے - کہ جو شخص بھی اُسے چھونے کا فخر حاصل کرے - اُسے ہی مسرت اور تازگی حاصل ہو ؂

جنسی مسرت ایک اعلیٰ آب حیات ہے - بشرطیکہ نہایت ہی کم مقدار میں اور بہت طول طویل عرصے کے بعد استعمال ہو - لیکن اگر اُسے زیادہ مقدار میں جلد جلد استعمال کیا جائیگا - تو یہی زہر ہلاہل بھی ثابت ہوگا - جنسی لذت کو نمک کیساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے - جسے جتنا بھی کم کھایا جائے، اتنا ہی اچھا ہے - اور چند ایک

تخیل پرست اگر بالکل نہ کھائیں۔ تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ جنسی زندگی میں خود ضبطی (بالکل ہی احتراز کے بغیر) عمر بڑھاتی ہے۔ جسمانی صحت و طاقت کو ٹھیک رکھتی ہے۔ دماغی سرگرمیوں کو تیز، قوت ارادی کو مضبوط اور خیالات کی بلند پروازی کے عمل سے قوتِ ساخت و طاقت تعمیر کو زیادہ مضبوط کرتی ہے۔ اس لئے "انسانی دھرم جنسی خواہش کی بے روک ٹوک اور بداعتدالانہ سیری کو قابل مذمت سمجھتا ہے لیکن جائز و مناسب تکمیل کو ہر طرح قابل تعریف"۔

موسیقی۔ ڈرامہ۔ مصوری۔ سنگ تراشی۔ قدرتی مناظر۔ انسانی خوبصورتی پھولوں کے نظارے اور بہت سے ایسے ہی دیگر ذرائع سے جو بلند پایہ۔ اور لطیف ترین مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اُن سے بھی انسان کو محروم نہ رہنا چاہئے۔ اور اپنی گنجائش کے مطابق مناسب طور پر کام لے سکتا ہے ضرور لطف اندوز ہوتے رہنا چاہیے۔ لیکن ایسی ہوس پرستی کے ساتھ کبھی نہیں۔ کہ اپنے خرائض انسانی اور کارہائے منصبی کو بھی اُن پر قربان کر دیا جائے۔ انہیں تو صرف مزید ارچٹنی ہی سمجھنا چاہیے۔ اصل خوراک تو انسان کا فرض اور کام ہے۔ اسی لئے کہا ہے۔ کہ "پہلے کام اور پیچھے عیش و آرام"۔

بدھ دھرم اور غصہ و انتقام پسندی

بُدھ دھرم نے غصے اور انتقام پسندی کی خرابیوں پر بہت زور دیا ہے دیگر مذاہب کی مانند یہ بھی دوسروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بڑے صبر و تحمل اور برداشت اور رواداری کی تلقین کرتا ہے۔ بدھ دھرم کا قول ہے :

"اگر ڈاکو یکے بعد دیگرے تمہارے اعضاء کو آرے سے بھی کاٹتے ہوں اور تم اُن پر غیض و غضب کا اظہار کرو تب بھی تم میری تعلیم کے پیرو نہ رہو گے۔ اس وقت بھی تمہارا فرض ہے۔ کہ اپنے دل کو شانت

رکھو، اور اپنی زبان سے کوئی برا لفظ نہ نکلنے دو۔ بلکہ ہمیشہ رحم و خیر اندیشی کے خیالات قائم رکھو اور اپنے دل میں نفرت کبھی نہ آنے دو۔ اس ڈاکو کے لئے بھی محبت کے پرنور خیالات ہی اپنے دل میں لاؤ۔ ایسے خیالات جو بڑے اعلیٰ ہوں۔ وسیع ہوں۔ لامحدود ہوں۔ اور جن میں کسی نفرت یا نقصان رسانی کی کوئی جھلک بھی نہ ہو . . . "

اس لئے اے بھکشو! اگر کوئی شخص تیرے منہ پر تجھے گالی دے۔ پتھر مکا یا مٹی کا ڈھیلا مارے۔ کسی لکڑی سے پیٹے یا تلوار سے تجھ پر حملہ کرے۔ تو تجھے اپنے آپ کو ایسی تربیت دینا چاہئے۔ کہ تب بھی تو یہی کہتا رہے۔ کہ میرا دل غیر متزلزل رہے۔ کوئی خراب لفظ میری زبان سے نہ نکلے۔ میں اپنے دیا بھاؤ کو قائم رکھوں۔ میرے دل میں مروت و مہربانی رہے۔ اور انتقام کا خیال تک بھی کبھی میرے پاس نہ پھٹکنے پائے . . . . . . "

اُس نے مجھے مارا، گالیاں دیں۔ شکست دی۔ لُوٹ لیا۔ جو بھی اپنے دل میں ان خیالات کو جگہ دیتا ہے۔ اس کے دل سے نفرت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو لوگ اِن خیالات کو اپنے دلوں میں جگہ نہیں دیتے۔ اُن کے دلوں میں نفرت ٹھیر نہیں سکتی۔ کیونکہ نفرت کبھی نفرت سے دور نہیں ہوتی۔ ہمیشہ محبت سے ہی دور ہوتی ہے۔ یہی ایک پرانا قانون ہے"

"وہ شخص جو ایک چلتی ہوئی گاڑی کی مانند اپنے بھڑکتے ہوئے غصہ کو روکتا ہے۔ اُسے ہی میں دراصل سچا رتھ اور من روپی گھوڑے کا رتھوان سمجھتا ہوں۔ ورنہ اور تو صرف باگ ڈور ہی سنبھالنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے غصے کو محبت سے جیتو، برائی کو نیکی سے فتح کرو!!!

جسمانی غیض سے ہوشیار رہو یا زبان کے غضب سے خبردار رہو اور
دماغ کے غصے سے بھی محتاط رہو!!

اُسی وقت ہم درحقیقت خوش اور مسرور رہتے ہیں۔ جبکہ انہیں بھی
نفرت نہ کریں۔ جو ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ اور جبکہ اپنے سے نفرت
کرنے والوں میں بھی ہم آزادی سے زندگی بسر کر سکتے ہوں۔ فتح مندی
سے ہمیشہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ مفتوح ہمیشہ ناخوش رہتا ہے
خوش صرف وہی ہوتا ہے۔ جو ہار جیت کے خیال سے بالاتر ہے" (دھمپد)
"غصے کی آگ بھڑکتے ہی دماغ کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں"۔ "جس طرح
لکڑیوں کی باہمی رگڑ سے آگ پیدا ہو کر انہیں لکڑیوں کو جلد بھسم کر دیتی
ہے۔ اسی طرح دماغ میں میرے خیالات کی رگڑ سے غصے کی جو آگ پیدا
ہوتی ہے۔ وہ بھی انسان کو جلد تباہ کر دیتی ہے" (آریہ پاسُر)

بودھ علم ادب میں بھکشو پُن۔ راجکمار کنال۔ راجہ وِکھایو۔ آریہ پاسُر اور
بہت سے دیگر بُدھ مشاہیر کی جو نقائیں پائی جاتی ہیں۔ وہ ہمیں صبر و استقلال
کے نہایت شاندار سبق سکھلاتی ہیں۔ عیسائی عالم بشپ آر۔ ایس کوپل سٹون
صاحب فرماتے ہیں "حلیم مزاجی شاید بودھ مصنفوں کا سب سے زیادہ دل
پسند مضمون تھا۔ مکالمات۔ سوانح عمریوں۔ جنوں اور پریوں کی کہانیوں۔
غرضیکہ سبھی قسم کی تحریرات و تصنیفات میں اس وصف پر زور دیا گیا ہے"۔
(BUDHISM PRIMITIVE AND PRESENT .....

(بدھ دھرم قدیم اور موجودہ)

"انسانی دھرم" بھی آپ کو غصے کے پاپ سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔
غصہ تمام حماقتوں میں سب سے بڑی حماقت ہے۔ کیونکہ غصہ ور انسان جان

بوجھ کر اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ وہ آپ ہی اپنا دشمن ہوتا ہے۔ غصّے سے جتنا غصّہ کرنے والے کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ اتنا فریق ثانی کا یعنی جس پر غصّہ کیا جائے۔ نہیں غصّہ ایک بہت بڑی دماغی غلطی ہے۔ جو خون کو زہریلا کر دیتی ہے۔ اور دل پر بوجھ ڈالتی ہے۔ یہ ایک منطقی غلطی بھی ہے۔ کیونکہ غصّہ ور شخص اپنے افعال کا پورا پورا ذمہ وار بھی نہیں ہوتا۔ وہ وہی کچھ ہے۔ جو کہ اس کے بزرگوں، والدین، استادوں، افسروں اور دوسرے لوگوں نے اسے بنا دیا ہے۔ پھر اس غریب پر بد زبانی اور ظلم کے زہریلے تیروں کی بوچھاڑ کیوں؟ غصّہ کبھی بھی کسی خرابی کا علاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ تو ہر خرابی کو اور بڑھاتا اور پیچیدہ تر بناتا ہے۔ مجلسی طور پر یہ ایسا ہی تباہ کن ہے۔ جیسا کہ ایک آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا۔ اس لئے کبھی اپنے منہ سے پُرغضب الفاظ کی صورت میں لاوا (آتش سیال) اور دھواں خارج نہ کرو۔ جو ہر طرف تباہی و بربادی پھیلانے کا موجب ہوتے ہیں۔

غصّہ ایک نہایت زبردست نشہ ہے۔ اس کے زیر اثر انسان ایسے کام کر بیٹھتا ہے اور ایسے الفاظ کہہ گذرتا ہے۔ جن کے لئے وہ عمر بھر پچھتاتا ہے۔ لیکن اُن کی تلافی نہیں کر سکتا۔ غصّہ کی حالت میں آپ وہ نہیں رہتے۔ جو کہ آپ درحقیقت ہیں آپ کی تمام شرافت اور بھلمنساہٹ ماری جاتی ہے۔ اور کوئی نیچ شخصیت بھوت کی مانند سر پر سوار ہو کر اُوپر اُبھر آتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کہ طوفان کی حالت میں لہروں کے ٹکرانے سے جھاگ پانی پر نمودار ہو جاتا ہے۔ بدمزاجی انسان کو کسی بھی مجلسی تعلق کے قابل نہیں چھوڑتی۔ وہ نہ دوستی کے قابل رہتا ہے نہ شادی کے۔ نہ سیاسی یا مجلسی رہنما بننے کے اور نہ والدین کے فرائض کو سرانجام دینے کے ۔۔۔ وہ زندگی کے کسی بھی طبقے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک انسانی سینہ دار ایک جانور جس کی پیٹھ پر کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ غصّے سے پھنکاری مارتا

ہے۔ توڈہ کاٹنے تیروں کی مانند ازکر اُن جانداروں کے جا چُبھتے ہیں۔ جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں۔ اور پھر اُن کا زخم بڑی مشکل سے بھرتا ہے) کی مانند ہو جاتا ہے۔ جس سے سبھی خوف کھاتے ہیں۔ اور کوئی بھی اس کے پاس پھٹکنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ کسی گالی یا توہین کے انتقام کے طور پر کسی پر غصہ کرتے ہیں۔ تو آپ اُس بیوقوف کی مانند بن جاتے ہیں۔ جس نے گدھے سے لات کھا کر اُسے ٹھوکر مارنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں خود ہی ایک گڑھے میں گر کر اپنی ٹانگ بھی توڑ لی۔ غصہ درحقیقت ایک دیوانہ پن اور جنون ہے۔ اس لئے سب کو اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے ؛

۶۔ بدھ دھرم اور دان

بدھ دھرم میں دان (خیرات) اور سب جانداروں کے ساتھ ہمدردی اور پریم کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ یہ کرونا (رحم) کو اخلاقیات میں سب سے بڑا وصف خیال کرتا ہے۔ "مہایان" فرقے میں اسے خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اور یہ تاکید کی گئی ہے۔ کہ دوسروں کی خدمت میں اپنا دھن، دولت، وقت۔ جسمانی اعضا بلکہ جان تک بھی قربان کر دو۔ کہیں کہیں تو انسان ہی نہیں بلکہ حیوانات کی بہتری کے لئے بھی اس کی تلقین ہے۔ بودھ ہمیشہ سے ہی نہایت مخیر اور دانی ہوتے چلے آئے ہیں۔ فیلڈنگ ہال برمی لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ "کہ وہ پردیسیوں کے ساتھ نہایت مہمان نوازی سے پیش آتے ہیں۔ اور اپنے قول۔ فعل و خیالات میں نہایت مہربان۔ فیاض اور خیرات پسند ہوتے ہیں"

(دیکھو THE SOUL OF PEOPLE) ؛

بودھوں نے جگہ جگہ ہسپتال، دواخانے، دھرم شالائیں۔ سکول، یونیورسٹیاں، آشرم اور دوسری سنستھائیں جاری کر رکھی ہیں۔ وہ انسانوں کی ہی

نہیں بلکہ جانوروں کی بھی بھلائی چاہتے ہیں ؎
کلکتے کے لارڈ بشپ کوپل سٹون فرماتے ہیں کہ " ہسپتال جاری کرنے کا فخر بلاشک و شبہ سب سے پہلے بدھ دھرم کو ہی حاصل ہوا ہے اور کوئی شخص بھی یہہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ صرف انجیل کے پرانے یا نئے عہد نامے میں ہی بے غرضانہ مہربانی اور محبت کے قانون کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے " ایسی ایسی بے شمار تحریرات جیسی کہ درج ذیل ہیں اس پہلو میں انکی ہمیشہ رہنمائی کرتی رہی ہیں :-

" میں عہد کرتا ہوں۔ کہ میں اپنے دل میں محبت کو لامحدود بنا کر باقاعدہ طریقہ پر تربیت دوں گا۔ اور اُسے ایسے ہی حسب ضابطہ نشو ونما حاصل کرنے دونگا۔ جیسے کہ بھگوان بدھ نے مجھے اُپدیش کیا ہے۔ میں سب کا دوست اور سب کا ساتھی رہونگا۔ ہر ایک جاندار سے مہربانی اور رحم سے پیش آؤنگا۔ میں ایک دوستی بھرے دل کو اپنے پہلو میں نشو ونما دوں گا۔ اور سب کی خیر اندیشی ہی میرے لئے خوشی کا باعث ہو گی ...... "
(بھکشو ریوت کا گیت) ؎

" پانی، آگ اور ہوا نے دُنیا کے خاتمہ پر اس زمین کو معہ اس کے جنگلوں پربتوں اور سُمندروں کے سینکڑوں مرتبہ تباہ و برباد کر دیا۔ لیکن پھر بھی " بودھی ستو " مہاتماؤں کے دل کا شاندار پریم سب کے لئے جیوں کا تیوں برقرار ہے! ...... " ایک " بودھی ستو " مہاتما سب جانداروں سے اپنے، اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھی بہت زیادہ پریم کرتا ہے۔ اور اپنے بچوں کو کبھی دوسروں کے بچوں سے زیادہ پریم نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے دل میں سب کے لئے یکساں پریم ہے " (داسنگ) ؎

۷۔ بدھ دھرم اور اعتدال پسندی

ارسطو کی مانند بھگوان بدھ نے بھی اعتدال پسندی کی ہی تلقین کی ہے۔ اور لوگوں مندرجہ ذیل "آٹھ نیکیوں" کی تعلیم دی ہے۔ انسانوں کے لئے اس کا سب سے بڑا پیغام ہے:۔

(۱) نیک خیالات۔ (۲) نیک خواہشات۔ (۳) نیک اقوال۔ (۴) نیک افعال۔ (۵) نیک ذرائع روزگار۔ (۶) نیک سرگرمیاں۔ (۷) نیک توجہ (۸) نیک دھیان (تصور = CONTEMPLATION)٭

اگر ان میں سے آخری نیکی سے مجذوبانہ بڑبڑاہٹ کا ہی مطلب نہیں بلکہ نیک خیالات میں استغراق (MEDITATION) سے مراد ہے۔ تب تو پھر ان "انسانی دھرم" کو اخلاقی ذاتی تربیت (MORAL SELF OF CULTURE) کی اس سکیم پر کچھ بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیں اسے ہر طرح پایہ تکمیل کو پہنچانا اور نشوونما دینا چاہیئے۔ کیونکہ ہماری نیک یوس اخلاقی عمارت کی صرف یہ آٹھ منزلیں ہی نہیں۔ بلکہ لاتعداد منزلیں ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں "صحیح زندگی بسر کرنے" کے متعلق بھگوان بدھ کی اس تعلیم پر ضرور توجہ دینی چاہیئے۔ اگر آپ کا روزگار ہی اخلاقی طور پر غلط ہے۔ تو آپ کی تمام زندگی بھی غلط طور پر بسر ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ آپ دن میں بہت سے گھنٹے اپنے روزگار کے فکر میں ہی تو بسر کرتے ہیں۔ لازمی طور پر آپ کو اپنی جسمانی، دماغی طاقت کا ایک بہت بڑا حصہ اپنے روزگار کی ہی نذر کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اگر آپ کی روزانہ روٹی نیکی اور دیانتداری سے ملک وقوم کی کوئی مفید خدمت ادا کرتے ہوئے حاصل نہیں ہوتی۔ تو وہ بلاشک وشبہ پاپ کی روٹی ہے۔ یعنی اگر آپ جوا، گھوڑ دوڑ وغیرہ جیسے بازیوں کے ٹکٹ فروش، شراب فروش، مذہبی طلسمات کے پرچارک۔ بردہ فروش، جانوروں کی چیرپھاڑ کا کام کرنے والے جلاد، سود خوار

ڈاکو۔ قرضداروں سے روپیہ وصول کرنے والے۔ جیلخانے کے سپاہی۔ ویکسین تیار کرنے والے۔ پیشہ ور عورتوں کے دلال۔ سرکاری جاسوس۔ فوجی سپاہی۔ فوجی افسر۔ فوجی ہواباز بازاری حکیم۔ چنڈو خانے کے مالک۔ اسلحہ۔ گولہ بارود۔ زہریلی گیسوں کے بنانے والے یا تجارتی بدمعاشیوں۔ ہیرپھیروں۔ دھوکہ، فریب وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ دولت کمانے والے ہیں۔ تو آپ کا پیشہ ایک جرم ہے۔ ایک مصیبت ہے۔ خواہ آپ اسے محسوس بھی کرتے ہوں۔ "انسانی دھرم" بھگوان بدھ کے اس شاندار اُپدیش کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے اسی لئے جو شخص بھی ہمارے "انسانی دھرم" سے تعلق رکھنے والی کسی جماعت کی ممبری کے لئے درخواست کرے۔ اس سے یہ سوال ضرور کیا جانا چاہیئے۔ کہ "تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟ کیا تم اس پہلو میں بالکل مطمئن ہو؟"

نیک توجہ (RIGHT MINDFULNESS) بھی ایک بیش قیمت صفت ہے۔ بدھ مصنفوں نے اس کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اور وہ ہمیں ہماری اخلاقی زندگی کے ڈھیلے پن اور اس کی طرف سے لاپرواہی کی طرف بار بار توجہ دلاتے ہیں۔ بدھ شاعر اشوگھوش کا فرمان ہے:-

"آپ کو اپنے ہر ایک کام مثلاً چلنے پھرنے، ادھر ادھر دیکھنے، بولنے وغیرہ وغیرہ کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے۔ جو شخص بھی توجہ کی حفاظتی راہ سے محروم رہتا ہے۔ وہی گناہوں کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس دنیا میں کوئی دیوانہ ہاتھی اتنی تباہی نہیں مچاتا جتنا کہ ایک بے قابو ہوا دماغ۔ اس لئے اپنے اس دماغ روپی ہاتھی کو نیک توجہ کی زنجیروں سے ہمیشہ جکڑے رکھو"

بدھ مصنفوں نے "نیک اقوال" کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے جھوٹ، سخت کلامی، بدگوئی، اور فضول گپ شپ کی بہت مذمت کی ہے۔ ہم پیروان "انسانی دھرم" بھی انہیں بہت برا سمجھتے ہیں اور بولنے کے متعلق اپنے اخلاقی

قانون کو مزید نشوونما دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ لوگوں کو تلقین کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان برائی بھلائی کا ایک نہایت زبردست آلہ ہے۔ اسی سے انسان کے چال چلن کا راز افشا ہوتا ہے۔ اور اس پر ایک ایسی مہر ثبت ہوتی ہے۔ جو اور کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اپنے اندر تمام اندرونی پاکیزگیوں کو نشوونما دیتے رہو۔ اور آپ کی زبان خود ہی ان کی تشہیر یعنی۔ شرافت۔ حلم، صداقت اور سرگرمیوں کا اظہار کرتی رہیگی۔

شروع شروع میں بدھ دھرم پاکیزگی، اخلاق کا ایک نہایت زبردست پرچارک تھا۔ اور اس میں علم الٰہی (THEOLOGY) نیز روحانیت (METAPHYSICS) کا عنصر بہت کم تھا۔ اخلاق ہی اس کا مرکز و محیط سب کچھ تھا۔ بقول پروفیسر کے جے ساؤنڈرس صاحب " بدھ دھرم کی اعتدال پسندی ایک نہایت ہی صاف اور قابل تعریف طور پر باقاعدہ اخلاقی سکیم ہے۔ جس نے بلاشک وشبہ ان قوموں کو دنیا میں نہایت سربلند کر دیا ہے۔ جنہوں نے کہ اس پر عمل کیا ہے۔ (BUDHISM AND BUDHISTS IN SOUTHREN ASIA)

پروفیسر ایل۔ ڈی لاویلی لکھتے ہیں:۔ " قدیم بدھ دھرم ایک طرح کا رشنازم (معقول پسند مذہب) ہے۔ لیکن کسی قدر مشروط یعنی ہندو سناتنی معقول پسندی کا رنگ لئے ہوئے .... دعا اور ایشور پرجا کبھی بھی اس کے ضروری عناصر میں شامل نہیں ہوئے" (THE WAY TO NIRVANA)

مسٹر ایچ۔ جی ویلز نے ٹھیک لکھا ہے۔ کہ " ابتدائی بدھ دھرم ایک اخلاقی دھرم تھا۔ مذہبی رسومات اور قربانیوں کا دھرم نہیں۔ اس میں پجاریوں اور علم الٰہی کی کوئی جگہ نہ تھی۔ چند پشتوں تک کم از کم اس نے اپنی اس اخلاقی خوب صورتی اور سادگی کو برقرار رکھا۔ جو اس کے ابتدائی دور کی خصوصیت

تھی۔ (THE OULINE OF HISTORY) ؛

بُدھ بھگوان نے خود بھی سوبھد کو اُپدیش دیتے ہوئے متذکرہ بالا آٹھ منزلوں والے اس رستے کو ہی اپنے دھرم کی تمام تعلیم کا لبِ لباب بیان کیا ہے اور سب بودھ آج کل بھی مندرجہ ذیل فقرے کو اپنے عقیدے کے خلاصے کے طور پر دوہراتے ہیں :-

"سب خرابیوں سے نفرت کرو۔ نیکی کرو! اپنے اندرونی خیالات کو پاک رکھو! یہی بُدھ بھگوان کی تعلیم ہے"۔

دیکھئے! اس میں کسی بھی خدا بہشت یا دوزخ کا کہیں ذکر نہیں ؛

۸۔ بدھ دھرم اور ذاتی اخلاقی تربیت

(MORAL SELF CULTURE)

اس طرح بدھ دھرم ابتداً اور زیادہ تر "ذاتی اخلاقی تربیت" کا علمبردار رہا۔ یہ ہمیں لفظی روحانیت کی جگہ جو بدھ سے بھی ہوتا رہا کرتا ہے۔ بھگوان بدھ اور کومٹ دونوں ہی اس بارے میں ہمراہ ہیں۔ بدھ کا قول ہے۔ "میں نے یہ بیان نہیں کیا۔ کہ دُنیا فانی ہے یا لافانی، محدود ہے یا لامحدود! نیز جسم اور روح ایک ہی ہیں یا مختلف! اور سادھو مہاتما مرنے کے بعد بھی رہتے ہیں یا نہیں رہتے! میں نے ان باتوں کا کیوں کچھ ذکر نہیں کیا؟ اس لئے کہ میں انہیں فضول و بے سُود سمجھتا ہوں۔ بعینہ مذہبی ضروریات سے ان کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ "برہم جال سُتّ" یعنی ایک مکمل جال کے متعلق رسالے میں آپ نے "باسٹھ قیاسی مسائل" کا ذکر کیا ہے۔ جو روح اور دُنیا کی پیدائش اور ان کے مستقبل کے متعلق جہاں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کو غیر متعلق اور فضول ظاہر کر کے ان کی مذمت کی ہے۔ (مجھما نکایہ) ؛

انسان دھرم بھی اس قدیم و جدید دانش مندی کو مکمل طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اور دنیا کے آغاز و انجام، ارواح کے ماضی و مستقبل یا جیو و پرکرتی کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے قیاسی دماغی طور پر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہنے کو حد درجے کی حماقت آمیز اور خودکشی انگیز پالیسی خیال کرتا ہے۔ اس لئے دوستو! ان تمام جھگڑوں کو خیر باد کہہ کر اس دنیا اور اس زندگی میں "اپنے باغ حیات" میں خوشی اور مسرت کے پھل پھول اگاتے اور انہیں جمع کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ یہی ہم سب کے لئے بہت کافی ہے

۹۔ بدّھ دھرم اور رواداری

بدھ دھرم میں دوسرے مذاہب و عقائد کے لئے کامل رواداری و برداشت کا سبق دیتا ہے۔ دنیا بھر کے مذاہب میں صرف یہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس نے اپنے رقیب مذاہب کے پیروؤں کو کافر قرار دے کر جلا دینے اور طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ بھی پرچار کے لئے ہر درجہ کی سرگرمی سے پُر ہے۔ لیکن پھر بھی انسان کا خون بہانے کا ہرگز روادار نہیں۔ یہ جتنا سرگرم ہے۔ اتنا ہی حلیم المزاج ہے۔ اپنے مذہبی پرچار بنز تبدیل مذاہب کی سرگرمی میں اتنا بہت کے مشتر گذشتہ کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اس کے ناستک بن لینے ہی رواداری کی سپرٹ کو اس کیلئے بہت آسان بنا دیا ہے۔ کیونکہ خدا پرستی تو منطقی طور پر سخت تعصّب و تنگ دلی پیدا کرنے کا باعث ہو جاتی ہے

بدّھ دھرم نے اپنے حلقے میں بھی اختلاف رائے کو بہت برداشت کیا ہے۔ اکثر "ہین یان" اور "مہایان" سمپردایوں کے بھکشو ایک ہی جگہ تعلیم پاتے رہے ہیں۔ پروفیسر جے ایسٹن کارپنٹر فرماتے ہیں۔ کہ گوتم بدھ نے اپنے پیروؤں میں خیر اندیشی کی جو سپرٹ پھونکی ہے۔ اس نے قدرتاً ان میں نہایت وسیع خیالی اور رواداری پیدا کر دی ہے۔ چونکہ بدھ دھرم نے نوع انسان کو بچانے"

با " بگاڑنے " کے متعلق اپنے لئے کسی خاص طاقت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے اِن لوگوں کا بھی اسے پورا پورا خیال رہا ہے۔ جو اس کے دائرہ اثر سے باہر رہے ہیں اس نے صرف اختلاف رائے کی بُنیاد پر کسی کو خارج از برادری کئے جانے کی اجازت نہیں دی مختلف عقائد پہلو بہ پہلو بغیر کسی کشمکش یا مخالفت کے پھیلتے رہے۔ بُدھ دھرم کے پیرووں میں استفسار اور بحث و تمحیص کا بریم کبھی بھی نہیں دبایا جا سکا۔ بڑھاپے اور علمیت کو ہمیشہ عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا گیا۔ اور کبھی کسی عقیدے کو کسی پر زبردستی ٹھونسنے کا کسی کو اختیار نہیں دیا گیا۔ اور نہ اس کی تعریف ہی کی گئی۔ اور یہ صحیح طور پر کہا گیا ہے۔ کہ تواریخ عالم میں جتنے بھی مذاہب کا ذکر ہے۔ ان سب میں سے بدھ دھرم میں سب سے زیادہ آزادی خیالات اور اسی لئے اندرونی اختلافات پائے جاتے ہیں " (بدھ دھرم اور عیسائیت)۔ غرضیکہ یہ ایک نہایت اچھا سرٹیفکیٹ ہے۔ جو کوئی مذہب کسی غیر مذہب کے پیرو سے حاصل کر سکتا ہے :۔

بدھ بھگوان نے خود بھی دیگر مذاہب کے بزرگوں کا نہایت ادب کے ساتھ ذکر کرنے کی نظیر پیش کی ہے۔ اسی لئے آپ کے پیرو بھی کمال فیاضی سے ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ نے پیغمبر ہو کر بھی شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہیں کھویا۔ جب جین دھرم کے عالم سنت ہنت کا ایک مالدار شاگرد بدھ دھرم میں داخل ہو گیا۔ تو بدھ بھگوان نے فرمایا۔ کہ سنت ہنت کے پرچارکوں کی امداد سے بھی دست کش نہ ہو جانا اور اُن کی بھی ویسے ہی سیوا کرتے رہنا جیسی کہ اب تک کرتے رہے ہو! ہم پیروانِ " انسانی دھرم " بھی بھگوان بُدھ کی اس تعلیم کے سامنے سر جُھکاتے ہیں :۔

۱۰۔ بُدھ اور برہمچریہ

بُدھ دھرم یہ بھی سکھلاتا ہے۔ کہ ہر نسل میں چند آدرش وادیوں (تخیّل

پرستوں) کو اپنی جنسی و پدری اور مادری خواہشات کو دبا کر سیدھے برہمچاری گوروؤں
کے طور پر اپنی زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ اُنہیں لوبھ اور لالچ پر فتح حاصل کر کے ہمیشہ
سیدھی سادی خوراک، پوشاک اور قیام گاہوں پر مطمئن رہنا چاہیئے۔ اور دنیا کے
اقتصادی جھگڑوں سے بالاتر رہ کر عوام پر یہ روشن کر دینا چاہیئے۔ کہ دنیاوی مسرتیں
اتنی ضروری نہیں جتنی کہ لوگ اُنہیں سمجھتے ہیں۔ یہ زرد پوش پرچارک اور گورو بھکشو کہلاتے
ہیں۔ کیونکہ وہ بھکشا یعنی خیرات پر ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ روپیہ پیسہ کسی سے
نہیں لیتے۔ وہ دن میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتے ہیں۔ اور سخت ریاضت کی
زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہر وقت مطالعہ۔ دھیان، پرچار، پڑھنے پڑھانے یا اور
مفید خلائق کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک ایسی اخلاقی سطح
سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے سبب اپنے گذارے کے لئے بھی کسی مالی معاوضے
کا کسی سے مطالبہ نہیں کرتے۔ سماج خود ہی رضاکارانہ طور پر اُنہیں کھلاتی
پلاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ مال و دولت اور بیوی بچوں کے بغیر زندگی بسر کر سکتے ہیں

"انسانی دھرم" کے بعض پیرو "درویشانہ زندگی" کی مذمت کرتے ہوئے
اُسے ایک سماجی ناسور ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان سادھو مہاتماؤں کو کاہلی۔ دوسروں
کی کمائی پر پلنے، بد اخلاقی، نسلی خودکشی وغیرہ وغیرہ کا مجرم ٹھیراتے ہیں۔ اس میں شک
نہیں۔ کہ ایک برا سادھو ایک برے گرہستی سے بدرجہا زیادہ برا ہے۔ ہمیں اس
سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے۔ کہ وہ پھر ایک شریف گرہستی بن جائے۔ جیسا کہ اکثر بودھ
اور جینی سادھو کرتے ہیں۔ کیونکہ سبھی مرد و عورت اپنی جنسی خواہشات پر فتح نہیں
پا سکتے۔ شاید ہزار بلکہ پانچ دس ہزار میں کوئی ایک شخص اس کوشش میں کامیاب ہو
سکتا ہے۔ لیکن بدھ دھرم، جین دھرم اور عیسائیت کی تاریخ نے یہ ثابت کر
دکھایا ہے۔ کہ ایسے چند آدرش وادی ہر نسل میں ہی پیدا ہو سکتے ہیں (اگرچہ بنائے

نہیں جا سکتے) وہ معمولی شادی شدہ انسانوں سے نہ تو بہت اچھے ہی ہوتے ہیں۔ نہ اُن کی نسبت بہت خراب ہی۔ اگرچہ اُن سے مختلف ضرور ہوتے ہیں اور شاید اُن کے بغیر دُنیا کا گذارہ بھی نہیں چل سکتا۔ اسی لئے یہ سب دھرم انسانوں سے اس کا مطالبہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ یہ تحقیقات کرتے ہیں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے علم مجلسی (سوشیالوجی) میں اسے بھی حقیقی سچائی کے طور پر منظور کرنا چاہیئے۔

انسانی دھرم کو اپنے نوجوانوں کی اخلاقی طاقت کے اس دائمی ذخیرے سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ایک شادی شدہ گورو پرچارک کے طور پر ایسی سہولیت سے سفر نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ ایک برہمچاری اور نہ وہ اپنے کام میں ایسی لگن کے ساتھ ہی لگ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے بال بچے بھی اس کی آدھی توجہ اور آدھے دل کے دعوے دار رہتے ہیں۔ لیکن ایک برہمچاری پرچارک ہائیڈروجن سے بھرے ہوئے ایک غبارے کی مانند نہایت تیزی کے ساتھ اُوپر اُٹھ سکتا ہے۔ اور بہت دُور جا سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک شادی شُدہ مشنری بالکل ایک ایسا غبارہ ثابت ہوتا ہے۔ جو گرم ہوا سے پُر ہو۔ در حقیقت کوئی بھی پرچارک دھرم (چرچ) صحیح معنوں میں اس وقت تک پرچارک دھرم نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ اس میں ایسے سرگرم اور بے غرض پرچارکوں کی کوئی چھوٹی سی جماعت موجود نہ ہو۔ جو کہ اعلیٰ دانش مندی کی جیتی جاگتی نشانی سمجھی جا سکے۔ اگر وہ عنقا صفت ہیں۔ تو اس چرچ میں روحانیت کی بھی کمی سمجھو۔ اگر اخلاقی نقطہ خیال سے ایک پرچارک بھی اسی سطح پر ہے۔ جہاں کہ دیگر عوام ہیں۔ تو پھر اُپدیش کرنے کا اُسے حق ہی کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ اُس کے الفاظ میں جان ہی نہ ہو گی۔ جیسا کہ اکثر شادی شدہ اور پُر آسائش

زندگی بسر کرنے والے پادریوں کے جو اپنے دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھنا چاہتے ہیں۔ وعظ رُوکھے پھیکے اور بےرس پھسپھسے ہوتے ہیں۔ اسی لئے کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دُوں　　این خیال است و محال است و جنوں

ایک سچا سادھو کبھی کاہل نہیں رہ سکتا۔ وہ مجلسی خدمات کے ذریعہ اپنی روزی کماتا ہے۔ جو اس کی روزانہ ضروریات سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ دُوسروں کے لئے اپنے آپ کو خانہ داری کی زندگی سے محروم کر دیتا ہے، لاکھوں کروڑوں آدمی اولاد پیدا کر رہے ہیں۔ اگر چند سرگرم اور پُرجوش آدمی اس غرض اور اس سے حاصل ہونے والی خوشیوں سے بالاتر ہو کر زیادہ ضروری مجلسی خدمات سرانجام دینے کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ تو بُرا ہی کیا ہے۔ اسی لئے سبھی قومیں اور مذاہب ایسے بے غرض سادھو اور سادھویوں کو عزّت اور پریم کی نظروں سے دیکھتی ہیں اور ان کی تمام ضروریات کا بار بخوشی اپنے سر پر لے لیتی ہیں۔ تواریخ کے ورق ایسے اخلاقی طور پر بہادر مردوں اور عورتوں کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ جنہوں نے عیسائی یورپ اور بودھ ایشیا کے اندر اپنی زندگیاں نوعِ انسان کی بہتری کے لئے صرف کی ہیں۔ اور یہی وہ شاندار نتائج ہیں۔ جو زمانہ حال کے نکتہ چینیوں کی بودی دلائل کا زبانِ حال سے جواب دے رہے ہیں اور ہمیشہ دیتے رہیں گے۔

"انسانی دھرم" بھی چند مردوں اور عورتوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔ کہ وہ روپیہ کمانے اور بال بچے پیدا کرنے کی نفسانی خواہشات سے بالاتر ہو کر ان نئے خیالات اور نئے آدرشوں کا دُنیا میں بطور گورو، پرچارک، مجلسی خادم وغیرہ وغیرہ کے پرچار کریں۔ اس میں شک نہیں کہ عیسائیوں اور بودھوں کی سرگرمیاں

نہایت قابل افسوس طور پر غلط راستوں پر خرچ ہوئی ہیں۔ ہم انسانیت پرستوں کو اس سرگرمی اور جوش کو برقرار رکھتے ہوئے اُسے زیادہ علم اور دانائی کے پرچار ہیں صرف کرنا چاہئے۔ اور ہمارے پرچارکوں کو بھی یہ کہنے کے قابل بننا چاہئے کہ "بھائی! روپیہ پیسہ تو ہمارے پاس کچھ ہے نہیں۔ تو دنیا کے سبھی مرد عورت ہمارے بچے بچی اور بھائی بہن ہیں" اس طرح وہ تعلیم۔ سائنس سیاسیات کے پرچار سے زمانہ وسطیٰ کے عیسائی راہبوں، بودھ بھکشوؤں کے سیدھے سادے کام کی نسبت نوع انسان کی بہت زیادہ شاندار خدمات سرانجام دے سکیں گے۔

"انسانی دھرم" کی یہ سنستھائیں "راہب خانے" "مونا سٹری" یا "وہار" نہیں۔ بلکہ "کالج"۔ "یونیورسٹی" "انسٹیٹیوٹ" "فاؤنڈیشنز" وغیرہ کہلائیں گے۔ بغیر ایسے پرچارکوں کے انسانی دھرم دنیا کو فتح نہیں کر سکتا۔ انکی موجودگی سے ہی ہم دنیا میں ویسے ہی ناقابل شکست ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ بڑے بڑے انسانیت پرست سپی نوزا۔ لوکی مائیکل۔ ہربرٹ سپنسر اور سلسلہ انسانیت کے دیگر عظیم الشان رہنما ہو گذرے ہیں۔

۱۱۔ بدھ دھرم اور اخلاقیات

بدھ دھرم نے اخلاقیات کا ایک نہایت شریفانہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ جس کا مختصر سا نمونہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"پانچ گناہوں سے بچو! یعنی قتل، چوری، زنا، جھوٹ اور شراب خوری سے"

"دس برائیوں کو چھوڑو یعنی مارنا، چوری کرنا، زنا، جھوٹ بولنا غیبت کرنا، سخت زبانی۔ فضول بکواس، لالچ، عداوت اور بُرے خیالات"

"پانچ رکاوٹوں پر فتح حاصل کرو یعنی نفسانی خواہشات۔ نفرت دشمنی

غفلت، جوش، پریشانی اور شک و شبہ"..... "تین بنیادی بُرائیوں سے ہوشیار رہو یعنی لالچ، نفرت اور بیوقوفی سے۔ کیونکہ یہ تینوں آگ کی مانند تباہ کن ہیں"!...... تین طرح کے بُرے خیالات سے بچو! یعنی خوشی، دشمنی اور بے رحمی سے پُر خیالات"..... چار طرح کی صحیح کوششیں کرو۔ یعنی شرارت آمیز خیالات سے پیدا ہونے والی بُرائیوں کو روکو! اگر وہ بڑھ رہی ہوں تو انہیں دباؤ اور نیک خیالات کو پھیلاؤ اگر وہ پھیل رہے ہوں تو برابر پھیلتے رہیں۔ اور زیادہ صاف، زیادہ وسیع زیادہ نشوونما پانے ہوتے جائیں۔ اور اُن کی تعداد ضرب در ضرب بڑھتی جائے"..... "پانچ طاقتوں کو نشوونما دو یعنی قوت۔ توجہ دھیان، اعتماد اور دانائی کو"..... "چار طرح کی گانٹھوں کو کاٹو یعنی لالچ، نفرت، رسومات میں اعتقاد اور قیاسی مسائل کے پریم کو!".... "دس زنجیروں کو توڑ ڈالو یعنی مستقل شخصیت کی عقیدت مندی۔ شبہ، رسومات اور رواجات پر ایمان، خواہشات، بد خواہی، نام اور رُوپ کی دُنیا میں بار بار جنم لینے کی خواہش، بے نام رُوپ کی دُنیا میں جنم لینے کی خواہش، غرور، جوش اور جہالت"..... "چھ کمالات کے لئے کوشش کرو یعنی خیرات، نیک چلنی، صبر، سرگرمی، دھیان اور دانائی"..... "اپنے والدین، گورو، بیوی، بچّوں، دوستوں، ساتھیوں، نوکروں اور رُوحانی رہنماؤں کی طرف اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ"..... جو شخص قابلیت اور برکت حاصل کرنا چاہے اُسے دان دینا چاہیئے۔ پُرسکون رہنا چاہیئے۔ اور سب کے لئے اپنے دل میں نیک خواہشات کو جگہ دینا چاہیئے"..... اہنسا جس پر دہرما کا (آپ

بنو۔ اپنا سہارا آپ بنو! متوجہ رہو!"...... بدھ بھگوان نے کہا۔ بھائیو! جو میری خدمت کرنا چاہے اُسے بیماروں کی خدمت کرنا چاہیئے"

۱۲ مختصر سوانح عمریاں

بدھ دھرم کے چند مہا پرشوں اور اپدیشکوں کی مختصر سوانح عمریاں ذیل میں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں :۔

اپ گپت ۔ آپ ایک نہایت ہی درویش صفت پرچارک تھے جنہوں نے مہاراجہ اشوک کو بدھ دھرم کا پیرو بنایا۔ اور اس طرح ہندوستان کی تاریخ میں ایک نہایت زبردست حصّہ لیا۔

مہاراجہ اشوک ۔ ہندوستان کے حکمران مہاراجہ ہو گذرے ہیں آپ کا عہدِ حکومت ۲۷۳–۲۳۲ قبل مسیح تھا۔ آپ ایک نہایت ہی نیک اور رعایا پرور حکمران تھے۔ بودھ ہونے سے پہلے آپ نے جنگ و جدل کے ذریعہ ملک کا ایک بہت بڑا حصّہ فتح کر لیا تھا۔ مگر بعد ازاں جنگ سے بالکل متنفر ہو گئے۔ اور آپ نے ہندوستان میں رواداری کا قانون نافذ کر دیا۔ جو کہ صفحات تاریخ میں ایک عجیب و غریب بات ہے۔ آپ نے دُور و نزدیک مناروں اور چٹانوں پر عجیب پُراثر اپدیش کندہ کرائے۔ جو آج تک بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور آپ کی اخلاقیات میں سے قابلِ غور ہیں :۔

اب جب کہ دھرم مورت دھرم اوتار مہاراجہ ادھیراج کی دھرم پرتگیا سے جنگ و جدل کے نقاروں کی گونج مٹی اور دھرم اُپدیش کی گونج سے تبدیل ہو گئی ہے۔ اس لئے آپ کا فرمان ہے کہ اب مجھے منش ماتر کی بھلائی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ کیونکہ نوع انسان کی خدمت

اور بہبودی سے بڑھ کر دُنیا میں اور کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا - اس لئے میری خواہش ہے - کہ ہر جگہ، ہر جماعت اور سمپردائے کے آدمی آباد ہو سکیں کیونکہ وہ سبھی اپنی اندریوں (حواسِ خمسہ) پر قابو پانا اور اپنے دلوں کو پاکیزہ بنانا چاہتے ہیں - ہر مذہب اور ملّت کے لوگوں میں مادے کے لطیف جوہر کو نشو و نما حاصل ہو - جس کی جڑ اپنی زبان پر قابو رکھنا ہے اور قربانی کے دور پر کسی بھی جاندار کو ہلاک نہ کیا جائے ؛

مسٹر ایچ - جی ویلز لکھتے ہیں :- اٹھائیس سال تک اشوک نے نہایت دانش مندی کے ساتھ نوع انسان کی حقیقی ضروریات پورا کرنے کے لئے کام کیا - ہزاروں، لاکھوں بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے ناموں میں جو تواریخ عالم کے اوراقِ پریشان میں پائے جاتے ہیں - اشوک کا نام ایک ستارے کی مانند چمکتا ہے - اور تقریباً یکہ و تنہا چمکتا ہے"

مہندرا - مہاراجہ اشوک کے سپُتر تھے - جو عالمِ شباب میں ہی ۲۰۷ء قبل مسیح تمام دولت و ثروت اور راج پاٹ کو لات مار کر لنکا میں بدھ دھرم کا پرچار کرتے ہوئے ایک بھکشو کے طور پر اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے چلے گئے تھے - آپ کے ساتھ آپ کی بہن سنگھ مِترا بھی بھکشونی بن کر چلی گئی - اور ان دونوں بہن بھائیوں نے لنکا میں بُدھ دھرم کا جھنڈا گاڑ کر اسے دھارمک طور پر فتح کر لیا - آہا! دونوں آتمائیں کتنی ویر اور نربھے تھیں - ایسے اخلاقی آدرش ہی درحقیقت بُدھ دھرم اور اس کے پرچار کی کامیابی کا حقیقی دار و مدار ہے ؛

کسّیپ ماتنگو اور گوبھارن (چوفالن) بدھ دھرم کے پہلے پرچارک تھے - جو چین میں بُدھ دھرم کا پرچار کرنے کے لئے گئے -

آپ نے پہلی صدی سنہ ء میں "یو باگ" میں رہ کر جو آج کل "ہونان فو" کہلاتا ہے۔ کئی بودھ گرنتھوں کا چینی بھاشا میں ترجمہ کیا ۔

کمار جیو - آپ ایشیا کے ایک نہایت ہی عالم بھکشو ہو گذرے ہیں آپ نے کئی گرنتھوں کا نہایت بامحاورہ چینی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ جو کہ آج کل بھی اپنے خوبصورت طرزِ بیان کے باعث نہایت مقبول ہیں۔ ایک ودیشی کے لئے یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا کام ہے۔ بدھ بھدر اور کئی دیگر عالموں نے آپ کو اس کام میں مدد دی اور آپ کے بعد بودھی رسی۔ جن گپت امو گھ وجر اور دوسرے علماء نے آپ کا کام جاری رکھا۔ چین میں بدھ دھرم کے پرچار کے کام میں سات سو سال کے عرصہ میں ۸۰ اعلما اور بھکشوؤں نے حصّہ لیا ہے ۔

بودھی دھرم - آپ جنوبی ہند کے ایک راجکمار تھے۔ جو بھکشو ہو کر نہایت سخت ریاضت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ ۵۲۹ سنہ ء میں چین گئے۔ وہاں دھرم گرنتھوں کی جو پوجا کی جاتی تھی۔ اور دیگر رسم و رواج کے خلاف آپ نے نہایت زبردست احتجاج کیا۔ اور دھیان نیز خود ضبطی پر بہت زور دیا۔ آپ کے خیالات کا چین اور جاپان میں بہت پرچار ہوا۔ جہاں کہ آپ کے سمپردائے کے "زین" کے نام سے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کی برسی ان ملکوں میں اب تک بھی کہیں کہیں منائی جاتی ہے۔ آپ نے جنوبی چین کے شہنشاہ لیانگ وو ئی سے فرمایا تھا۔ کہ اصلی قابلیت، پاکیزگی۔ گیان، گہرائی اور کمال پر مشتمل ہے "زین" سمپردائے تندرستی اور طولِ عمری کے قوانین پر بھی زور دیتا ہے۔ پروفیسر میاموٹو کا قول ہے "دماغ کی مسلسل مصروفیت جسمانی اور

دماغی محنتوں اور سرگرمیوں کی نہایت محتاط نگرانی براہِ راست عمل شخصی رہنمائی، جسمانی مشقت یہی سب باتیں بدھ دھرم کے "زین" سمپردائے کی عملی خصوصیتیں ہیں۔ جاپان کے تعلیم یافتہ طبقات میں اس فرقے کا بہت اثر پایا جاتا ہے۔

یوآن چوانگ۔ آپ ایک چینی بھکشو تھے۔ جنہوں نے ۶۲۹ء میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اور غیر ملکی سفر کے متعلق سرکاری ممانعت کے باوجود پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوستان پہنچے۔ اور سولہ سال تک یہاں رہے۔ اس آنے جانے کے سفر میں آپ کو جن خطرات مشکلات و مصائب کا سامنا پڑا ہوگا۔ اُن کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ آپ بدھ دھرم کے بہت سے گرنتھ لے کر چین واپس گئے۔ اور ایک ممتاز سرکاری عہدے پر تقرر نامنظور کر کے چینی زبان میں اُن کا ترجمہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دھارمک تاریخ میں آپ کی ہستی ایک نہایت جاں باز اور بہادر ہستی خیال کی جاتی ہے۔

آپ کے علاوہ دوسرے سرگرم اور بے خوف یاتری ہندوستان جا پہنچے فاہیان (۵ ویں صدی میں) اٹسنگ (ساتویں صدی میں)۔ چی شنگ۔ چوفاہو۔ ٹاؤچوان۔ ٹاؤوو۔ سنگ یُن ہیں۔ پادری ڈاکٹر جے ایڈکنز لکھتے ہیں۔ کہ "چینی بودھوں کی سرگرمی اور زبردست پریم جو انہوں نے ابتدائی زمانے میں ظاہر کیا۔ وہ اس دور دراز اور خوفناک راستے پر بار بار کی مسلسل یاتراؤں سے ہویدا ہے۔ جس میں بہت سے عالموں نے اپنی جانیں بھی ضائع کر دیں۔

وجرہ متی آن کانگ چی۔ آپ آٹھویں صدی میں چینی بودھوں

کے "یوگا کارا" فرقے کے ایک سر برآوردہ لیڈر ہو گذرے ہیں ؛

خان سان ہاونی۔ آپ ایک تبتی بھکشو تھے۔ جو ۲۴۱ء میں چین پہنچے۔ آپ کے والد بزرگوار چینی ریاست خان کو کے وزیر اعظم تھے۔ مگر آپ گھر بار چھوڑ کر بھکشو بن گئے۔ آپ نے بھی بہت سے بدھ گرنتھوں کا ترجمہ کیا ہے ؛

سنڈو۔ آپ پہلے بودھ پرچارک تھے۔ جو ۳۷۲ء میں بدھ دھرم کا پرچار کرنے کے لئے چین سے کوریا گئے۔ آپ کے بعد مارا نند اور دیگر بھکشو وہاں گئے ؛

چیہ کائی۔ (۵۳۸-۵۹۷ء) آپ ایک مشہور بودھ سادھو ہو گذرے ہیں۔ جو پہلے نانکنگ میں اور بعد میں ٹین ٹائی میں قیام پذیر رہے آپ نے بھی ٹین ٹائی سمپردائے کی بنیاد ڈالی تھی۔ جو بعد میں بہت طاقت پکڑ گیا تھا۔ آپ نے "مکمل مشاہدات Refect observa- (tion che-Kwan) کے طریق عمل کو بھی نشو و نما دی۔ کاؤمنگ کے وہار میں آپ کا چوغہ اور کاسہ گدائی اب تک محفوظ ہے آپ کی اَستھیوں (ہڈیوں) پر ایک عمارت تعمیر کردی گئی ہے ؛

سائچو (یاڈینگ یو) ۷۶۷-۸۲۲ء میں آپ ایک نوجوان بھکشو کی حیثیت سے برسوں ایک جھونپڑی میں رہتے رہے۔ آپ "چی کائی" سمپردائے کا مطالعہ کرنے کی غرض سے چین تشریف لے گئے تھے آپ کو شاعری اور بُت سازی میں بھی دسترس تھی۔ آپ کے بعض شاگرد ہندوستان میں بھی آئے۔ آپ نے ہی جاپان میں ریشمی کپڑے بافنے کی صنعت جاری کی۔ عوام کے لئے سکول کھولے۔ نیز سڑکیں اور پل

بھی بنوائے ...."

شوتوکو (۶۲۲-۵۹۳ء) آپ جاپان کے ایک شہزادے تھے آپ موجودہ جاپانی تہذیب کے سچے جنم داتا سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بدھ دھرم کے سرگرم پیرو اور ایک نہایت دانش مند مُدبّر ہو گذرے ہیں آپ نے بہت سے ہسپتال۔ دواخانے اور آشرم کھلوائے اور نہایت دوررس سیاسی اصلاحات نافذ کیں ۔

پاہوسیپا (پاش پا) آپ ایک تبتی بھکشو تھے۔ جو منگول سلطنت میں قومی پرچارک اور معلّم" کے طور پر مقرر ہوئے۔ آپ نے منگول قوم میں ایک نئی ورن مالا (ابجد) کو جاری کیا۔ ایک منگول مورخ آپ کے متعلق لکھتا ہے "قبلائی خان جو تیرہویں صدی میں ایک نہایت وحشی مزاج۔ ناقابلِ تربیت۔ جنگ جو قوم کا فرماں روا تھا۔ اُس نے اپنی قوم میں تعلیم و تربیت پھیلانے کی غرض سے ایک تعلیمی راہنما مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس عہدے پر ہمیشہ ایک بودھ بھکشو مقرر رہا ....." ۔

گیوگی بوساٹھو (۷۴۹-۶۶۸ء) آپ ایک جاپانی عالم تھے۔ جو شہنشاہ شومو کے خاص مشیر رہے۔ آپ نے بدھ دھرم کے زیرِ اثر جاپانی تہذیب کو خوب نشوونما دی۔ بہت سے پل۔ سڑکیں، نہریں۔ راج باہے۔ حوض تالاب اور مسافر خانے بنوائے ۔

ڈوشو۔ آپ ایک جاپانی بھکشو تھے۔ آپ نے ساتویں صدی میں چین کی یاترا کی۔ اور مہایو آن چوانگ کو اپنا گورو دھارن کر لیا۔ بہت سے نوجوان جاپانی طلباء نے آپ کی مثال کی پیروی کی ۔

ہونن - (۱۲۱۲ - ۱۱۳۳) آپ جاپان کی جوڈو سمپردائے کے جنم داتا تھے۔ پہلے آپ ٹین ڈائی سمپردائے کے بھکشو تھے۔ اور ایک عرصے تک ہائیک ریوائن نامی علاقے میں ایک سادھو کی کٹیا بنا کر زندگی بسر کرتے رہے۔ اسی اثنا میں آپ کے عقائد میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے آپ کو جلاوطن ہو کر سخت مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ آپ نے اور آپ کے چیلوں نے پرچار کر کے جاپان میں بدھ دھرم کو بہت مقبول عام بنا دیا۔ اور بدھ دھرم کی تقریباً سب اصطلاحات و الفاظ کو جاپانی زبان میں شامل کر دیا۔ آپ کا سمپردائے روحانی جھگڑوں میں نہ پھنس کر اعتقاد نہ جان نثاری اور نیکی پر بہت زور دیتا ہے ۰

شن ران - (۱۲۶۲ - ۱۱۷۳) - آپ نے جاپان میں شن شو سمپردائے کی بنیاد ڈالی۔ بودھوں کے ناستک پن اور رسومات پرستی کی مذمت کی۔ اخلاقی پاکیزگی اور سیاسی اثرات و رسوخ سے آزاد رہنے پر بہت زور دیا۔ عوام کی تعلیم کے لئے نئے نمونے کے سکول جاری کئے۔ اور عورتوں تک میں جمہوریت کی سپرٹ پھونکنے کی کوشش کی۔ اس لئے رجعت پسند لوگ ہمیشہ آپ سے نفرت کرتے رہے۔ آپ "ایٹا" جماعت کے اچھوتوں کو جنہیں لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر طرح مدد دیتے اور ان سے پریم کرتے تھے۔ آپ بڑے جدت پسند رہنما تھے۔ اور گوشت خوری سے پرہیز وہاروں میں برہمچاری سادھوؤں کی سی زندگی بسر کرنے کو غیر ضروری ظاہر کرتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے "گوٹوکو" (سادہ مزاج بہادر) کا القاب پسند کیا تھا۔ جب آپ شمالی جاپان کے دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا "یہ بھی بھگوان کی ایک کرپا ہے

ہے۔ کیونکہ اب میں وہاں کے جنگلی باشندوں میں اپنے دھرم کا پرچار کرسکوں گا" ؛

نشی رن۔ (۱۲۲۲ - ۱۲۸۲ء) آپ جاپان کی "نشی رن شو" سمپردائے کے بانی تھے۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں ہی بھکشو بن گئے آپ بڑے جمہوریت پسند محب وطن تھے۔ آپ کے پیرو جانوروں پر مہربانی کرنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو خود اعتمادی اور سرگرمی کا سبق دیتے ہیں۔ یہ لوگ عوام میں بدھ دھرم کا خوب پرچار کرتے ہیں اس لئے "بودھوں کی ملکی فوج" کے نام سے مشہور ہیں ؛

(۹)

عیسائی دھرم

عیسائیت ایک بہت بڑا پرچارک (مشنری) دھرم ہے۔ اس کے نمایاں نقائص: جدائیت، عدم برداشت، خوں ریز جنگ و جدل، اذیتیں و عقوبتیں سائنس اور تعلیم کی زبردست مخالفت، کنواری سے مسیح کی پیدائش، گناہوں سے معافی، صرف عیسائیوں کی ہی مکتی۔ جسمانی طور پر پھر زندہ ہو جانا۔ الہام، ناقابل یقین معجزات بہشت، دوزخ، اعراف وغیرہ کے مسائل۔ عہد نامہ قدیم۔ ایک انسان کی دیوتا کی طرح پوجا، پوجاری پن اور اس کی مقدس رسومات سے تعلق رکھنے والے مسائل۔ عقل و دلیل سے نفرت، اندھ وشواس (کور اعتقادی) پُرزور پراسرار تضادیں۔ مناجاتیں۔ مریم پرستی، بائبل پرستی، حوالہ جات پر انحصار رسومات پرستی، فرشتوں اور شیطانوں کے متعلق اعتقاد۔ آسمانی کتب کے متعلق توہمات، قیاسی پیشین گوئیاں، سیاسی و مجلسی اصلاحات کی طرف سے لاپرواہی۔ مفت خوری اور غریب سے پُر نظام پرچار (چرچ) وغیرہ وغیرہ سمجھے جا سکتے ہیں۔

۱۔ حضرت یسوع

عیسائی دھرم کے بانی مبانی حضرت یسوع کا جنم ۴ سنہ قبل مسیح میں

فلسطین کے شہر ناصرتھ یا بیت اللحم میں ہوا۔ آپ کے والد بزرگوار ایک بڑھئی تھے۔ اور آپ ایک دوکان میں بطور شاگرد کے کام کیا کرتے تھے۔ آپ نے یہودی دھرم کی کتب پڑھی تھیں۔ مگر یونانی زبان نہیں جانتے تھے۔ ممکن ہے کہ ایسے نیز فرقے کے خیالات نے آپ پر بہت اثر ڈالا ہو۔ بعد میں آپ نے کارخانے میں کام کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنا گھربار بھی چھوڑ دیا۔ اور روحانی ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے بطور ایک پیغمبر کے اپنے اصولوں کا پرچار شروع کیا۔ آپ بڑے فصیح گفتار تھے۔ اور حد درجہ سادہ و پُر ریاضت زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ چند سرگرم شاگرد بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی دُنیاداری کے سب دھندے چھوڑ کر آپ کے نئے عقائد کا پرچار شروع کیا۔ یہودی دھرم کی مروّجہ خرابیوں کے خلاف زبردست آواز بلند کرنے اور آپ کی روزافزوں ہردلعزیزی کے باعث یہودی پجاری آپ کے سخت دُشمن ہو گئے۔ اس لئے آپ کو ایک کافر اور خوف ناک ایجی ٹیٹر ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک یہودی لیڈر نے آپ کے خلاف استغاثے کی پیروی کی۔ اور ایک رومن مجسٹریٹ نے آپ کو مجرم قرار دے کر صلیب کے ذریعے سزائے موت دیئے جانے کا حکم سُنا دیا۔ یہ واقعہ ۲۹ء یا ۳۰ء کے "گڈ فرائی ڈے" (جمعہ مبارک) کے دن کا ہے۔ "انسانی دھرم" کے پیروؤں کے لئے بھی یہ دن ایک تیوہار کا دن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت یسوع کو جو کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ اُن کے افلاس، برہمچریہ، آتش بیانی۔ اور یہودی تخیل پرستی کی فضا کی بدولت ہوئی ہے۔ جو اس زمانے میں چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

۲۔ عیسائیت کا رضاکارانہ کام

عیسائیت نے بہت سے سرگرم مردوں اور عورتوں کے دلوں میں چھوٹے چھوٹے جتھوں کے اندر رہ کر اور اپنے تمام مال و دولت کو تقسیم کر کے اس اصول کی مطابقت میں رضاکارانہ طور پر کام کرنے کی سپرٹ پھونک دی۔ کہ ہر ایک شخص اپنی قابلیت کے مطابق کام کرے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔" انہوں نے محبت کے متعلق عیسائیت کے آدرش کو نبھایا اور اسے اپنی اقتصادی زندگی پر نافذ کرنے کی بھی کوشش کی۔ اور غیر مساوی انفرادی مقابلے کی بجائے۔ مساوات و تعاون کے اصولوں کو قائم کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مندرجہ ذیل الفاظ نے اُن کے دلوں پر خاص اثر کیا تھا:-

"تمام عقیدت مند اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے سب سازوسامان کو بیچ ڈالا۔ اور آپس میں ہر شخص کی ضرورت کے مطابق تقسیم کر لیا۔ . . . .
اُن میں سے بھی عقیدت مندوں کا ایک دل اور ایک روح تھی۔
اور کوئی شخص بھی کسی چیز کو جو اس کے پاس تھی اپنی نہیں کہتا تھا۔
بلکہ ہر چیز کو مشترکہ سمجھتا تھا۔"

سولھویں صدی میں بھی آسٹریلیا۔ آسٹریا اور وسطی یورپ کے دیگر مقامات میں ایسی جماعتیں بن گئیں۔ سنہ ۱۵۳۶ء میں ایسی ۹۰ بستیاں تھیں۔ جن میں زیادہ تر سو سو آدمی آباد تھے۔ صرف اُن میں سے ایک میں دو ہزار آدمی تھے۔ پروفیسر سی ویڈر (C. VEDDER) کا بیان ہے کہ اُن میں سے تقریباً ہر ایک ہی بستی یکساں اور مستقل طور پر خوشحال معلوم ہوتی تھی۔ ان ہودا ؤہین بستیوں کی ناموری کا سہرا زیادہ تر جیکب ہنٹر کے سر پر باندھا جاتا ہے۔ ان جماعتوں کی ایک "اکائی" ایک ایسا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ جن میں اکثر کئی کئی سو آدمی شامل ہوتے تھے۔ یہ سب ایک ہی عمارت میں رہا کرتے تھے

اِن سب کے اوپر ایک مشترکہ دو نگران ملا ہوا کرتا تھا۔ خیالات کی یگانگت کو معہ اس کی تمام تفصیلات کے روزانہ زندگی کی صورت میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ ان سب کا ایک ہی باورچی خانہ، ایک ہی سکول، بچوں کے لئے ایک ہی پرورش گاہ۔ ایک ہی بیمار خانہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں سبھی بہنیں نرسوں (دائیوں) کی طرح بچوں کی پرورش اور مریضوں کی تیمارداری و خدمت کیا کرتی تھیں۔ سب ایک ہی جگہ کھانا کھاتے تھے۔ مگر دیگر امور کے لحاظ سے ہر ایک خاندان علیحدہ طور پر اپنی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ کپڑے۔ بستر۔ اور ایسی ہی دوسری چیزیں لوگوں کی ذاتی ملکیت سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ دوسری سب اشیاء مشترکہ تھیں۔ ابتداً سب کا پیشہ زراعت تھا۔ لیکن مختلف دستکاریاں بھی سبھی جانتے تھے۔ مورخین ان تمام آبادیوں کے باشندوں کی مجموعی تعداد ستر ہزار کے قریب بیان کرتے ہیں۔"

(Life of Balthasar Hubmaier) ؎

موراویا کے مارشل نے اپنے ایک خط میں جون وان لیا کو یہ لکھا تھا۔ ہمارے طریق رہائش و گفتگو دنیا بھر میں سب پر ظاہر ہیں۔ ہم کسی شخص کو ایک پیسے کا نقصان پہنچانے کی بجائے خود سینکڑوں اشرفیوں کا نقصان برداشت کرنا پسند کرتے ہیں ہم اپنے دشمن پر تلوار۔ برچھی۔ بھالے سے حملہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ ہاتھ سے حملہ کرنے کی بجائے بھی خود مر جانا اور اپنی جان دے دینا پسند کرتے ہیں۔ ہماری یہ دلی خواہش ہے۔ کہ تمام دنیا ہمارے جیسی ہی ہو جائے۔ تبھی سب جنگ و جدل اور خرابیاں ہٹ سکتی ہیں"۔ اس عیسائی فرقے نے ایسی ہی آبادیاں ہنگری۔ بوہیمیا۔ روس اور امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں جاری کر رکھی تھیں ؎

امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں تو ایسے مجلسی تجربات بارہا کئے گئے۔ اور

بہت سی ایسی جماعتیں اب بھی وہاں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض میں تو صرف برہمچاری (مجرد اشخاص) ہی رہتے ہیں۔ اور بعض میں شادی شدہ اصحاب۔ مگر ان کی تمام جائیداد مشترکہ ہوتی ہے۔ برادرانہ سپرٹ میں سب کام تقسیم کر لیا جاتا ہے اور زراعت، نیز صنعت و حرفت سے جو بھی آمدنی ہوتی ہے۔ اُسے ایسے ہی بانٹ لیا جاتا ہے۔ جیسے ایک مشترکہ خاندان کے افراد میں تقسیم ہوتی ہے۔ سی۔ نور ڈھوف صاحب نے ۱۸۷۵ء میں لکھا تھا۔ کہ "امانا جماعت کے ممبر سب کے سب معمولی جرمن مزدور تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن سب نے جماعتی زندگی کے سوال پر خوب غور و خوض کیا تھا۔ وہ یہ بھی خوب جانتے تھے۔ کہ مجھ پر اپنی سوسائٹی کی ان سب باتوں کو جنہیں وہ خوبیاں سمجھتے تھے۔ یعنی تمام انسانوں کی مکمل مساوات سب خاندانوں کی محافظت۔ سب کے لئے خوراک کی مناسب کثرت اور کسی آقا کی غلامی سے سب کی مکمل آزادی وغیرہ کو کس طرح ظاہر کریں ؟

ایکونومی (پا) کے مقام پر جو "ہارمونی سوسائٹی" ہے۔ وہ دُنیا میں رپی رپب کے پیروؤں کی حیثیت سے اچھی شہرت رکھتی ہے۔ جنہوں نے ۱۵ فروری ۱۸۰۵ء کو پہلے پہل اس سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ جبکہ چھ سو کے قریب جرمن تارکانِ وطن نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق حضرت یسوع کے مجلسی اصولوں کی عملی پیروی میں اپنے تمام مقبوضات کو ایک مشترکہ فنڈ کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد تمام چیزوں کو مشترکہ رکھ کر تمام جماعت کی مشترکہ بہتری و بہبودی کے لئے کام کرتے رہنے کا عہد مصمم باندھا تھا۔ اسی طرح ۱۷۹۲ء میں "شیکرز" نامی جماعت نے مشترکہ طور پر مجرد زندگی بسر کرنے کا عہد کیا اور سب ایک ہی خاندان کے لوگوں کی طرح زراعت کو اپنی محنت مزدوری کی جائیداد بنا کر زندگی بسر کرنے لگے۔ ان میں مجرد مرد و عورت سبھی شامل تھے۔ وہ این۔ پی کے پیرو کہلاتے ہیں۔ ان کے شبکر

جس طرح کا سب سے بڑا پادری بھی ٹوکریاں بنا بنا کر روزی حاصل کرتا ہے۔ وہ سب ایک ہی جگہ کھانا کھاتے ہیں۔ سب اپنے کپڑے آپ ہی مشترکہ طور پر بناتے ہیں۔ اور بڑھئی وغیرہ ضروری کام بھی آپ ہی کر لیتے ہیں۔ انہوں نے امریکہ میں رہتے ہوئے گورے کالے کی تمیز کو بھی مٹا دیا ہے؛

اسی طرح روکینڈا اور واسنگ فورڈ کی "پرمیکننٹ" جماعت مسٹر جے۔ ایچ نوبس کی پیرو ہے۔ جو ۱۸۴۵ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے انتظامیہ محکمہ کے ۴۰ صیغے ہیں۔ وہ اپنے سب نوجوانوں کو وقتاً فوقتاً ایک صیغے سے دوسرے صیغے میں تبدیل کر کے انہیں ہر کام اندر پیشے کا پورا پورا تجربہ اور کامل مہارت کراتے رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ شراب و تمباکو سے قطعی پرہیز رکھتے ہیں؛

۱۸۴۴ء میں ڈاکٹر کیل نے "آرور اکیمون" کی بنیاد ڈالی۔ آپ کا خیال تھا کہ ان سوسائٹیوں کو ایک خاندان کے نمونے پر بنایا جائے۔ جن کے تمام مفاد اور تمام مالکیت مشترکہ ہوں۔ اور تمام ممبر سب کے فائدے اور امداد کے لئے وفاداری سے کام کریں۔ مسٹر جے۔ ایچ۔ نوبس نے اس سلسلہ میں ۴۷ ناکامیابیوں کے مختصر حالات قلمبند کئے ہیں۔ لیکن انہی ناکامیابیوں کے مقابلہ میں کچھ کوششیں کامیاب بھی ہوئی ہیں۔ جن میں "شیکرز"۔ ربپیٹس۔ بو مڈرز۔ ایبن ایزوز اور پرفیکشنسٹس کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذکر ہم مندرجہ بالا سطور میں کر بھی چکے ہیں؛

ہم پیروان انسانی دھرم کا خیال ہے۔ کہ ان سوسائٹیوں کے ممبروں نے ضرور اپنے خاموش اور پُرامن جیون میں گہری خوشی محسوس کی ہوگی۔ انہیں گو بھجھوڑے یا اہرن یعنی ظالم یا مظلوم کی زندگی بسر کرنے کی ضرورت نہ پڑتی ہوگی۔ نہ وہ اوروں کو لوٹتے کھسوٹتے ہیں۔ اور نہ خود لوٹے کھسوٹے جاتے

ہوں گے۔ اُن کا نہ تو کوئی آقا ہی ہوگا اور نہ غلام ہی۔ نہ زمیندار ہی اور نہ مزارعہ ہی اُنہیں اپنے نفع و نقصان کے حسابات رکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی ہوگی۔ نہ کبھی رقیب کو مارنے اور نہ اقتصادی ناکامی کے باعث خودکشی کرنے کی ہی۔ نہ کسی سے جھوٹ بولنے۔ مکر و فریب کرنے۔ دھوکہ دینے کی اور نہ قانون قدرت کے خلاف بہت سا ساز و سامان جمع کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اُنہیں اشیائی قیمتوں کے اُتار۔ چڑھاؤ اور تقسیم منافعہ جات کا بھی فکر نہ رہتا ہوگا۔ اور وہ ضرورت و بہم رسانی کے قانون کی غلامی سے بھی آزاد ہوں گے۔ وہ خلافِ عیسائیت۔ اقتصادیات کے طلائی بچھڑے کی بھی پرستش نہ کرتے ہوں گے۔ اور انہیں بار۔ بار یسوع کو سونے کی صلیب پر چاندی کی میخوں سے ہلاک کرنے کی ہی ضرورت نہ لاحق ہوتی ہوگی۔ وہ خود غرضانہ حرص و طمع اور بغض و کینہ کی اذیتوں سے بھی محفوظ رہتے ہوں گے۔ اُن میں سے ہر ایک ہی کامل فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوگا۔ "جناب! میں سچا مزدور ہوں۔ جو کچھ کماتا ہوں۔ وہی کھاتا ہوں۔ جیسا کچھ میں پاتا ہوں۔ ویسا ہی پہن لیتا ہوں۔ نہ میں کسی سے نفرت کرتا ہوں۔ نہ رشک، اور نہ کسی کو خوش و خرم دیکھ کر ہی بغض و حسد کی آگ میں جلتا ہوں" ؎

۳۔ عیسائیت اور تکمیل فرائض

غریبوں، بیماروں، بہروں۔ گونگوں، اندھوں اور دیگر مجبوروں۔ اور لاچاروں نیز قدرت اور سماج کے دوسرے غمزدہ پریشان حال اور سوتیلے بچوں کی طرف اپنے انسانی فرائض کی تکمیل پر عیسائیت پر بھی زور دیتی ہے ایسے دین دکھیاؤں کی ہمدردی اور خدمت گذاری کے لئے اس مذہب میں بیحد سرگرمی کا اظہار کیا گیا ہے۔ "سمریا کے نیک مرد" کی روایت نے ان میں برادرانہ خیر اندیشی کی سپرٹ پھونک دی ہے ؎

مندرجہ ذیل اقوال نے بھی بہت سے نیک دل اصحاب کے دل میں مشکل حالات کی سرانجام دہی کا جذبہ پیدا کر دیا ہوگا :-

"میں تمہیں ایک نیا حکم دیتا ہوں۔ کہ تم ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت کرو۔ جیسی کہ میں نے تم سے کی ہے۔ اس سے تمہیں سب کو جاننا چاہئے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ بشرطیکہ تم ایک دوسرے سے محبت کرتے رہو"۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ "کسی آدمی کے قرضدار نہ رہو۔ سوائے اس کے کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرتے رہو۔ کیونکہ وہ جو اپنے پڑوسی سے محبت کرتا ہے۔ وہی قانون کی تکمیل کرتا ہے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "میں بھوکا تھا تم نے مجھے روٹی دی میں پیاسا تھا۔ تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا۔ تم نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی میں ننگا تھا۔ تم نے مجھے کپڑا دیا۔ میں بیمار تھا۔ تم نے میری بیمار پرسی کی۔ میں قید میں تھا۔ تم نے مجھے آکر تسلی دی"

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خالص اور پاکیزہ عبادت یہ ہے۔ کہ بیواؤں اور یتیموں کے دُکھ درد میں اُن کے کچھ کام آؤ"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "جب تجھے دعوت دینی ہو، تو غریبوں، لنگڑوں، اندھوں اور اپاہجوں کو کھانا کھلا"۔ ۔ ۔ محبت بہت دیر تک برداشت کرتی ہے۔ اور بڑی مہربان ہے محبت بھی کسی سے بغض و حسد نہیں کرتی۔ اور نہ لاف و گزاف سے کام لیتی ہے۔ وہ شیخی سے پھولی ہوئی نہیں ہوتی۔ نہ کوئی نازیبا فعل ہی کرتی ہے۔ وہ خود غرضی کا اظہار بھی نہیں کرتی۔ نہ غیض و غضب ہی دکھاتی ہے۔ بدی کا بدلہ بھی نہیں لیتی نہ کسی کی بدحالی پر خوش ہی ہوتی ہے۔ لیکن سچائی سے مسرت حاصل کرتی ہے سب کچھ برداشت کرتی ہے۔ ہر ایک بات کا یقین کر لیتی ہے۔ ہمیشہ پُرامید رہتی ہے اور ہر ایک بات سہہ لیتی ہے

محبت کبھی ناکامیاب نہیں رہتی۔۔۔ اس لیے تم سب محبت کی پیروی کرو"
عیسائیت کے آغاز سے ہی خیرات اور محبت خیرات کا جذبہ اس میں داخل کر کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس پر عمل کیا گیا۔ ڈاکٹر جی اُل ہارن کا قول ہے "عزیبوں کے لیے دان جمع کر کے اُن میں تقسیم کرنے کا عیسائی زندگی کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔ ہر ایک گرجا میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی عام پوجا کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔" ٹرٹولین کا بیان ہے "ممبروں سے رضا کارانہ طور پر جو دان حاصل ہوتا تھا۔ اُسے غریبوں کی اور ایسے لڑکے لڑکیوں کی پرورش میں خرچ کیا جاتا تھا۔ جن کا نہ کوئی گھر بار ہوتا تھا۔ اور نہ والدین۔ اس سے۔ بوڑھوں کو شکستہ جہازوں کے بدحال مسافروں کو جو کنارے آ لگتے تھے، کانوں میں کام کرنیوالے آدمیوں، قیدیوں اور جلاوطنوں کو مدد دی جاتی تھی" دوسری صدی عیسوی کا شہید جسٹن لکھتا ہے۔ "جو لوگ بخوشی جتنا کچھ دے سکتے ہیں۔ دے جاتے ہیں جو روپیہ اس طرح جمع ہوتا ہے۔ صدر کے پاس امانت رہتا ہے اور بیواؤں، یتیموں بیماروں، پردیسیوں، قیدیوں اور دیگر حاجت مندوں میں حسب ضرورت بانٹ دیا جاتا ہے"۔۔۔۔ "لارڈز سپر" (عیسائیوں کی ایک مذہبی تقریب کے موقعہ پر) دودھ شہد۔ تیل اور دیگر سامان جمع کر کے بیواؤں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ (پولی کارپ کا رقعہ)۔ خیرات ہی عیسائیوں میں بڑی قربانی سمجھی جاتی تھی۔ اور سائپرین کا یہ اپدیش تھا۔ کہ "بغیر خیرات کے دعا بے سود ہے" خاص تقریبات پر بھی دان جمع کیا جاتا تھا۔

ہرماز کے پادری کا بیان ہے۔ کہ "بہت سے عیسائی روزے رکھ کر جو کچھ بچایا کرتے تھے۔ وہ دان میں دے دیا کرتے تھے" اپوسٹولک کنسٹی ٹیوشن" میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کسی کے پاس خیرات کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں، تو اسے بھی

کبھی نافہ کشی کرکے ہی جو کچھ وہ بچا سکے ۔ خیرات میں دے دینا چاہئے"
یو۔سی۔بی۔ایس لکھتا ہے کہ روم میں پندرہ سو بیواؤں اور محتاجوں کی پرورش
کی جاتی تھی۔ امداد کے مستحق لوگوں کی اطلاع بشپ صاحب کو پہنچ جاتی تھی اور
وہ بذاتِ خود اُن کی مدد کا انتظام کردیتے تھے۔ عیسائیت کا کٹر مخالف فلاسفر
جولین لکھتا ہے کہ "ناستک گیلیلین ہمارے غریبوں کی بھی پرورش کرتے ہیں
اور اپنوں کی بھی"
"چرچ اپنے پادریوں اور ماتحت کارکنوں کے ذریعہ بیماروں کی بھی خدمت
کیا کرتا تھا" بک آف کلیمنٹ (BOOK of Clement) میں ہدایت ہے
کہ پادری کو پتہ لگانا چاہئے۔ کہ کوئی بیمار ناداری سے تکلیف میں تو نہیں ہے اور پھر
اس کی ضروریات پوری کرنی چاہئیں" وبائی امراض کے ایام میں عیسائی نہایت بہادرانہ
خدمات سرانجام دیا کرتے تھے۔ یوسی بی ایس نے اسکندریہ کے بشپ ڈیونی سی
ایس کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ "ہمارے بہت سے بھائیوں
نے اپنی برادرانہ محبت کے جوش میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک دوسرے
کی۔ بلکہ اور بیماروں کی بھی بہت خدمت کی۔ اور کئی ایک تو اپنی محنت و مشقت سے
دوسروں کی جان بچاتے ہوئے خود مر گئے۔ اُن کی موت کسی طرح بھی شہادت سے کم
نہیں۔ بہت سے تو اپنے بھائیوں کو دفنا کر آنے اور خود بھی جلد ہی ان کے بعد آغوشِ
اجل میں جا سوئے"
غریبوں اور بیماروں کے لئے خیرات کے جذبے نے ہی بعد میں خیراتی
ہسپتالوں اور راہب خانوں (آشرموں) کی صورت اختیار کر لی۔ زمانہ وسطیٰ کی یہ ایک
گراں بہا یادگار ہے۔ راہب خانوں کی بنیاد تیسری صدی عیسوی میں مصر کے اندر
پڑی۔ اور چھٹی صدی میں سینٹ بینی ڈکٹ اور دوسرے لوگوں نے اسے یورپ میں

رواج دیا۔ مسافروں اور بھولے بھٹکے غریبوں، بے نواؤں کو ان راہب خانوں میں خوراک اور سونے کو جگہ مل جایا کرتی تھی۔

کالین تحریر کرتا ہے۔ "مصر کے راہب نہ صرف اپنا ہی گذارہ محنت مزدوری سے کیا کرتے تھے۔ بلکہ لیبیا کے قحط زدہ علاقے کے باشندوں کو اور جو عیسائی اپنے مذہبی عقائد کے باعث جیلوں میں پڑے سڑا کرتے تھے۔ انہیں بھی مدد پہنچایا کرتے تھے۔ راہب خانوں کو غریبوں کے ٹرسٹی (معتمدین وند) کے طور پر اور وہاں سے بھی دان اور تحفہ جات بکثرت ملتے رہتے تھے۔ جنہیں وہ کئی صدیوں تک کمال دیانت داری سے تقسیم کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ ان میں گراوٹ پیدا ہو گئی۔"

سینٹ بینی ڈکٹ نے لکھا ہے۔ "کہ روحانیت کے شیدائی تو خود روزے رکھ رکھ کر غریبوں کا پیٹ بھرا کرتے تھے۔ ننگوں کو کپڑے دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری کرتے تھے۔ قحط کے دنوں میں مونٹی کاسینو کے راہب خانے نے اپنے تمام ذخیرے غریبوں کے لئے کھول دیئے تھے۔" ڈوم بوبر بٹر نے بھی بینی ڈکٹ کے پیرو کی مہمان نوازی۔ خیرات پسندی اور غریبوں نیز بیماروں کی خدمتگذاری کی بہت تعریف کی ہے۔

قیاس عیسائیوں نے یورپ میں اسی طرح ہسپتال جاری کئے۔ جیسے کہ بودھوں نے ایشیا میں ۳۷۰ء کے قریب سینٹ باسل نے سیتوریا میں ایک شفاخانہ جاری کیا۔ گریگوری اعظم کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چھٹی صدی میں نیپلز۔ سسلی اور سارڈینیا میں بھی ہسپتال کھل گئے تھے۔ جسٹن کے قوانین میں کئی طرح کی خیراتی سرگرمیوں کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً مسافر خانوں۔ بیمار خانوں۔ دودھوا آشرموں، یتیم خانوں، غریب بچوں کی پرورش گاہوں، بوڑھوں کی حفاظت گاہوں وغیرہ وغیرہ کا۔ ڈاکٹر جے بے داش لکھتے ہیں "تیرھویں صدی میں بیشمار ہسپتال

کھل گئے تھے۔ صرف فلورنس شہر میں چودھویں صدی کے خاتمے سے پہلے تیس کے قریب ہسپتال تھے "سینٹ ونسنٹ ڈی پال (۱۶۶۰ - ۱۵۷۶ء) نے ۱۶۳۴ء میں "سسٹرز آف چیریٹی" (دان شیل بہنیں) کے نام سے ایک بین الاقوامی سنستھا جاری کی۔ جس کی اب بھی ایک لاکھ سے زیادہ عورتیں ممبر ہیں۔ آپ نے بدقسمت کشتی بان غلاموں کی امداد کی۔ کئی ہزار قیدیوں کو چھڑایا۔ جو الجیریا اور ٹیونس میں غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مختلف مخیرانہ سرگرمیوں کے متعلق تیس ہزار سے زائد خطوط تحریر کئے۔

"سسٹرز آف چیریٹی" نام کی سنستھا بھی "انسانی دھرم کے پیرؤوں کے لئے نہایت روشنی بخش ہو سکتی ہے۔ مسٹر سی اے جونز اس کے متعلق لکھتے ہیں "سینٹ ونسنٹ ڈی پال کے زمانہ حیات میں صرف پیرس میں اس کی ۲۰ شاخیں تھیں شروع میں ان بہنوں سے بیماروں کی تیمارداری کی خدمات انجام دینا شروع کیں۔ بعد ازاں گلیوں میں بھولی بھٹکی اور گرے ہوئے اخلاق کی گنہگار عورتوں کے سدھار کا بیڑا اٹھایا۔ لاوارث بچوں کو اپنی آغوش مادری میں جگہ دے کر پرورش کرنے اور نیک انسان بنانے کا بوجھ اپنے سر پر لیا وغیرہ وغیرہ۔ سینٹ ونسنٹ کی انہیں ہمیشہ یہ ہدایت تھی "میری بچیو! تم ہمیشہ اپنے آپ کو غریبوں اور بیماروں کی خادمہ تصور کرو۔ جو کہ مسیح کے پیارے ہیں" (لائف آف ونسنٹ ڈی پال مصنفہ مسٹر جونز) پیروانِ انسانی دھرم کو بھی اسی قسم کی اپنی ایک سنستھا قائم کرنی چاہیئے۔

ماضی قریب میں ہی مسٹر جونز ہاورڈ (۱۷۹۰ - ۱۷۲۶ء) نے یورپ کے گندے سے گندے جیلخانوں میں جا کر قیدیوں کے حالات کا مطالعہ کر کے جیلخانوں کی اصلاح کے متعلق اپنی زبردست آواز اٹھائی۔ اور خصوصاً قیدی عورتوں کی حالت کو بہت سدھارا۔ چارلس مائیکل ایپی نے گونگوں اور بہروں کی تعلیم کا طریقہ ایجاد کیا۔ ڈاکٹر

الیس سی ہاو اور گانڈیٹ خاندان کے اصحاب نے اندھوں، گونگوں اور بہروں کی تعلیم کے سلسلہ کو بہت ترقی دی۔ ۱۸۳۳ء میں اے۔ الیف اوکنزینم اور پیری ساوبان بیلی نے "سینٹ ونسنٹ ڈی پال سوسائٹی" کی بنیاد قائم کر کے ان کی خیرات کے طریقوں کو دُنیا بھر کے ممالک میں رائج کرنے کی کوشش کی۔ کونٹ رمفورڈ بنجمین تھومپسن نے یورپ میں گداگری کا خاتمہ کرنے کی غرض سے فقیروں کو کارخانوں میں کام پر لگانے کا طریقہ جاری کیا۔ پرشیا کے پادری تھومس فلیڈ نے پروٹسٹنٹ پادرانیوں کی ایک جماعت قائم کر کے قیصر ورتھ کا مشہور سکول جاری کیا۔ مسز میک آلے نے ڈبلن میں "سسٹرز آف مرسی" اور "یتیم خانہ" نامی سنستھا جاری کر کے بہت سے ملکوں میں سکول اور ہسپتال کھولے۔ ہیری ڈونانٹ نے ۱۸۶۴ء میں "ریڈ کراس سوسائٹی" کی بنیاد ڈالی۔ ہیری برگھ نے ۱۸۷۴ء میں بچوں پر بےرحمی کا انسداد کرنے والی سوسائٹی قائم کی۔ اور ۱۸۶۶ء میں ٹی۔ ڈالسٹر برنارڈو نے لاوارث بچوں کی پرورش کے لئے پہلا آشرم جاری کیا۔

زمانہ وسطیٰ میں لازر کی نوآبادیاں یا کوڑھی خانے بھی سب عیسائیوں کی خیرات پر چلتے تھے۔ جس کے لئے مالدار لوگ روپیہ دیتے تھے۔ ہر طرح کے وبائی خطرات کے باوجود اپنی ذاتی خدمات نذر کیا کرتے تھے۔ فرانسسکن پادری اب بھی شہروں کے غلیظ ترین حصوں میں جا کر وہاں کے رہنے والے بیمار غریب غربا کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ فادر ڈیمیٹن مولاکائی کے کوڑھی خانوں میں کوڑھیوں کی خدمت کرتے کرتے ہی ختم ہو گئے۔ ہم انسانی دھرم کے سب پیرو ایسے خادمانِ انسانیت کی ذاتی قربانیوں اور بےنظیر خدمات کے سامنے ہیبت وغیرت سے اپنا سر جھکاتے ہیں۔ جن کے جذبات ہمدردی ورحم اپنی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم ان تمام الہام بخش روایات کو جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ انسان کتنا نیک، وپاک

ہوسکتا ہے تسلیم کرکے اپنے سینوں میں جگہ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بنی نوع انسان کے لئے انسان کی الفت و محبت کے نہایت شاندار افسانے اور کارنامے ہیں۔ ہم انہیں پڑھ پڑھ کر ہر روز اپنے بچوں اور خاندان کے بچوں کو سناتے ہیں ؛

اس میں شک نہیں۔ کہ "انسانی دھرم" کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ افلاس اور بیماریوں کی مصیبت بھی ختم ہوتی جائے گی۔ لیکن ہم سائنس اور حکومت کی مدد سے اور بھی جلد ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس طرح اس سے بھی بہت زیادہ کامیابی حاصل کرسکیں گے۔ جتنی کہ جاہل لیکن ہمدرد دل اور نیک پیرو ان عیسائیت نے حاصل کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عیسائیت کا دل تو نہایت نیک ہے لیکن دماغ کچھ نہیں۔ وہ کوڑھیوں کی خدمت تو کرسکتی ہے۔ لیکن کوڑھ کی بیخ کنی نہیں کرسکتی۔ وہ یتیموں کو خوراک دے سکتی ہے۔ لیکن اس پیش از وقت موت کا خاتمہ نہیں کرسکتی۔ جو یتیم اور بیوائیں بناتی ہے۔ "انسانی دھرم" کے پاس دل بھی ہے اور دماغ بھی، اس کے دل میں رحم اور ہمدردی بھی ہے۔ اور دماغ میں فہم و فراست بھی، وہ صرف معلول کا ہی خاتمہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ علت کو بھی ختم کرسکتا ہے۔ وہ رحم کے ساتھ ہی ساتھ سیاسیات کا بھی معتقد ہے۔ کیونکہ سیاسیات کی مدد کے بغیر رحم بھی اپنی پوری پوری طاقت کا اظہار نہیں کرسکتا "انسانی دھرم" عیسائیت کی محبت کو اس کی تمام پاکیزگی اور خوب صورتی سے قائم رکھ کر سائینس اور سیاسیات کو اس کے منتظم۔ کارکن۔ مددگار اور ہم جلیس بنا دیا ہے۔ اس طرح تمام وہ انسان جو محبت کرتے ہیں۔ ان کی خدمت کریں گے۔ جو رنج و مصائب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان سب کی مشترکہ کوششوں سے رنج و مصائب کا بھی خاتمہ ہو جائیگا ؛

۴۔ عیسائیت اور خود انکاری

بعض عیسائی تخیل پرستوں نے اپنی تمام زندگی، پرچار مجلسی خدمات تعلیم

اور ایسی ہی دیگر سرگرمیوں کی نذر کر دی ہے۔ جن سے کہ نایاب ترین خود انکاری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنی دولت و ثروت قربان کر کے جسمانی مزدوری یا خیرات پر سچی فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے ہیں۔ شادی نہ کرا کے خانہ داری کے آرام و آسائش اور لطف و مسرت پر لات مار دی ہے۔ مادرانہ اور پدرانہ خواہشات کا گلا گھونٹ کر مجرد۔ برہمچاریوں کی سی زندگی بسر کرنا پسند کیا ہے۔ یہی لوگ راہب، راہبہ، فادر (باپ)، مادر (ماں)، برادر (بھائی)، سسٹر (بہن) وغیرہ وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ انہوں نے لوبھ اور لالچ نیز شہوانی خواہشات کی محبت کے جال سے رہائی پائی ہے۔ اور انہوں نے اپنے ایسے سلسلے قائم کر لئے ہیں۔ جن میں سے بعض ایک سے نفع کی بجائے نقصان زیادہ پہنچا ہے۔ لیکن آدرش علماء نیز بینڈکٹ اور فرانسس کے شاگردوں کی ہم سب پیروانِ انسانی دھرم کو ان کی ان سرگرمیوں کے لئے عزت و تعظیم کرنا چاہئے۔ جن سے کہ جذبہ انسانیت کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں ان کی زندہ مثالوں اور سوانح عمریوں سے بے غرضی، سادگی، سرگرمی، صداقت پرستی کے سبق سیکھنے چاہئیں۔ جنہوں نے کہ سیاسیات، تعلیم آرٹ (کلا)، الہیات، علم ادب اور دیگر تعمیری کاموں کے حلقے میں عملی زندگی کے بلند ترین آدرش ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ ہمیں ان کے قابل تعظیم نام ان اپنے ساسناموں میں داخل کر لینے چاہئیں۔ اور بقول مسٹر ایچ۔ جی ویلز یہ محسوس کرنا چاہئے کہ "کبھی وہ دن بھی ضرور آئیگا۔ جبکہ ہم ایک نیا سلسلہ ایسا قائم کر سکیں گے جو پوپ کی خدمت کا نہیں۔ بلکہ نوع انسان کی خدمت کا صدق دل سے حلف اٹھایا کریگا۔" ذرا مندرجہ ذیل اقوال پر بغور توجہ دیجئے:۔

اور ایک خاص حاکم نے اس سے دریافت کیا، نیک اُستاد! دائمی زندگی حاصل کرنے کے لئے میں کیا کروں؟ تب یسوع نے اُسے جواب دیا۔ تجھے

احکام خداوندی معلوم ہیں۔ زنا مت کر، ہلاک مت کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے، اور اپنے ماں باپ کی عزت کر" اس نے کہا "میں تو ان سب احکام پر بچپن سے ہی عمل کرتا آیا ہوں" یہ سُنکر یسوع نے جواب دیا "پھر بھی ایک بات کی تجھ میں کمی ہے۔ جو کچھ تیرے پاس ہے۔ اُسے فروخت کر کے غریبوں میں تقسیم کر دے۔ اور آجا! میرے پیچھے پیچھے چل سب باتوں میں سنجیدہ ہو جا! مشکلات برداشت کر، بیچاروں کی سی زندگی بسر کر اور اپنے فرائض کو سر انجام دے"۔۔۔۔ "بھائیو! تم یاد رکھو، ہماری محنتوں اور مصیبتوں کو! جو دن رات اسی لئے کام کرتے ہیں۔ کہ تم میں سے کسی پر ہمارا بوجھ نہ پڑے"۔۔۔۔ "اس وقت بھی ہم بھوکے ہیں، پیاسے ہیں اور ننگے ہیں۔ تھپیڑ اور مکے کھاتے ہیں۔ ہمارے کہیں گھر اور مکان بھی نہیں۔ اور ہم اپنے دونو ہاتھوں سے محنت و مشقت کرتے ہیں"۔

"ہر روز دن کے وقت وہ مندروں میں اپدیش دیا کرتا تھا۔ اور رات کے وقت اس پہاڑ پر جا کر شب بسری کرتا تھا۔ جو کوہ زیتون "Mount Olive" کے نام سے مشہور تھا"۔۔۔۔ "تم میں جو کوئی بھی ایسا ہے۔ جو سب کچھ ترک نہیں کر سکتا۔ وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا"۔۔۔۔ "لومڑیوں کے بھٹ ہیں پرندوں کے بھی آسمانی فضا میں گھونسلے ہیں۔ لیکن انسان کے بچے کے لئے کوئی بھی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں کہ وہ اپنا سر چھپا سکے"۔

ایسے اقوال نے عیسائی تخیل پرستوں کے دلوں میں الہام کی سی طاقت پیدا کی اور ہمارے دلوں میں بھی یہ وہی طاقت پیدا کریں گے۔ تاکہ ہم بھی میدان عمل میں جا کر ویسے ہی کام کرنے لگیں۔

سینٹ بینیڈکٹ (بینٹ) سنہ ۴۸۰ء کے قریب اٹلی کے شہر نرسیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین نے تکمیل تعلیم کے لئے آپ کو روم بھیج دیا۔ لیکن آپ ایک پہاڑ پر جا کر کئی سال تک سخت ریاضت کرتے رہے۔ آپ نے ۵۲۹ء میں مونٹ کاسینو کے راہب خانے کی بنیاد ڈالی۔ اور راہبوں کے لئے بھی ایک آشرم بنایا۔ جس کا انتظام مسٹر سکولیسٹکا کے سپرد کر دیا۔ "سینٹ بینڈکٹ کے قوانین" یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک راہب جسمانی محنت و مشقت اور نیک کاموں کی سرانجام دہی میں اپنی زندگی بسر کرے۔ اُن میں سے کئی راہب انگلستان، جرمنی، سویڈن، اور ہالینڈ میں انہی اصولوں کا پرچار کرنے کے لئے چلے گئے۔ انھوں نے ان شمالی ممالک میں عیسائیت کا پرچار کر کے اُن میں یونانی اور رومن تہذیب کے بھی کچھ عناصر داخل کئے۔ سینٹ آگسٹائن، سینٹ ولفریڈ، سینٹ ولی برورڈ، سینٹ بونی فیس۔ سینٹ آنسگار۔ سینٹ یوسو، سینٹ دائس لین، سینٹ ایڈل برٹ، سینٹ برونو اور دیگر وغیرہ سب بزرگ ایسے ہی تھے۔ جنھوں نے زمانہ وسطیٰ کی عیسائی تہذیب کو نشو ونما دی۔ اس کے لئے کام کیا اور چار سو سال یعنی سنہ ۶۰۰ء سے سنہ ۱۰۰۰ء تک طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔

کالیوڈورس (۴۹۰ - ۵۸۵ء) آپ تیس سال تک شاہ تھیوڈورک کے وزیر رہے۔ لیکن سنہ ۵۴۰ء کے قریب ملازمت سے سبکدوش ہو کر آپ نے سیکیلیس کے مقام پر ایک راہب خانے کی بنیاد ڈالی۔ جس میں کہ آپ نے چالیس سال تک کام کیا۔ راہبوں کے لئے آپ نے خاص کتب کا مطالعہ اور دماغی کام تجویز کر کے اس جاہلیت، وحشی پن اور تباہی پسندی کے

زمانے میں بھی اعلیٰ انسانی اوصاف کی ترقی کے لئے ایک آشرم قائم کیا۔ آپ نے سخت محنت و مشقت اور زر کثیر کی لاگت سے مذہب، تاریخ، جغرافیہ نظم، موسیقی، زراعت وغیرہ مختلف علوم کی بہت سی ضروری کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اور اس طرح بینی ڈکٹ کے راہب پیروؤں کو بھی وحشیانہ جہالت سے بچا کر انسانی تہذیب کی قابل عزت خدمات ادا کیں۔ اور اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی۔ حقیقی معنوں میں بڑا آدمی ثابت کیا۔ ڈوم کیھبرٹ بٹل لکھتے ہیں۔ کہ "مطالعہ و علمیت کی روایات جو بعد میں بینی ڈکٹائن راہب خانوں میں داخل ہو گئیں۔ اُن کی ابتدا کا لیوڈورس سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ (دیکھو (Benedectine Monachism) بعد میں بینی ڈکٹائن سلسلہ میں ایڈلہم۔ بیڈ۔ بونی فیس وغیرہ بہت عالم پیدا ہوئے۔ جنہوں نے انسانیت اور تہذیب کی بہت خدمت کی؛

سینٹ عیسیٰ ڈور (۵۷۰ء – ۶۳۶ء) آپ سپین کے شہر۔ سکارتھجنا میں پیدا ہوئے۔ بعد میں آپ نے راہب ہو کر اپنی پاکیزگی اور وسیع معلومات کے متعلق بہت شہرت حاصل کی۔ اور ۳۶ سال تک سیوایل کے بشپ رہے؛

آئرلینڈ کے سنت۔ ان میں سے بھی بہت سے عالم ہو گذرے ہیں۔ ایچ زمر لکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے زمانے (چھٹی سے نویں صدی تک) کی سائنس اور دیگر علوم و فنون کے مُعلم تھے"۔ پروفیسر ایچ گرہیسم آئرلینڈ کے راہب خانوں سے تعلق رکھنے والے سکولوں کا ذکر کرتے ہوئے وہاں کے آزاد خیالی آمیز تعلیمی نصاب کا ذکر کرتے ہیں" اور یہ

بھی بتلاتے ہیں " وہ کس فیاضی اور بے تعصبی سے ہر مذہب و ملت کے بچوں کو اُن کی نسل اور مجلسی درجے کے متعلق کوئی تمیز و تخصیص کئے بغیر تعلیم دیا کرتے ہیں " (The early Irish Monastic Schools) ۔

سنہ ۵۶۳ء میں سنٹ کولمبا نے آیونا میں ایک راہب خانہ قائم کیا۔ جو اُس کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں اس کا کتب خانہ بھی خاص شہرت رکھتا تھا۔ ان آئرش راہبوں نے یونانی اور لاطینی زبانوں میں نجوم۔ جغرافیہ، جیومیٹری، فلسفہ، موسیقی اور دیگر بہت سے علوم کا مطالعہ کیا ۔

سنٹ فرانسس ۔ آپ ایک مالدار سوداگر پارچہ کے فرزند ارجمند تھے۔ سنہ ۱۱۸۱ء میں اسیسی کے مقام پر آپ کا جنم ہوا۔ اور سنہ ۱۲۲۶ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ بھی سب مال و دولت اور آرام و آسائش پر لات مار کر نیکی، محبت اور امن و امان کے سیاح پرچارک بن گئے۔ مدت تک اسیسی کے قریب ہی کوڑھیوں کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کو پرندوں اور چرندوں سے بھی ہمیشہ پریم رہا اور ہمیشہ اطالوی شہروں کے باشندوں کو آپ یہی اُپدیش دیتے رہے۔ کہ وہ اپنے لڑائی جھگڑوں کا پُرامن طریق سے فیصلہ کر لیا کریں۔ آپ نے بھی راہبوں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ اور آپ کے شاگرد سینٹ کلیئر نے راہباؤں کے ایک سلسلہ کی بنیاد ڈالی۔ اس سلسلہ کے ابتدائی راہب کیتھولک پادریوں اور بشپوں کی زرپرستی اور دُنیاداری کی سخت مذمت کر کے اکثر اُن کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اٹلی کے مشہور شاعر ڈینٹے نے بھی سنٹ فرانس

کی تعریف کے خوب راگ گائے اور ہم انہیں صرف عیسائی مشن کا ہی نہیں بلکہ انسانیت کا بھی ایک محترم سنت سمجھتے ہیں۔ ڈینٹے آپ کے متعلق رقمطراز ہے :-

" عام طور پر عاشقوں اور پریمیوں کے خطابات دعشرت، پر ہی غور کیجئے افلاس اور زر النفس بالکل ہم معنی ہیں۔ ان میں کتنا پریم ہے ؟ وہ کیسے خوش۔ حیرت انگیز اور پریم مے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ شیریں تخیل ہی پاکیزہ خیالات کو جنم دیتا ہے۔ آہ! پوشیدہ دولت! اوہ! پر ثمر نیکی! "

روجر بیکن (سنہ ۱۲۱۴ - ۹۲ء) آپ بھی ایک فرانسسکن راہب تھے۔ آپ نے سائنس کا مطالعہ کیا۔ اس لئے عیسائی چرچ نے آپ پر سخت اذیتیں دیں۔ سائنس اور علم زبان کے متعلق آپ کی سرگرمیاں جتنی تیز تھیں۔ اتنا ہی آپ کا چال چلن بھی پاکیزہ و اعلیٰ تھا۔ اور آپ ہر طرح سے انسانیت کے ایک عظیم الشان ہیرو کا درجہ پانے کے مستحق تھے۔

" انسانی دھرم " ڈاکٹر ایف ڈبلیو فیرر کے اس فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے کہ " مختلف زمانوں میں عیسائی سنت اور مہاتما جیسی پاک و برگزیدہ زندگیاں بسر کرتے رہے ہیں۔ انہیں عیسائیت کی طرف سے ایک " شاندار تلافی مافات " سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن آج کل وہ سنت کہاں ہیں ؟ کہیں بھی نہیں! انسانوں کے لئے اگر کہیں جگہ ہے۔ تو صرف پیروان " انسانی دھرم " کے کیمپ میں ہی ہے۔ موجودہ تہذیب کے تمام جنم داتا اور پیشرو گذشتہ دو سو سال سے اسی کیمپ میں ہیں۔ اور عیسائیت تو آج کل ایک ایسے " بوڑھے پینشنر " کی مانند ہو رہی ہے۔ جس کا ایک پیر قبر میں لٹک رہا ہو " انسانی دھرم " ہی اس کی تمام پاکیزہ روایات کا وارث ہے۔ اور انہیں آگے ہی آگے بڑھا کر آئندہ نسلوں تک لے جا رہا

ہے۔ بقول کسے

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت   رفت و منزل بدیگرے پرداخت

"The old change the yielding place to new"

۵۔ عیسائیت اور انسانیت

عیسائیت اپنے حلقے میں انسانیت کے اتحاد کی تعلیم دیتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے۔ کہ سب عیسائی بلا امتیاز نسل و قوم عیسائی چرچ کے یکساں ممبر ہیں یہ دنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کو عالمگیر عیسائی چرچ کے اصول اور اس کا ڈسپلن (نظام عمل) تسلیم و اختیار کر کے اپنی گود میں آنے کی دعوت دیتی ہے۔ یسوع نے اسے اخلاقی جذبہ عطا کیا ہوگا۔ لیکن سنت پال کی دانشمندی و دور اندیشی نے اسے یہودیت کے ایک فرقے کی حیثیت سے اوپر اٹھا کر ایک عالمگیر ہستی عطا کر دی ہے۔ جو رومن حکومت کی مانند ایک بین الاقوامی سازش سی معلوم دیتی ہے۔ پال نے کمال جرأت سے یہ اعلان کیا "ایک یہودی یا یونانی میں کچھ بھی فرق نہیں۔ یہودی ہو یا یونانی دونو کا جسم ایک ہی ہے۔ مسیح پر ایمان لا کر تم سب ایک انسان بن گئے ہو" اس طرح عیسائی چرچ ایک آدرش بین الاقوامی نظام ہے۔ اگرچہ اب بھی اس کے اندر بہت سے "قومی چرچ" موجود ہیں۔ جو کہ لفظی طور پر ایک عجیب تضاد ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ ایک مہیب مذہبی لغویت سا معلوم ہوتے ہیں۔ رومن کیتھولک چرچ نے اپنی بین الاقوامی اور بین النسلی رنگت کو دوسر عیسائی فرقوں کی نسبت بہت اچھی طرح قائم رکھا ہے۔ زمانہ وسطیٰ میں عیسائی رہنما "حب الوطنی" کو کوئی نیکی یا صفت خیال نہیں کیا کرتے تھے۔ اور وہ انگریز فرانسیسی یا اطالوی ہونے کی نسبت اپنے عیسائی ہونے پر زیادہ فخر کیا کرتے تھے۔ سنت

فرانسس اٹلی سے، سینٹ ڈومنیک سپین سے۔ سینٹ برنارڈ فرانس سے اور اسی طرح دوسرے عیسائی سینٹ اور مہاتما دوسرے ممالک سے نمودار ہوئے لیکن سب نے نہایت خوشی، مسرت اور یکرنگی کے ساتھ ایک عالمگیر چرچ کے بچوں کی مانند کام کیا۔ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ اور امریکہ کے تمام رومن کیتھولک مرکزوں کے بشپ اب بھی برادرانہ مساوات کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو کر صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔ روم اُن کی رنگت و ناک کی ساخت پر خیال کر کے کچھ بھی گڑبڑ نہیں مچاتا۔ بہ حیثیت ایک کامیاب بین الاقوامی سنستھا کے اس چرچ کی کامیابی ایک نہایت زبردست حقیقت ہے۔ جو یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ نسل اور قومیت آپس میں ایسے خوفناک دشمن نہیں۔ جیسے کہ وہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ان کے خیال کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اتحاد کے لئے کچھ اور زیادہ زبردست اصول معلوم کئے جا سکیں۔ جیسے مسیح نے تمام رومن چرچ کو ایک زنجیر میں جکڑ رکھا ہے۔ ایسے ہی انسانیّت ہمیں "انسان" میں جکڑ سکتی ہے۔ جس کا بچہ کہلانے کا حق مسیح کو بھی حاصل ہے ؛

عیسائیت اپنے چند سرگرم رہنماؤں کو یہ بھی تعلیم دی ہے۔ کہ وہ کمزور انسانوں اور قوموں کے ساتھ ایمانداری اور انسانیت کا سلوک روا رکھیں اگرچہ یورپین عیسائیوں نے امریکہ اور افریقہ کی وحشی اقوام کے ساتھ حقیقتاً گورے شیطانوں کا سا برتاؤ کیا ہے۔ مگر پھر بھی اس تاریکی میں چند ستارے درخشاں و تابان نظر آتے ہیں ؛۔

لاس کاسس دستمہ ۱۴۷۴ - ۱۵۶۶ء آپ سیوائل کے ایک مالدار شہری کے گھر میں جنم لے کر بعد میں راہب بن گئے۔ اور امریکہ کے اصلی باشندوں کی حمایت میں ہمیشہ سربکف رہے۔ جو اس زمانے میں ہسپانی

لوگوں کے ناگفتہ بہ جور و ستم کا شکار ہو رہے تھے۔ سپین کی امریکن نو آبادیوں کے اصلی باشندوں پر جو ظلم و ستم روا رکھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے آپ کی نیک روح کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا۔ کہ آپ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے والے لوگ اکثر راتوں کی خاموشی میں آپ کو روتے اور سسکیاں بھرتے ہوئے سُنا کرتے تھے۔ آخر آپ نے ان مظلوموں اور غریبوں کی حمایت اور حفاظت کا بیڑا اُٹھایا۔ اور آپ اُن کے زبردست محافظ ثابت ہوئے۔ آپ نے اپنے کام میں اپنی زبان، قلم اور عمل کی تینوں طاقتوں سے پُورا کام لیا۔ اور آپ کبھی ایک منٹ کے لئے حق و انصاف کے سیدھے اور سچے راستے سے اِدھر یا اُدھر نہیں ہوئے"۔

(Life of las casas by A. helps)

"سوسائٹی آف فرینڈز" (انجمن احباب) شمالی امریکہ کے عیسائیوں کو وہاں کے اصلی باشندوں سے ایسی نفرت تھی۔ کہ اُنہوں نے اُنہیں دھوکا دینے اور قتل و ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ مگر پھر بھی "کویکرز" جماعت کے لوگوں نے اُن کے ساتھ انسانیت کا سا سلوک روا رکھا۔ مسٹر آر۔ ایم جونز کا بیان ہے کہ جون وولمین نے نہایت گہری ہمدردی کے ساتھ جو صفحہ زمین پر ظاہر کی جا سکتی ہے۔ اپنی روح کو پاک کرنے کے بعد براعظم امریکہ کے اصلی باشندوں کی آزادی اور اُدھار کا بیڑا اُٹھایا اور اپنی جماعت اور اپنے خاندان کے لوگوں کی مدد سے اُن کے حق میں اپنی آواز بلند کی۔ (Faith & Practice)

(of Quakers) ولیم پین نے امریکنوں کو اُن کی زمین کی۔ جو اس کے قبضہ میں تھی قیمت ادا کر کے اُن کے ساتھ "کشادہ دلی اور محبت"

کا عہد نامہ کیا۔ اصلی باشندوں کے قول و اقرار کے الفاظ یہ تھے۔ کہ "جب تک سورج، چاند اور ستارے ہیں تب تک ہم ولیم پین اور اُن کی اولاد کے ساتھ محبت سے رہیں گے" بعد میں ان دوستوں نے غلامی کے خلاف تھا بہت زبردست جد و جہد کی۔

پیراگوئی کا جیسوٹ فرقہ۔ سترہویں صدی میں سپین کی جیسوٹ جماعت نے پیراگوئی کے اصلی باشندوں کی اپنے ہموطنوں کے دستِ تسلط اور مکاری و عیاری سے حفاظت کرنے کی غرض سے۔ ان کی ایک نو آبادی قائم کی۔ جس میں کسی ہسپانوی کو داخل ہونے تک کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے وہاں کے اصلی باشندوں کو لکھنا پڑھنا اور دوسرے مہذبانہ کام کاج سکھلائے۔ اور انہیں ان کی لوٹ مار سے بچایا۔ آر بی کننگھم گرہیم کہتے ہیں۔ کہ "وہاں تمام زراعتی زمینیں اور کارخانے اُن لوگوں (اصلی باشندوں) کی ملکیت تھے۔ جنہیں وہ دو جیسوٹوں کی، جو اُن کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ ہدایت اور مدد سے جوتا بویا اور چلایا کرتے تھے۔ اور اُن کی پیداوار نیز آمدنی سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا مشترکہ طور پر گزارہ کیا کرتے تھے۔ یہ جیسوٹس بڑے محنتی تھے اور برابر اصلی باشندگان ملک کو سکھاتے پڑھاتے اور اُن میں نیکی کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ وہی اُن کی محنت پر منفعت نیز کاروبار کی "اوورسیروں" کے طور پر نگرانی کیا کرتے تھے۔ اس نئی آبادی میں تیس قصبات تھے۔ جن کی مجموعی آبادی ۱۴۰۰۰۰ سے ۱۸۰۰۰۰ تک تھی۔ ان میں یورپین آبادی تقریباً نفی کے برابر تھی۔ اس طرح یہ جیسوٹ پیراگوئی کے اصلی باشندوں کو غلام بنانے کی تحریک

کا نہایت مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ A. Vanished Arcadia

"دی ابولی شنسٹس" (The Abolitionists) عیسائی خیراتِ نوعِ انسان کی اس جماعت کا نام تھا۔ جس نے امریکہ میں حبشی غلاموں کو اُن کے گورے آقاؤں اور مالکوں کی غلامی اور اس سے وابستہ ناگفتہ بہ تکلیفوں اور اذیتوں سے آزاد کرانے کی کوششوں میں خود طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں اور قربانیاں برداشت کی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام نامی کلارکسن۔ ولبر فورس۔ بکسٹن ہیں۔ جو ہمیشہ "انسانی دھرم" کے پیرووں میں عزت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔

افریقہ کے مشنری۔ افریقہ میں کام کرنے والے بہت سے یورپین مشنریوں نے بھی وہاں کے گورے آبادکاروں کے مقابلہ میں اصلی باشندوں کی حمایت و حفاظت کا قابلِ تعریف کام سرانجام دیا ہے۔ جن میں سے ڈاکٹر البرٹ سوئٹزر بھی ایک تھے جنہوں نے وہاں ایک زبردست ہسپتال جاری کیا تھا

عیسائیت اور جنگ و جدل

بعض عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ یسوع کے پریم اپدیش کے باعث صلح جنگ و جدل ناممکن ہو جانا چاہیے۔ زمانہ تاریخ میں یہ مخالفانِ جنگ عیسائی مشن کے اندر برابر اور مسلسل جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ وہ "انصاف کی حمایت میں جنگ و جدل کے متعلق سنت آگسٹائن کی دلائل اور سنت تھامس اکویناس کے "تین مدارج" کو صحیح تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ پروفیسر ڈبلیو پیٹرسن اس بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں یہ خیال بہت پھیلا ہوا تھا۔ کہ جنگ و جدل ایک مستقل جرم ہے۔ جس کے ساتھ یسوع کے پیرووں کا کوئی تعلق نہ ہونا

چاہیئے۔ جسٹن نارٹر، ٹٹلیان۔ سپریان وغیرہ بہت سے مذہبی عالموں نے اس مسئلہ کے حق میں کم وبیش زور کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ کسی مسلمہ عیسائی کو ایسی خراب اور شیطانی حرکات سے کسی صورت میں بھی کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے" اور یجن نے نہایت جرأت اور دلیری سے اعلان کیا "ہمارے دین وایمان کے دشمن یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہمیں حکومت کی حمایت میں اسلحہ سجا کر انسان کا خون بہانا چاہیئے۔ مگر ہم شہنشاہ کے حکم سے بھی جنگ میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ اس کا مطالبہ ہی کیوں نہ کرتا رہے۔

(WOTKS OF OTLGAN BY Roberts AND Donaldson)

والڈینس کے پیرو بھی جنگ و جدل اور کشت وخون سے اصولاً بچتے رہے۔ سولہویں صدی کے بعض "ایناپیسٹس" بھی جنگ کے مخالف رہے۔ جیکب بوہیم نے (۱۶۲۴-۱۵۷۵ء) سپاہیوں کے پیشے کی بھی مذمت کی۔ سترہویں صدی میں جارج فوکس نے جیل میں جانا پسند کیا۔ لیکن پارلیمنٹری فوجوں میں شریک نہیں ہوا۔ اس نے لکھا ہے۔ کہ میں نے کرامویل کے کمشنروں سے یہ صاف کہہ دیا۔ کہ میں زندگی اور طاقت کی نیکی میں ایمان رکھتا ہوں۔ جو جنگ کے تمام مواقع کا بھی خاتمہ کر دینے والی ہے"۔

۱۷۶۰ء میں لنڈن کے اندر ایک جلسے میں "ہمدردانہ نصیحت اور تنبیہہ" کے عنوان سے ایک اعلان تیار کیا گیا۔ جس میں سب دوستوں سے یہ درخواست کی گئی۔ کہ "وہ اپنی ساتھی مخلوقات کا خون بہانے کے لئے دوسروں کے ساتھ ہرگز شریک نہ ہوں"۔ جون وولمین لوگوں کو یہی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ کہ "خود غرضی اور لالچ کا نتیجہ ہمیشہ جنگ ہی ہوتا ہے۔ طاقت دولت کی خادمہ ہے۔ اور اسی کی بدولت ان سب سودوں — اور کارروائیوں کی حمایت ہوتی ہے۔ جو عالمگیر نیکی کے خلاف ہیں۔ اور اس طرح جنگ و جدل کے بیج کی آبیاری ہو کر وہ کونپلیں شاخیں اور پتے نکالتا ہے۔ نیز

پھُولتا پھلتا ہے۔" ٹالسٹائی اور ڈوقوبورس جماعت کے پیروؤں نے جنگ و جدل سے بالکل ہی قطع تعلق کر لیا تھا۔ اور اب بھی کئی مخالف انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے ہزاروں عیسائی ممبر ہیں ؂

انسانی دھرم کا کوئی پیرو اس بارے میں تو شک و شبہ کر سکتا ہے کہ حضرت یسوع نے درحقیقت جنگ کی ممانعت کی ہے یا نہیں۔ لیکن اس بارے میں اُسے کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ جنگ ہر طرح سے محبت اور تحمل کے ان اصولوں کے خلاف ہے۔ جو یسوع اور بدّھ کے اقوال میں ہر جگہ نمایاں طور پر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس یا اُس جنگ کے حق میں جو بھی پُرزور دلائل پیش کی جائیں۔ ان سے اِس صداقت کی کسی طرح بھی تردید نہیں کی جا سکتی۔ کہ "جنگ بدی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اس کا جتنی بھی جلد خاتمہ ہو جائے۔ اتنا ہی اچھا ہے۔ اور ایک آدرش حالت" کے لئے پہلا قدم صرف یہ ہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں اور آپ ذاتی و افرادی طور پر فوراً جنگ و جدل کا سب خیال اپنے دل سے دُور کر دیں۔ جس طرح کہ ایک شراب خوری سے پرہیز کرنے والا شراب کا خیال اور گوشت خوری سے پرہیز کرنے والا گوشت کا خیال ترک کر دیتا ہے۔" یہی معمولی معقول پسندی اور عام عقل کی بات ہے۔ بعض بھلے آدمیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ دُنیا میں صنعتی طور پر امن و امان قائم ہونے سے پہلے چند جنگ لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔ لیکن یہ ایک نرا اور کورا وہم ہے۔ کہ مزید جنگ و جدل کا نتیجہ دوستی۔ صلح اور امن ہو گا۔ اور جتنے زیادہ ٹینک اور بم بنائے جائیں گے۔ اتنی ہی جلدی امن و امان کا سُنہری زمانہ رُونما ہو گا۔ کیونکہ جنگ سے ہمیشہ جنگ ہی پیدا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ آم سے آم اور ببول سے ببول پیدا ہُوا کرتا ہے بقول کسے ؂ از مکافات عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو ۔ نیز

؂ ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

امن تو صرف امن سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اور نیکی نیکی سے ہی۔ نفرت۔ لالچ، انتقام، خوف، پہلے اِن سب مکروہ جذبات کی بیخ کنی لازم ہے۔ لیکن کیا کوئی سپاہی بم، کے گولوں اور گولیوں پر ایمان رکھتا ہوا ایسا کر سکتا ہے؟ پہلے قوموں قوموں میں باہمی عدل و انصاف کا راج قائم کر کے انہیں ہر طرح کے کاموں اور اُن سے پیدا ہونے والی دولت و ثروت کو ایمان داری و دیانت کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لینے کا سبق سیکھنا ہوگا۔ لیکن کیا کوئی سپاہی اس سبق کی اہمیّت و عظمت کو صاف طور پر سمجھ سکتا ہے؟ جب تک مدبر یہ سمجھتے رہیں گے۔ کہ سیاسیات کی گتھی ہمیشہ تلوار کی نوک سے ہی سلجھائی جا سکتی ہے۔ تب تک وہ اُسے دانش مندی، دُور اندیشی، محبت۔ صبر اور انصاف سے سلجھانے کا خیال تک بھی کبھی اپنے دل میں نہ لا سکیں گے۔ کیونکہ جنگ انسان کے ضمیر کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ شریف مردوں ہی نہیں بلکہ عورتوں کو بھی غرانے والے شیر، چیتے اور بھونکنے والے کتے بنا دیتا ہے۔ یہ امن پسند شہریوں کو وحشی، مکار، جھوٹے، دغاباز، قاتل اور سفاک حیوان نما انسانوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ تہذیب و ترقی کی تمام اہمیت و عظمت کو فنا کر کے انسانی زندگی کے تقدّس و پاکیزگی سے انکار کرنے لگتا ہے۔ جو کہ مجلسی اخلاق کا ایک ایسا اہم اصول ہے۔ جس پر اُس کی چول ٹکی ہوئی ہے۔ یہی ہر تہذیب کے تنزل و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جس کے اثر سے عام آبادی بھی کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ جمہوری حکومت اور شہری آبادی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ مطلق العنانی کا بہترین معاون اور مددگار ہے۔ یہ عورتوں کی پوزیشن کو درجہ مساوات سے گرا کر انہیں سرگرم شہری کی زندگی سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ آزاد شخصیت کو ایک حاکمِ مطلق کی ماتحتی میں لا کر اس کی آزادی و حریّت کا خاتمہ پڑھ دیتا ہے یہ ہمیشہ فیسزم اور سلطنت پرستی کا نقیب و سفیر ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک پیدائشی سپاہی ایک پیدائشی غلام بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ دوسروں کو غلام بنانے کے لئے بڑے غرور و افتخار سے

باہر نکلتے ہیں۔ وہی بہت جلد ظالموں کے غلام بن جاتے ہیں۔ یہ مخالفانِ جنگ کا کوئی من گھڑت افسانہ نہیں۔ بلکہ صفحاتِ تاریخ کی ایک سنجیدہ سچائی ہے۔ جس کی صداقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے خواہ اور کوئی فریق بھی کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو۔ "مخالفِ جنگ امن پسندوں" کو بھی کسی طرح جھوٹا ثابت نہیں کیا جا سکتا وہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب ایک سیدھے راستے پر قدم زن ہیں۔ جو نہ بہ سویرا انہیں اس "امن کے مندر" تک پہنچا ہی دیگا۔ جس کے خوشنما بنیادی ستون محبت، انصاف، آزادی اور خوشحالی ہیں۔ اُن میں سے سب سے بڑا ستون محبت اور پریم کا ہے۔ کیونکہ محبت اور پریم ہی صرف عالمگیر امن و امان کے سنہری دن کو نزدیک سے نزدیک تر لا سکتے ہیں۔ آج تو ہم انگلستان کے مشہور شاعر ٹینی سن کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں:۔

آہ! وہ مبارک دن کب آئیگا؟ جبکہ سب انسان نیک ہو جائیں گے۔ ہر ایک شخص کا اپنا راج ہو گا۔ دنیا میں روشنی کی ایک پُر نور کرن کی مانند وار پار پھیلا ہو گا اور نیلگوں سمندر میں اس کے عکس سے ایک منوّر راستہ سا بنا ہوا نظر آئے گا:۔

برطانیہ کی "کویکرز" جماعت کو اس بارے میں ایک نہایت مبارک خیال سوجھا تھا۔ وہ یہ کہ جو بھی قومیں برطانیہ کے ساتھ برسر جنگ ہوں۔ اور خصوصاً جنہیں برطانیہ کی جنگی سرگرمیوں سے کچھ نقصان پہنچا ہو۔ وہاں کے باشندوں کو دوستانہ پیغامات اور قابلِ قدر تحفہ جات بھیجے جائیں۔ چنانچہ جنگ کریمیا کے بعد انہوں نے فن لینڈ کے ساحلی علاقوں کے باشندوں میں اپنا ایک "پریم مشن" اُن لوگوں سے دوستی اور محبت کے تعلقات پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ اس جنگ میں اس علاقے کو برطانیہ کے ہاتھوں بہت نقصان پہنچا تھا۔ انہوں نے اُن کی امداد کے لئے نو ہزار پونڈ چندہ جمع کیا۔ اور اس طرح خلیج بوتھنیا کے مصیبت زدہ ساحلی باشندوں کو صرف

بھوکوں مرنے سے ہی نہیں بچایا۔ بلکہ اُن کے ذرائع روزگار کو بھی پھر منظم کر کے اُن کے دل سے اس تلخی اور عداوت کو دُور کرنے کی بھی کوشش کی۔ جو دورانِ جنگ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُن "کویکرز" کی طرح ہم پیروانِ انسانی دھرم" بھی دنیا میں کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے ❊

حکومتوں اور ریاستوں کے اس باہمی جنگ و جدل کے علاوہ عیسائیوں نے مجلسی امن و امان کے سلسلے میں انسانیت کے جذبات پھیلانے کے لئے بہت کچھ کام کیا ہے۔ وہ روم میں کبھی شمشیر زنی کی نمائشی تماشے دیکھنے کے لئے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ جنوری ۱۰۴ء میں راہب ٹیلی ماکس نے تو ان نمائشوں کو بند کرانے کی کوشش میں ہی نمائش گاہ کے اندر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ زمانہ وسطیٰ میں چرچ کی کوششوں سے انسانی قربانی بند کر کے "انسان اور خدا کے درمیان ایک صلح نامہ امن و امان" کا اعلان کیا گیا تھا۔ سنٹ کیتھرائن نے اٹلی کے مختلف شہروں کے درمیان رشتہ امن قائم کرایا۔ چرچ نے خوں ریز مقابلہ آرائیوں (Duel) کی بھی حوصلہ شکنی کی۔ چلی اور ارجنٹائن میں امن و امان کی علامت کے طور پر حضرت مسیح کے گرانڈیل بُت نصب کئے گئے۔ "انسانی دھرم" بھی ہمیشہ اور ہر جگہ امن ہی امن دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اسی کو ترقی دیتا ہے ❊

۷۔ عیسائیت اور نفرت و حقارت

عیسائیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہم کسی مرد یا عورت کے ساتھ اُس کے کسی گناہ، جرم، قصور یا کمزوری کے باعث نفرت و حقارت سے ہرگز پیش نہ آئیں۔ اور گناہ گاروں کو گناہوں کے دلدل سے بچانے یا نکالنے سے کبھی مایوس نہ ہوں۔ خواہ وہ اس میں کتنے ہی گہرے کیوں نہ پھنسے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاقی بدیاں بہت مضبوط اور زبردست ہیں۔ لیکن محبت اور نیکی اُن سے بھی زیادہ زبردست ہے۔ محبت نے ہی

میری میگڈالین جیسی فاحشہ اور انگولی مالا جیسے قزاق اور ڈاکو کا دل بدل کر انہیں سنت اور دھرم پرچارک بنا دیا۔

ہر ایک ریگستان میں بھی ایک خاص گہرائی پر پانی موجود ہے۔ اسی طرح نیکی اور پاکیزگی بھی ایک گرے سے گرے ہوئے مرد یا عورت کے دل کی اندرونی گہرائیوں میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود رہتی ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے۔ کہ محبت اس کی تلاش میں گہرے سے گہرا کھودتی چلی جائے۔ حتیٰ کہ وہ آخر میں اس کی خالص پاک و نیک روح تک پہنچ جائے۔ ایک سچا عیسائی کسی شراب فروش یا مرد یا عصمت فروش تجربہ سے بھی نفرت نہیں کرتا۔ اور نہ اس کی اصلاح سے مایوس ہو کر اس سے منہ ہی پھیر لیتا ہے۔ وہ نہ کسی شرابی، زانی، بدکار، قاتل، سپاہی، لٹیرے، کنجوس، شیخی باز یا بدی و گناہ کے کسی اور ہی بدقسمت غلام کی بہتری کی طرف سے کبھی مایوس ہو سکتا ہے۔ یا اس سے نفرت کر سکتا ہے۔ بلکہ برعکس اس کے وہ اُسے برادرانہ الفت سے اپنی چھاتی سے لپٹانے کے لئے ہر قدم پر مضطرب ہو کر آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ وہ گناہ سے نفرت کرتا ہوا بھی گنہگار سے محبت کرتا ہے۔ کوئی شخص بھی اتنا گرا ہوا نہیں ہوتا۔ جو پھر اٹھ ہی نہ سکتا ہو۔ کیونکہ کوئی شخص بھی خواہ کتنا ہی وحشی اور ناقابل اصلاح کیوں نہ ہو۔ درحقیقت انسانی خواص سے بالکل ہی خارج یا عاری نہیں ہو سکتا۔

یہ ایک لامحدود امید اور لامتزلزل عقیدت مندی کی تعلیم ہے۔ یہ اہنسا پرستی کا جوہر ہے۔ جو ہمیں ہمیشہ انسانیت کے لئے اُبھارتی اور اکساتی رہتی ہے کہ نیکی اور پاکیزگی کے راستے تمام بھولے اور بھٹکے ہوؤں کو پھر اس پر لانے کی کوشش کرتے رہو۔ اور صرف محبت ہی یہ نتیجہ دکھا سکتی ہے۔ کیونکہ صرف محبت ہی گناہ کی زنجیروں کو کاٹ کر گنہگاروں کو اُن سے آزاد کر سکتی ہے۔ اپدیش، لعنت، ملامت، سزا وغیرہ یا اور کوئی چیز نہیں۔ یہ ایک نہایت شاندار اور نتیجہ خیز معلومات ہے۔ جس کے لئے

ہمیں عیسائیت اور بُدھ دھرم کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے۔ جنہوں نے ہمیں یہ بتلایا ہے۔ کہ محبت ہی سب پر فتح یاب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ محبت ہی حقیقتاً سب سے زبردست طاقت ہے۔

"جو تندرست ہیں انہیں کسی معالج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف بیماروں کو معالج کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نیکوں سے توبہ اور پشچاتاپ کرانے کے لئے نہیں آیا۔ صرف بدوں اور گنہگاروں سے توبہ کرانے کے لئے آیا ہوں"...... "تم میں سے کون ایسا شخص ہے۔ جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ایک بھیڑ گم ہو جانے پر وہ باقی ننانوے بھیڑوں کو بھی جنگل میں چھوڑ کر اس ایک گم شدہ بھیڑ کی تلاش میں اُس وقت تک مارا مارا نہیں پھرے۔ جب تک کہ وہ اُسے پھر نہ ڈھونڈ لے"... فریسیوں اور ان کے محرروں دونوں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ کہ یہ شخص گناہگاروں کو چھاتی سے لگاتا ہے۔ اور اُن کے ساتھ کھانا کھاتا ہے"....

۸۔ محبّت کی طاقت

محبّت گناہگار کو تلاش کر لیتی ہے۔ وہ فیاض بھی ہے۔ اور نکتہ چین بھی، وہ دوسروں کا انصاف سختی کے ساتھ نہیں کرتی۔ ایک سچا عیسائی اپنے ہمسایوں کی نکتہ چینی کرتا ہؤا تلخی سے کام نہیں لیتا۔ نہ وہ کسی کی کمزوریوں کے لئے اسکی مذمت ہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ دنیا میں مکمل اور نشپاپ کوئی بھی نہیں ہو سکتا پھر کسے یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھ کر اُن کا انصاف کرنے کی جرأت کر سکے؟ کس نے کبھی نہیں کیا؟ کون گناہ نہیں کر رہا؟ یا کون کبھی گناہ نہ کریگا؟ یسوع کے یہ الفاظ ہمیشہ ہمارے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں:-

"تم میں سے وہ جو گناہ سے پاک ہو۔ اس پر پہلا پتھر مارے"

ایک بد عصمت عورت کی داستان حضرت یسوع کی زندگی میں ایک نہایت ہی خوب صورت اور کبھی مدھم نہ پڑنے والا اُبھرا ہوا اخلاقی نقش ہے۔ کیونکہ کیا پُر ملامت ناعیر فیاضانہ الفاظ پتھروں سے بھی زیادہ سخت اور دل شکن نہیں ہوتے؟

"کسی کے اعمال و افعال کی جانچ پڑتال نہ کرو۔ تاکہ تمہیں بھی نہ جانچا جائے!
تو اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا کیوں دیکھتا ہے؟ جبکہ تو اس شہتیر کا کچھ بھی خیال نہیں کرتا۔ جو کہ تیری اپنی آنکھ میں ہے۔ او مکار پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر تو نکال ڈال۔ میں تجھ پر کیا الزام لگاؤں؟ جا! پھر گناہ نہ کرنا!

پیروان انسانی دھرم کو عیسائیوں سے بھی زیادہ فیاض ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اب تو ہم کچھ کچھ یہ سمجھنے لگے ہیں۔ کہ لوگ ایک خاص طریق عمل کیوں اختیار کرتے ہیں؟ وہ بیچارے ہمیشہ ایک بڑی حد تک اپنے پیشبینی اور وراثتی اثرات، بچپن۔ اور گذشتہ زمانہ کی عادتوں اور حالات۔ یا نادانستہ خلقی و پیچیدہ کمزوریوں۔ (subconcions Complexes) کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔ اس کے لئے اُنہیں الزام نہیں دیا جا سکتا۔ اکثر بیچارے تو در حقیقت یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور اس لئے وہ قابل معافی ہیں۔ ایک فرانسیسی ضرب المثل ہے ہر ایک بات جان لینے سے سب کو معاف کر دینا پڑتا ہے"۔ انسانی دھرم کے ہر پیرو کو اپنے دل میں بار بار اس خیال کو روزانہ دوہراتے رہنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو اتنا اچھا اور نیک سمجھتے رہتے، اپنے سب دوستوں اور ہمسائیوں کی ہر وقت ہی اپنی دماغی خوردبین کی مدد سے نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے رہنے سے بڑھ کر بھدا، کمینہ پن، خود ستائی اور پاجی پن تو اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے نکتہ چین ہمیشہ اپنی ذاتی زندگی کے بڑے سے بڑے نمایاں عیوب سے بھی لاعلم ہوا کرتے ہیں۔ شائد وہ خود تو اتنے زیادہ اندھے نہیں ہوتے۔ جتنا کہ وہ

اوروں کو سمجھتے ہیں۔ یا بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ ہم دُوسروں پر کیچڑ اُچھال اُچھال کر ہی اپنے چال چلن کی سیاہی کو دھو کر اُسے سفید براق بنا سکتے ہیں لیکن اس طرح وہ اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں۔ کیونکہ بہر حال دُنیا اتنی بیوقوف یا اندھی نہیں، جتنی کہ وہ سمجھتے ہیں۔ دُنیا بھر کی ہر سوسائٹی میں ہی گپ بازی۔ غیبت اور بدگوئی کا بازار گرم رہتا ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی ہی لوگوں کا سب سے زیادہ، ہر دلعزیز مشغلہ ہے۔ تاش یا شطرنج، چوسر گنجفہ یا اور دیگر ہر قسم کے کھیلوں اور تفریحات سے بھی بدرجہا بڑھ کر یا بلکہ بعض اصحاب تو اسے ہی اپنی زندگی کی سب سے بڑی مسرّت سمجھتے ہیں ۔

ہم پیروانِ انسانی دھرم کو بھی ہمیشہ شرارت آمیز زبان درازی اور خود پرستی سے نہایت احتیاط کے ساتھ بچتے رہنا چاہئے۔ ہمیں ہمیشہ اور زیادہ تر دوسروں کے اوصاف اور اُن کی نیکیوں کو ہی سوچنا اور اُن کا ہی ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ اور اُن کے عیوب کا صرف کبھی کبھی۔ خاص اور ضروری موقعوں پر، اور وہ بھی شخصی اصلاح کی نیت سے، اس حالت میں بھی ہمیں اس کے متعلق بہت سی باتیں نہ بنانی چاہئیں بلکہ اپنے دل ہی دل میں خاموشی سے یہ عہد کر لینا چاہئے۔ کہ ہم اپنے پریم، دُور اندیشی اور دانائی کی مدد سے فلاں بھائی یا بہن کے اس عیب کو دور کر کے ہی رہیں گے۔ غرضیکہ جب ہم دوسروں کا ذکر کریں۔ تو ان کے اوصاف اور نیکیوں کا ہی ذکر کریں۔ ورنہ بالکل خاموش رہیں اگر ہم اُن کی نکتہ چینی بھی ضروری سمجھیں۔ تو ہمیں علیحدگی میں اُن کا ذکر کرنا چاہئے۔ وہ بھی اس نیت سے کہ اس سے انہیں کچھ فائدہ پہنچے۔ غرضیکہ ہمیں کسی کی غیبت کر کے اُسے ہرگز بدنام نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ وہ بدنامی واقعات اور حقیقت پر بھی کیوں نہ مبنی ہو۔ کیونکہ محبت سے عاری صداقت بھی اکثر جھوٹ بن جاتی ہے اور بغیر دلی فیاضی کے کسی امر واقعہ پر غور کرنے سے بھی

بلاشک وشبہ ایک فرضی افسانہ ہی ثابت ہوتا ہے ؛

اس لئے آپ بھی اپنی زندگی کا یہ قاعدہ بنا لیجئے۔ کہ "ہم ہمیشہ دوسروں کی نسبت اچھی رائے ہی ظاہر کیا کریں گے۔ اور اگر کوئی بُری بات کہنے کی ضرورت بھی درپیش آجائے گی۔ تو شخص متعلقہ یا اس کے کسی خیر اندیش ناصح کے پاس جاکر نہایت محبت اور پریم بھرے الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ کیونکہ "انسانی دھرم" شرارت آمیز اور غیر فیاضانہ بک بک کو نہایت سختی کے ساتھ ناپسند کرتا ہے اور اس بدعادت کو بُرا نے دقیانوسی شہروں کی گندی اور غلیظ کھلی نالیوں سے تشبیہ دیتا ہے۔ جو ہر وقت چاروں طرف بدبو۔ تعفن۔ وبا اور بیماری پھیلاتی رہتی ہیں ؛

اس لئے آئیے! اب ہم تہ دل سے یہ کوشش کریں۔ کہ ہم اپنی مجلسی فضا کو ہر طرح پاک صاف اور صحت بخش رکھیں گے۔ اور اُسے کبھی گندہ نہ ہونے دینگے

اخلاقیات

عیسائیت نے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی اقوال واحکام بھی ہماری نذر کئے ہیں۔ مثلاً :-

" ہر ایک شخص جو کسی عورت پر شہوت آمیز نظروں سے دیکھتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جسمانی نہ سہی۔ بلکہ دلی، دماغی وخیالی"...... جھوٹ کو چھوڑ کر تم سب، بلکہ تم میں سے ہر ایک اپنے ہمسایہ کے ساتھ سچی سچی باتیں کیا کرو"...... " سورج کو اپنے غصہ پر نہ چھپنے دو! یعنی اس چھپنے سے پہلے پہلے ہی اپنا غصہ ٹھنڈا کر دو"...... " شراب سے بدمست نہ ہو۔ کیونکہ اس میں ہی سب فتنہ وفساد پوشیدہ ہے"...... " اگر کوئی کچھ کام نہ کرے۔ تو اُسے کھانا بھی نہ چاہئے "

"نیکی کرنے سے کبھی نہ تھکو"..... "جو شخص بات چیت میں لغزش نہیں کھاتا وہی مکمل انسان ہے"..... "بھائیو! کبھی ایک دوسرے کے خلاف باتیں نہ بناؤ"..... "دیکھو! میں سب چیزوں کو ہی نئی بناتا رہتا ہوں"......

"اعتماد زندگی کی ابتدا ہے اور محبت اس کی انتہا" (سنت اگناسئیس)

"بادشاہ بھی دھرم (چرچ) سے بڑھ کر نہیں"... (سنت امبروسی)

"بدی سے پرہیز کرنا ہی سچا روزہ ہے" (سنت باسل).......

"حسن کو پاک رکھو۔ تاکہ وہ درحقیقت پاکیزہ رہے" (کلیمنٹ)......

"ضمیر کے خلاف کچھ کرنا نہ تو دانائی ہی ہے اور نہ خطرات سے خالی ہی" .... (لوتھر)

(۱۰)

اسلام دھرم

اسلام بھی ایک نہایت زبردست پرچارک دھرم ہے۔ ہاں اس کے سنجیدہ دار پہلو یعنی اس کی وحدانیت۔ غیر متحمل جنگ جوئی۔ نفرتی اوہام۔ خاتمیت اور علیحدگی پسندی کے متعلق غیر منطقی دعووں۔ محلات، حرم، بہشت، دوزخ روز قیامت اور رسوم ختنہ و قربانی حیوانات۔ انتخابی مطلق العنانی (ڈکٹیٹر شپ)۔ کثیر الازواجی (ایک وقت میں بہت سی عورتوں کے ساتھ شادی) غیر منصفانہ قواعد متعلقہ طلاق۔ فنون صورت گری کی ممانعت۔ اکثر رسمی دعائیں۔ فرشتوں۔ جنوں، شیطانوں وغیرہ کے مسائل پر کچھ بحث نہیں کرونگا:

۱۔ بانی اسلام

حضرت محمدؐ صاحب رسول اسلام (سنہ ۵۷۰-۶۳۲ء) ایک بہت ہی بڑے آدمی ہو گذرے ہیں۔ ابھی آپ ایک غریب نوجوان ہی تھے۔ کہ آپ کی انصاف پسندی اور دیانت داری نے "الامین" یعنی "منصف مزاج" جیسا اعزازی مجلسی القاب حاصل کر لیا تھا۔ آپ کے پاکیزہ چال چلن نے ایک چالیس سالہ مالدار بیوہ خاتون حضرت خدیجہ کے دل کو آپ کا ایسا گرویدہ محبت بنا لیا۔ کہ آپ نے پچیس سال کی عمر میں ہی اس سے شادی کر لی۔ اور وہ اپنے آخری دم یعنی

پورے بیس سال تک آپ کی محبوب رفیق و مددگار رہیں ؎

حضرت محمد صاحب نے چالیس سال کی عمر میں اپنے ہم وطنوں میں اپنے مذہبی عقائد کا پرچار کیا جو بُت پرستی اور عیسائیت سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔ اس لئے شروع شروع میں آپ کی سخت مخالفت ہوئی۔ اور آپ کو ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ چلے جانا پڑا۔ مدینہ میں آپ نے اپنے پیروؤں کی نئی جماعت کو زیادہ بطور ایک اعلیٰ واضع قوانین اور عام مدبر کے تنظیم دینا شروع کیا۔ غرضیکہ جس نقطۂ خیال سے بھی دیکھا جائے۔ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی میں آپ نے جو حصہ لیا ہے۔ وہ تاریخ عالم میں نہایت نمایاں ہے ؎

اس رہبر زمانہ کا لیکچر نوعِ انسان کے لئے ایک گرانبہا ورثہ ہے۔ آپ نے اپنے متعلق کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں گناہ سے مُبرا ہوں۔ آپ کے پیروؤں نے بھی آپ کو صرف ایک عظیم الشان رسول ہی مانا ہے نہ کہ انسانی جامہ میں ایک مکمل خدا۔ انہوں نے آپ کو کبھی بھی خدائی درجہ یا دیوتاؤں کا سا مرتبہ نہیں دیا۔ اس لئے ہم آپ کی عالم انتظار زندگی سے اور خصوصاً اس زمانہ زندگی سے جو آپ نے مکہ میں بسر کیا۔ روحانی عظمت کا شاندار سبق حاصل کر سکتے ہیں آپ کی عادات نہایت پرہیزگارانہ تھیں۔ آپ ہمیشہ سادہ خوراک، سادہ پوشاک اور سادہ مکان پر مطمئن رہے۔ آپ حرص و طمع سے بالکل آزاد تھے۔ اپنے ایمان کے لئے آپ نے اپنی جان تک کو بھی خطرہ میں ڈال دیا اور آخر وطن سے ہجرت کر گئے۔ بعدہٗ نہایت مناسب طور پر اہل اسلام نے اپنی تاریخ کی ابتدا اسی روز سے شروع کی جس روز حضرت محمد صاحب کو حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے ایک غار میں رہنا پڑا تھا۔ مغرور اور آتش مزاج عربوں کے مقابلہ میں آپ کو صبر و تحمل کی ایک زندہ مثال کہنا پڑتا ہے۔ آپ کا شیریں تو کل ہی یقیناً آپکی سب سے عظیم الشان

بکی تھی۔ آپ کی لامحدود فیاضی و خیرات آپ کے غیر دُنیادار دل سے ایک چشمہ کی مانند بہہ کر تمام صحرائے عرب کو سیراب کرتی تھی۔ آپ کی عظمت کا اندازہ آپ کے نہایت قریبی شاگردوں اور مُریدوں کی سرگرمی، بہادری، جانبازی سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ جس نے صدیوں تک آپ کی جاری کردہ تحریک میں ایک کبھی ٹھنڈی نہ ہونے والی سرگرمی اور پیاس پیدا کر دی ہے ؛

۲۔ اسلام اور جمہوریت

اسلام لازمی طور پر اپنی سپرٹ کے لحاظ سے نہایت سادہ اور جمہوریت نواز ہے۔ امیر و غریب۔ تیز حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات ہیں یہ زیادہ بڑھی ہوئی غلامانہ ذہنیت کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ پروفیسر ٹی۔ نول ڈیک (NOLDEKE) رقمطراز ہیں۔ کہ جس کسی نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اُسے ہی وہ سب حقوق مل گئے۔ جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنےٰ سے ادنیٰ پیرو اسلام کو حاصل تھے۔ اور اس نے اُن کے تمام فرائض کی ادائیگی کا بار بھی اپنے سر پر لے لیا۔ اور ساتھ ہی اس کے کسی بھی مسجد میں کہیں کوئی خاص نشست کسی بڑے یا ذی حیثیت شخص کے لئے نہیں۔ سب کو پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں ستم رسیدوں، کچلے ہوؤں اور پیچھے کھسوٹے۔ اخت اور غلام باشندوں کے دلوں میں اسلام ہی انسانی عظمت و شان کی چنگاری کو روشن رکھ رہا ہے۔ خواہ وہ اب تک کتنی بھی مدھم اور ننھی سی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ (سوانح عمری حضرت محمد صاحب مصنفہ نول ڈیک) ؛

۳۔ اسلام اور رنگت کا تعصب

دیگر تمام عالمگیر مذاہب کی نسبت اسلام عوام کے دلوں سے رنگ، رُوپ کا تعصب مٹانے اور کم کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہُوا ہے۔ مثلاً افریقہ

کے مسلمان حبشیوں کے ساتھ اپنے عرب ہم مذہب کبھی بھی اچھوتوں کا سا سلوک روا نہیں رکھتے۔ لیکن یوروپین عیسائی، حبشی عیسائیوں کے سایہ سے دُور بھاگتے ہیں اور اُن سے ایسی ہی نفرت کرتے ہیں۔ جیسے کہ غلاظت سے۔ ایک ترکی ادیب مسٹر خلیل خالد رقمطراز ہے۔ کہ جب کوئی مسلمان واعظ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ تو اس کے دل میں بھول کر بھی کسی کو اس بات کا خیال تک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ یہ لوگ کالے ہیں یا پیلے۔ وہ اپنی قسمت اُنہیں کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور اُنہیں میں آباد ہو جاتا ہے۔ بلکہ اکثر وہیں مستقل سکونت اختیار کر کے اُنہیں میں شادی بیاہ بھی کر لیتا ہے اور ہر طرح اُن میں مل کر ایک ہی ہو جاتا ہے (صلیب اور ہلال (The Cross & the Cresent) مسلم سوسائٹی میں شادی اور مجلسی میل ملاپ میں رنگ رُوپ کسی طرح بھی سدِّراہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ دولت اور تعلیم کا فرق بعض مجلسی جماعتوں میں عدم مساوات ضرور پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن نسلی جذبات ان میں مغائرت و منافرت پیدا کرنے کی کوئی بھی طاقت رکھتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے

۴۔ اسلام اور جُوآ

اسلام بھی ہندو دھرم اور بُدھ دھرم کی مانند جوآ کھیلنے کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ اسپارے میں اس کے احکام نہایت نمایاں ہیں۔ جوآ کھیلنا ایک غیر مجلسی فعل بلکہ خلافِ آدابِ مجلس سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد لالچ اور جوشِ خرد مند کے شوق پر ہے۔ یہ مشہور کہ گراوٹ کا ایک کھیل ہے۔ چین۔ جاوا۔ انگلستان اور بہت سے دیگر ممالک میں یہ بہت عام ہے۔ بیشمار گھر اس سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اس سے غریبوں کی اخلاقی طاقت اور دائمی سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ خیراتی مقاصد کے لئے جوآ بھی زمانہ حال کے مکاروں کی ایک ایجاد ہے۔ جسے اُنہوں نے اپنی گنہگار ضمیر کے اطمینان کے لئے جاری کر رکھا ہے۔ اس لئے آپ کو یہ عہدِ مصمم کر

بچنا چاہیئے۔ کہ ہر حالت میں اس جرم سے دُور بھاگیں گے۔ کیونکہ بغیر کسی معاوضہ کے کچھ حاصل کرنا کبھی بھی جائز نہیں کہلا سکتا۔ اس خرابی کا پرچار بھی ہمیشہ عوام کی اخلاقی گراوٹ اور بے حسّی کی ایک زبردست علامت ہے۔ "انسانی دھرم" اسکی مکمل طور پر مذمّت کرتا ہے ؎

۵۔ اسلام اور شراب نوشی۔

اسلام نے عربوں کو شراب نوشی اور اس سے پیدا ہونے والی تمام خرابیوں سے بچا کر انہیں سنجیدہ مزاج اور شریف شہری بنا دیا ہے۔ شراب، خانہ خراب کے خلاف اسلام نے جو جہاد کیا ہے۔ اس سے بہت سی قوموں کو بےحساب فائدہ پہنچا ہے۔ بعض ممالک میں خاص تقریبات کے موقع پر جو معتدل شرابیں پی جاتی ہیں۔ ان کا استعمال چاہے گناہ نہ بھی ہو۔ مگر ہم پیروانِ انسانی دھرم کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ کہ بہت سے ممالک میں لوگوں کو شراب نوشی کی جو عادت پڑ گئی ہے۔ وہ ایک سخت اخلاقی خرابی اور مجلسی کلنک ہے۔ یہ انسانی شخصیّت کے لئے ایک وراثتی مُصیبت اور آئے دن کی ناقابلِ برداشت ذلت ہے۔ یہ ایک ہلکا لیکن قاتل زہر ہے۔ جو انسانی نسل کی ہر طاقت وقوت کو تباہ و برباد کر رہا ہے اور زمانۂ حیوانیت کی ایک شرمناک یادگار ہے۔ جو کسی طرح بھی آج کل کی مہذّب سوسائٹی شایانِ شان نہیں سمجھی جا سکتی۔ بدّھ دھرم۔ جین دھرم اور ہندو دھرم کی مانند اسلام نے بھی انسانیت کے اس دشمن کو جو فرحت، دلفریبی اور بہشتی سرور وطاقت کے دلفریب پردے میں پوشیدہ رہتا ہے۔ خُوب پہچان لیا ہے۔ اور اپنی اس دُور اندیشی و دانائی کے لئے وہ بھی دیگر مذاہب کی مانند ہر طرح تعریف کا مستحق ہے درحقیقت شراب نوشی ایک در پردہ لعنت ہے۔ جس سے ہر ایک پیرو انسانیت کو ہمیشہ پرہیز کرنا اور بچنا چاہیئے ؎

۶۔ اسلام اور تربیتِ نفس

تربیتِ نفس کے لئے اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے۔ کہ ماہ رمضان میں سب لوگ علی الصباح سے غروبِ آفتاب تک روزہ رکھیں۔ لیکن بعض مسلمان رات کو بہت زیادہ کھا لیتے ہیں۔ دوسرے مذاہب مثلاً عیسائیت۔ جین دھرم اور ہندو دھرم بھی بعض موقعوں پر فاقہ کشی کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن قدیم رہنماؤں کو شاید اس روحانی ٹانک (طاقت بخش دوا) کے استعمال کا صحیح طریقہ معلوم نہیں تھا۔ اصولاً تو یہ بالکل ٹھیک ہے کہ کبھی کبھی ایک وقت کھانا نہ کھانے سے جسمانی اور اخلاقی صحت کو ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ انسان کو "پیٹ کا غلام" ہی نہیں ہونا چاہئے۔ بھوک اور پیاس بھی قدرت کی زبردست طاقتیں ہیں۔ لیکن انسان کی قوتِ ارادی ان سے بھی زیادہ زبردست ہے۔ اس لئے فاقہ کشی بھی قوتِ ارادی کے لئے ایک عمدہ ورزش کا حکم رکھتی ہے۔ یہ بھی امن وامان کی حالت میں بہادری کی ایک علامت ہے۔ ایتھنی لیز (ایک یونانی بہادر) اور سکندر دونوں لڑ سکتے تھے۔ مگر فاقہ کشی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر آپ کبھی بھی بھوک پیاس کا مقابلہ کرنے کی جرأت کر سکیں۔ تو آپ کو تربیتِ نفس اور قوتِ ارادی خود بخود بطور انعام حاصل ہو جائیگی۔ اور یہ ایسا ہی ثابت ہوگا۔ جیسا کہ آپ صرف اپنی روحانی و اخلاقی قوت سے اپنی جسمانی اور مادی ہستی پر فتح پا رہے ہیں۔ اُس مرد یا عورت کی حالت بھی کتنی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ جو اس وقت بھی کھانے پینے کی خواہش کو دبا کر نہیں رکھ سکتا۔ جبکہ اس کا فرض اس سے خود انکاری کا مطالبہ کرتا ہے۔

اِس لئے آپ کو اپنی بھوک اور پیاس پر قابو حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی، فاقہ کر کے اس بارے میں اپنی طاقت و قوت کا ضرور امتحان لیتے رہنا چاہئے۔ لیکن یہ مناسب نہیں کہ آپ مسلمانوں کی مانند زیادہ عرصے تک ایک دم فاقہ

کشتی کرتے رہیں۔ کیونکہ دن بھر کھانے پینے سے پرہیز رکھنا ضرورت سے بہت زیادہ سخت ہے۔ جس کا آپ کے روزانہ کام کاج پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ کہ روزہ کی بدولت ایک دن کے لئے بھی آپ کی مجلسی خدمت گذاری کی قابلیت میں کچھ کمی واقع ہو جائے۔ اگر آپ کبھی کبھی ایک وقت کھانا نہ کھائیں۔ یا ہفتہ میں ایک مرتبہ پھل یا سبزیاں کھا کر ہی گذارہ کر لیا کریں۔ تو بہت کافی ہے۔ اس سے آپ کے جسم کا زہریلا مادہ (ٹوکسن) بھی کم ہوتا رہیگا۔ اور خود ضبطی کی عادت بھی کچھ کچھ پیدا ہو جائے گی۔ عملی مقاصد کے لئے ہم پیروان انسانی دھرم کو اس کی ابتدا اس طرح کرنی چاہئیے۔ کہ ہم ہفتہ میں ایک مرتبہ بعد دوپہر کا ناشتہ یا شام کا کھانا بالکل نہ کھائیں اور ہفتے میں ایک دن فرض کر لیجئے کہ اتوار کو ہی، صرف پھل اور سبزیاں کھانے کا رواج ڈال دیں۔ اس طرح ہم آج کل کی نئی دُنیا میں پُرانی روایات کو جاری رکھ سکیں گے:

۷۔ اخلاقیات

اسلام ہمارے سامنے ایک نہایت شریفانہ آدرش پیش کرتا ہے۔ جس کی بنیاد خود ضبطی۔ بے غرضی، صبر و تحمل اور تمام مسلمانوں کے برادرانہ تعاون پر ہے۔ اسلام نے اپنے تمام پیرؤں پر غربا کی امداد کے لئے ایک باقاعدہ کم از کم ٹیکس ۲½ فیصدی کا مقرر کیا ہے۔ جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ مسلمان دُنیا بھر میں ہر جگہ ہی نہایت فیاض و مہمان نواز ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں نہایت فصاحت کے ساتھ بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ "غریبوں اور پردیسیوں کی مدد کرو"

آئیے ہم یہاں بھی اسلامی علم ادب کے چند نوادرات پر غور کریں:۔

"مبارک ہے وہ، جو اپنا مال و متاع اس لئے خرچ کر دیتا ہے کہ وہ پاکیزہ ہو جائے اور کوئی دُنیاوی معاوضہ حاصل کرنے کی نیت سے نیکی

نہیں کرتا"۔ ۔ ۔ ۔ "اپنے رشتہ داروں، ملازموں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ سب آدمیوں سے صداقت آمیز بات چیت کرو اور خیرات کرتے رہو"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "کیا تو اس بے حد ڈھلوان راستے کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے؟ قیدیوں کا تاوان ادا کر کے اُنہیں چھڑا، بھوکوں، اپنے رشتہ داروں، یتیموں اور ان لوگوں کو کھانا کھلا۔ جن کے مُنہ خاک میں بھرے ہیں"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "لعنت ہے اُن پر، جو نیکی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن حاجت مندوں کی حاجت رفع نہیں کرتے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "سُود کھانا چھوڑ دو"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "کسی کو لعنت ملامت کر کے یا تکلیف پہنچا کر اپنی خیرات کو خاک میں نہ ملاؤ"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "انسانوں میں انصاف کرتے ہوئے صداقت کو ہاتھ سے نہ دو، اور اپنے جذبات کی پیروی نہ کرو" "زنا مت کرو، کیونکہ یہ ایک فعلِ بد اور طریق مذموم ہے۔ ہر ایک مومن کو اپنی آنکھوں کو شہوت پرستی سے بچانا چاہیئے"۔ ۔ ۔ ۔ "بدی چھوڑ کر نیکی کی پیروی کرو"۔ ۔ ۔ ۔ اپنے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ خواہ وہ ایک ہوں یا دونوں اور تمہارے ساتھ رہتے ہوئے بُوڑھے ہو گئے ہوں"۔ ۔ ۔ ۔ "نیکی کرنے والا وہ ہے جو خیرات دیتا ہے، اپنے غیض وغضب کو مارتا ہے۔ اور قصورواروں کو معاف کر دیتا ہے"۔ ۔ ۔ ۔ "اے مومنو! انصاف کے راستے پر مضبوطی سے قائم رہو"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "اپنے جانوروں پر اُس وقت سواری کرو، جب وہ سواری دینے کے قابل ہوں اور جب وہ تھک جائیں، تو اُن پر سے اُتر پڑو! بے زبان جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے اور اُنہیں دانہ پانی دینے کا بھی خدا اجر دیتا ہے"۔ ۔ ۔ "نیک وہ ہیں جو مبنی بر انصاف احکام جاری کرتے ہیں۔ اور

بے انصافی کی ممانعت! بنرنیکی کرتے رہتے ہیں اوروں سے بازی لے جانے کی غرض سے نہایت سرگرمی سے کوشاں رہتے ہیں اور مشکلات و مصائب میں صبر و شکر سے کام لیتے ہیں"۔۔۔۔

"مبارک ہیں وہ جو ہمیشہ خیرات کرتے رہتے ہیں۔ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتے ہیں۔ نیز اپنے اعتماد و فرائض نبھاتے ہیں"۔۔۔۔۔۔

"اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں، اپنے لواحقین کے ہمسایوں، اپنے پردیسی ہمسایوں، ہمسفر مسافروں اور سیاحوں کیساتھ نیکی اور مہربانی سے پیش آؤ"۔۔۔۔ "حضرت رسول اللہ کے ملازم

انس انس کا بیان ہے۔ کہ میں دس سال تک آں حضرت کا ملازم رہا۔ مگر آپ نے کبھی مجھے "دور ہو" بھی نہیں کہا"۔۔۔ "حضرت محمدؐ صاحب خود ہی اپنے کپڑوں کی مرمت کیا کرتے تھے، خود ہی اپنی بکریوں کا دودھ نکالا کرتے تھے۔ اور خود ہی اپنے کھانے پینے کا سامان مہیا کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو آپ کو بغیر کچھ کھائے ہی رہنا پڑتا تھا۔ آپ جب عرب کے حکمران بھی ہو گئے تھے۔ تب بھی زیادہ تر کھجوروں اور پانی پر ہی گذارہ کیا کرتے تھے اور اپنا سب روپیہ غریبوں کی امداد اور رفاہ عام کے کاموں کی نذر کر دیا کرتے تھے"۔۔۔۔

۸۔ مختصر سوانح عمریاں

حضرت عمرؓ۔ آپ حضرت محمدؐ صاحب کے ایک شاگرد اور مسلمانوں کے خلیفہ دوم تھے۔ آپ نے ۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک مسلمانوں کی نئی جماعت پر حکمرانی کی۔ باوجود اپنی کثیر الازواجی، سلطنت عرب کی حمایت میں جارحانہ جنگ جوئی اور عقیدتِ اسلامی کے آپ کا شمار نیک فرمانرواؤں میں کیا جا سکتا

ہے۔ مسٹر ایس۔ اے سالاک آپ کے متعلق رقمطراز ہیں۔ کہ "حضرت عمر نہایت ہی بے غرض تھے۔ آپ اپنی غیر جانب داری، زبردست قوتِ ارادی، اخلاقی جرأت اور نظام (ڈسپلن) قائم رکھنے کے متعلق سختی کے لئے خاص طور پر مشہور تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے مالیہ زمین مقرر کرکے اُسے منصفانہ بنیادوں پر قائم کیا، آپ نے ایک نہایت وسیع پیمانے پر سڑکیں اور نہریں بنوائیں۔ مسافر خانے جاری کئے۔ انصاف رسانی میں پاکیزگی کو محفوظ رکھا۔ عوام کو مفت تعلیم دلوائی۔ بوڑھوں اور اپاہجوں کی پنشنیں مقرر کیں۔ مذہبی تحمل و برداشت کو ترقی دی اور غیر مسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت کی ؛

ریاستی سرپرستی کی تقسیم میں آپ نے اپنے رشتہ داروں کی کبھی ذرہ بھر بھی طرف داری نہیں کی۔ ایک مرتبہ رات کو گشت کرتے ہوئے آپ نے ایک عورت کو دیکھا۔ جس کے اردگرد کئی بچے رو رہے تھے۔ دریافت کرنے پر آپ کو معلوم ہوا۔ کہ بچوں کو کئی گھنٹے سے خوراک نہیں ملی۔ آپ فوراً مدینے واپس آگئے اور آپ نے اپنے غلام اسلم کو حکم دیا۔ کہ میری پیٹھ پر بہت سا سامان خوراک لاد دو۔ اس کے بعد آپ خود ہی وہ سب سامان اس عورت کے پاس لے گئے۔ اسلم نے بہتیرا عرض کیا۔ کہ حضور میری پیٹھ پر لاد دیجئے۔ میں لے جاؤنگا۔ مگر نیک دل خلیفہ عمر نے یہ درخواست منظور نہیں کی ؛

آپ نہایت سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ آپ کی پوشاک اکثر پیوند دار ہوتی تھی۔ اور آپ کی خوراک بھی نہایت سادہ تھی۔ یعنی معمولی روٹی اور زیتون کا تیل آپ کی روزانہ خوراک ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھی آپ کے دستر خوان پر سرکہ۔ دودھ گوشت وغیرہ بھی آجایا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ کئی گھنٹے تک محض اس لئے اپنے گھر سے باہر آکر ملاقاتیوں سے نہیں مل سکے۔ کہ آپ کے کپڑے

دھوئے جا رہے تھے۔ اور آپ کے پاس پوشاک کا کوئی دوسرا جوڑا نہ تھا جسے پہن کر باہر چلے آتے۔ یروشلم فتح کرنے کے بعد جب آپ اس مقدس شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کے گھوڑے کے سم اتنے خراب ہو گئے تھے کہ وہ لنگڑانے لگا۔ اپنے گھوڑے کی یہ قابل رحم حالت دیکھ کر آپ فوراً گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنے لگے۔ اس پر کسی شخص نے ایک نہایت بلند قیمت ترکی گھوڑا اور بہت بڑھیا پوشاک کا ایک جوڑا لا کر آپ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن آپ نے اُسے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ . . . ۱۸ھ میں شمالی عرب میں سخت قحط پھیل گیا۔ اس لئے آپ نے یہ عہد کیا۔ کہ جب تک قحط دور نہ ہو جائے گا۔ تب تک میں دودھ اور مکھن استعمال نہ کروں گا۔"

(Early Heroes of Islam by S. A. Salik

حضرت علی۔۔ آپ حضرت محمدؐ صاحب کے شاگرد رشید تھے، اور داماد بھی۔ آپ مسلمانان عرب کے چوتھے خلیفہ تھے۔ آپ نے ۶۵۱ء سے ۶۶۱ء تک حکمرانی کی۔ اسلام کے ابتدائی سورماؤں کی مانند آپ بھی نہایت سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ جب آپ پہلے پہل مدینہ تشریف لائے۔ تو اپنی بسر اوقات کے لئے آپ خود کام کیا کرتے تھے آپ ریاست کے نہایت ہی ہوشیار منتظم ثابت ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ نے حکومت کے خزانے سے اپنے بھائی عاقل کو کسی وقت مقررہ سے پہلے کسی طرح کی مالی امداد دینے سے انکار کر دیا۔

ابراہیم بن ادھم (۷۸۵ء) آپ شہر بخارا کے ایک شہزادے تھے۔ آپ کے ایک بیوی اور ایک لڑکا بھی تھا۔ لیکن آپ اپنا سب گھر بار چھوڑ کر ایک خانہ بدوش درویش کے طور پر زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ نے اپنی راسخ الاعتقادی اور ریاضت کے لئے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کئی سال تک مکہ میں رہ کر بطور ایک مزدور لکڑی جمع کر کے اور فروخت کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ آپ کا یہ قول مشہور ہے کہ میں نے تاج دیکر دانائی کا مرتبہ

مول لیا ہے اور مجھے یہ کوئی گھاٹے کا سودا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگرچہ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن مجھے ضرورت بھی کسی چیز کی محسوس نہیں ہوتی"۔ آپ درحقیقت ایک سچے درویش تھے۔ جو ہمیشہ سب کی بھلائی میں سرگرم رہتے تھے۔ انگریزی شاعر ہنٹ نے آپ کے متعلق ایک نظم لکھی ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "ابو بن ادھم"۔

بایزید بسطامی (۸۷۴ء) آپ بسطیان میں پیدا ہوئے تھے۔ اور شام کے جنگلوں میں تقریباً تیس سال تک ننگے پھرتے رہے آپ اپنے عجز و انکسار کیلئے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "نیک انسان کی تین علامات ہیں سمندر کی مانند فیاض ہو۔ سورج کی مانند مہربان ہو اور زمین کی مانند منکسر المزاج ہو"۔ چوہتر سال کی عمر میں آپ نے فرمایا "میری عمر صرف چار سال کی ہے۔ کیونکہ ستر سال تو میرے محض بے عقلی میں گذر گئے۔ چار سال سے ہی مجھے کچھ عقل آئی ہے"۔

حبیب عجمی (۷۳۷ء) آپ بصرہ کے ایک مالدار سود خور تھے۔ اپنے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ ادھر ادھر اپنے قرض کا سود ہی وصول کرتے ہوئے گھومنے پھرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ اور اس وصولی میں آپ کا جو وقت صرف ہوتا تھا۔ اس کا معاوضہ پانے پر بھی اصرار کیا کرتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ ایک مسلمان درویش سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔ اور اس کی باتوں کا آپ پر کچھ ایسا جادو پڑا کہ آپ نے اپنے سب قرضداروں کو ان کا قرضہ معاف کر دیا۔ اور اپنی تمام دولت خیرات کر کے دریائے فرات کے کنارے اپنے لئے ایک جھونپڑی بنوائی اور باقی عمر اسی میں گذار دی۔ آپ اپنے چال چلن کی پاکیزگی کے لئے خاص طور پر مشہور ہوئے ہیں۔

الغزالی (۱۱۱۱ — ۱۰۵۸ء) آپ خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ نے بغداد کی یونیورسٹی میں فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ آپ یونانی فلسفے کے خاص ماہر جانے جاتے ہیں۔ اس کی بہت سی مشہور کتابوں کا آپ نے عربی میں ترجمہ بھی

کیا ہے۔ بعد میں آپ نشاپور کالج کے پروفیسر بنا دیئے گئے۔ مگر آپ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اس سے بھی مستعفی ہو کر سبکدوش ہو گئے اور صوفی مذہب کے پیرو بن گئے۔ جو اسلام کا ایک متحمل مزاج زود حامی فرقہ ہے۔ جس کے عقاید میں "ہمہ اوست" اور افلاطون کے فلسفانہ عقائد کی سی رنگت پائی جاتی ہے۔ آپکی اخلاقی تصنیفات نہایت گرانبہا ہیں اور تاریخ اسلام میں آپ ایک لاثانی مستی مانے جاتے ہیں۔

رابعہ (وفات ۷۵۲ء) آپ نے بصرہ میں ایک یتیم لڑکی کے طور پر پرورش پائی تھی۔ بعد میں زر خرید لونڈی بن گئیں۔ لیکن آپ کے آقا نے آپ کو آزاد کر دیا۔ اپنی باقی زندگی آپ نے خود ضبطی، ریاضت و پاکیزگی کے کاموں میں ہی بسر کر دی۔ آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ آپ کہا کرتی تھیں۔ "میں نے اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیا ہے" ایک مرتبہ ایک سوداگر نے آپ کو بہت سی اشرفیاں نذر کیں۔ لیکن آپ نے انہیں منظور نہیں کیا:

عبدالقادر جیلانی۔ (۱۰۷۸ - ۱۱۶۶) پیران کلاڑی والے آپ کو اسلام کی چند عظیم الشان ہستیوں میں سے ایک مانا ہے۔ آپ ایک درویش معلم اور ایک سلسلۂ اخوت کے بانی مبانی ہیں۔ سالہا سال تک بطور ایک درویش کے بغداد کے قریب رہتے رہے۔ اور ایک کالج میں قانون اور روحانیات کے معلم بھی بن گئے۔ آپ کے بعد آپ کے لڑکوں اور مریدوں نے ہی آپ کے عقاید کا پرچار کیا۔ اور عوام کو خیرات، بردباری، حلیمی، انکسار اور غریبوں کے ساتھ محبت و پیار کی عظمت سکھلائی۔ آپ کے سلسلۂ اخوت کے واعظ اب بھی چین میں پائے جاتے ہیں:

(۱۱)

صوفی دھرم

صوفی دھرم اسلام کا ایک چھوٹا بچا زاد بھائی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا اسلام سے بہت گہرا تعلق ہے مگر یہ ایک نمایاں طور پر علیحدہ سنجر باب ہے۔ جس جس کی اپنی روایات۔ علم ادب اور آدرش بالکل الگ ہیں۔ اس کی کمزوریوں میں اس کا ہمہ اوست کا عقیدہ، بیخودی آمیز روحانیت۔ مجذوبانہ ذکر" عقبیٰ کا خیال نہ خاموشی۔ ترک۔ وصال معشوق" کی واحد لگن، بدی و بدقسمتی کے صبر و تحمل سے بھری ہوئی برداشت وغیرہ شامل کئے جا سکتے ہیں؛

صوفی مذہب اور نمائشی رسومات۔

صوفی مذہب ہمیں نمائشی رسم و رواج سے نفرت کرنے اور انہیں فضول سمجھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس بارے میں یہ بدھ دھرم، نیز عیسائیت کے Quaker ذکویکر، فرقے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ یہ اسلامی شریعت (قواعد و قوانین) کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہے اور اپنے پیروؤں کو "پیروان طریقت" یعنی روحانی طریق (راستے) کے پیرو" کا نام دیتا ہے؛

" تو لفظی گورکھ دھندوں اور سطحی نمائشوں میں کب تک پھنسا رہیگا؟ اپنے سینے میں محبت کا شعلہ بھڑکا"..... اور موسی دلپسند رسومات کے شیدائی کا طریقہ اور ہے۔ اور جن کے دل اور روح محبت کی آگ سے جل رہے ہیں ان کا رستہ اور! بیوقوف ہنستے ہیں۔ اور مسجدوں کی اہمیت و عظمت کو بہت

بڑھا چڑھا کر ظاہر کرتے ہیں۔ مگر مقدّس انسان اور اس کے دل کو ستانے کی ہر طرح کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے پہلی یعنی مسجد تو محض ایک صُورت اور ڈھانچہ ہی ہے۔ دوسری ایک رُوح اور حقیقت۔ سب سے حقیقی مسجد تو پاک لوگوں کا دل ہے (The Persion Mytics by (Hadland Davis

(مولانا جلال الدین رومی)

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

ہم پیروان انسان دھرم بھی تمام مشبہی بُت پرستی۔ مذہبی مضحکہ پرستی طلسمی پانی کے چھینٹوں اور تالابوں، دریاؤں یا حماموں میں غسل کو نیز خالی از روح منا جاتوں دُعاؤں اور منتروں کے بڑبڑانے کو، پتھروں کے چُومنے، شراب اور روٹی کھانے کی مجلسیں منعقد کرنے، پاک تیل کی جسم یا سر پہ مالش کرنے۔ دعائیہ چکر گھمانے، یادگار پرستی، تیرتھ یاترا، زیارت، جانوروں کی قربانی۔ مُردوں کے نام پہ کھانے پینے کے سامان کی خیرات۔ مُورتیوں کی سجاوٹ اور پُوجا، ایسی ہی دیگر مضحکہ خیز رسومات کو محض فضول سمجھتے ہیں۔ جن میں کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمی پھنس رہے ہیں۔ ہم اُنہیں بیوقوفوں اور کم عقلوں کی فضول و لغو حرکتیں خیال کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی بیہودہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی کنکر چبا چبا کر اپنی بھوک دُور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ کیونکہ ان رسومات و توہمات میں رُوح کے لئے کچھ بھی خوراک موجود نہیں صرف پُجاری، مجاور اور مُلّا ہی ان کی بدولت کما کما کر اپنا گھر بھرتے رہتے ہیں۔ اور لوگوں کی طاقتوں اور توجہ کو غلط راستوں پر ڈال کر اُن کی رُوحوں کو مفلس، نادار اور کمزور بناتے رہتے ہیں۔ جب ایسے توہمات اور مختصر و آسان طریقوں کو حصُول نجات کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔ تو اخلاقی ترقی اور روحانی پاکیزگی کے مشکل راستے پر چلنے کی ضرورت کوئی کب محسوس کرسکتا ہے۔ اسی لئے اخلاق

دنوں دن گرتا جارہا ہے۔ مختلف مذاہب تو صرف آپ کے گناہ دھونے اور روپیوں کے معاوضے میں اُن کی معافی کرانے۔ دعاؤں اور توبہ کے ذریعہ انہیں بخشوانے یا تیرتھوں کے پانی میں انہیں ڈبانے یا آگ میں جلوانے کا دعوے کرتے ہیں۔ لیکن آپ درحقیقت ایسی آسانی سے اپنے گناہوں کی گرفت سے آزاد نہیں ہوسکتے۔ نہیں کبھی نہیں! یہ تو ایک چیچڑی یا جونک ہی مانند آپ سے چمٹا ہی رہیگا۔ جب تک کہ آپ خود ہی اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی سچے دل سے اور نہایت زبردست کوشش نہ کریں گے۔ گناہ سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ صرف اسی وقت مرسکتا ہے۔ جبکہ اس کا خیال روح میں پیدا ہو۔ آگ، پانی یا سونا چاندی تو اسے چھو بھی نہیں سکتے۔ کوئی پجاری، ملّا، دوست یا ہمسایہ کسی منتر جنتر کے اثر سے اس کو دُور نہیں کرسکتا۔ آپ ہی اپنی انتر آتما سے کوشش کرتے ہوئے اگر اُسے تباہ کریں تو کریں۔ کسی مندر، مسجد یا گرجا کے مکارانہ طریق سے اس کے اثرات کو زائل نہیں کیا جاسکتا۔ گناہ تو ایک ایسے بیج کی مانند ہے۔ جو بہرحال پھوٹتا ہے۔ کونپلیں نکالتا ہے۔ اور آخر میں اپنے کڑوے پھل بھی چکھنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ یہ تو بیماری کے اس جرم (چھوٹے سے کیڑے) کی مانند ہے۔ جو آناً فاناً میں ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا ہوکر اپنا زہر سارے جسم میں پھیلا دیتا ہے۔ اس لئے اسے ابتدا میں ہی روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

گناہ سے بدی پیدا ہوتی ہے اور بدی سے آگے اور زیادہ بدی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ حتّیٰ کہ وہ نیکی کو بالکل دبا لیتی ہے اور قتل کردیتی ہے۔ صرف نیکی ہی آپ کو بدی اور گناہ سے بچا سکتی ہے۔ کوئی جادو یا بڑے سے بڑا اسم ہرگز نہیں بچا سکتے نیکی سب کے اندر موجود ہے۔ اس کی تلاش میں آپ کو کہیں بھی بھٹکنے یا مارا مارا پھرنے کی ضرورت نہیں۔ نیکی اور بدی دونوں ہی آپکی اپنی انتر آتما میں پیدا ہوتی

ہیں۔ اس لئے نیکی کو پانی دے دے کر سینچئے اور بڑھانے کی کوشش کیجئے۔ پھر بدی خود بخود مرک کر آہستہ آہستہ مرتی چلی جائیگی۔ یہ لازمی ہے۔ لا بدی ہے اور قدرت کا ایک اٹل نیم ہے۔ اس عمل میں وقت بھی آپ کا سب سے بڑا معاون و مددگار ہے۔ گناہ کے ساتھ جدو جہد کر کے اُسے دبانے اور بھگانے کی کوشش نہ کیجئے۔ بلکہ نیکی کی آگ کے سہارے اُسے گلانے اور اُڑانے میں لگے رہیئے۔ آہستہ آہستہ وہ خود ہی غائب ہوتا چلا جائیگا۔ سردی یا اندھیرا دُور کرنے کے لیے بھی تو آپ کوئی جنگ و جدل نہیں کرتے۔ صرف آگ یا چراغ جلا دیتے ہیں اور انہیں آہستہ آہستہ زیادہ سے زیادہ تر حرارت اور روشنی دیتے ہیں سُورج بھی کہر اور دُھند کے ساتھ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کرتا۔ صرف چمکنا شروع کر دیتا ہے اور کہر یا دُھند اپنے آپ ہی مٹتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح نیکی اور خیر اندیشی سے بدی اور گناہ مٹانے کی طاقت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہی مسرت اور خوشی کا سیدھا اور سچا راستہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام وہم، دھوکا، مکاری اور عیاری ہے۔ اسی لئے انسان دھرم بہانگ دہل یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ

"توہمات سے نفرت کرو اور اپنے اندر نظر ڈالو!"

"جس کسی کو بھی گناہ کا کانٹا اذیت پہنچاتا ہو۔ اس سے یہ کہہ دیجئے۔ کہ "پیارے غریب بھائی! اس کانٹے کو نکال ڈال! ورنہ تیری تباہی میں کچھ بھی شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ تیرے اعمالنامے میں تیری اعمالیوں کی جو تحریر ہے۔ اُسکے کلنک کو نیکی اور سچے پچھتاوے کے پانی سے رگڑ ڈال اور وہ خود بخود صاف ہو جائے گا" (حریری)

۲۔ تصوّف اور دیگر مذاہب

صوفی دھرم یا تصوّف نے دوسرے تمام مذاہب کا مطالعہ کر کے اُن کے

نیاک پہلوؤں کی تعریف کرنے کی تحریک کو تقویت دی ہے۔ اسلامی مسائل پر سنی اور مذہبی عدم رواداری کے جھلسنے ہوئے ریگستان ہیں یہ ایک فرحت بخش اور دلفریب نخلستان کی مانند ہے۔ کیونکہ صوفی کسی بھی مذہب کے نمائشی رسم و رواج اور عجیب غریب طریقوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اس لئے وہ نہایت آسانی کے ساتھ اختلافات سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جن کا ہر ایک مذہب سے نہایت گہرا تعلق رہتا ہے۔ وہ یہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کس طرح نیکی اور پاکیزگی تمام مذاہب میں نور افشاں ہے۔ حالانکہ وہ اپنے بائبل اور پوجا پاٹھ کے طریق میں ایک دوسرے سے اتنے ہی دور دکھلائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ زمین سے آسمان!

صوفی دھرم ہمیں یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ مختلف مذاہب کے بیرونی خول چھلکے کو پھینک دو اور اس میں جو گری یعنی زندہ جان عنصر پوشیدہ ہے اُسے لے لو۔ بیوقوفوں کو خشک و سخت چھلکے خالی خول کے لئے لڑنے جھگڑنے دو۔ آپ بادام پستہ اور اخروٹ کی مزیدار گری سے لطف اندوز ہوتے رہو۔ اسی لئے حضرت مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

ما ز قرآں مغز را برداشتیم ۔۔۔ استخواں پیش سگاں انداختیم

صوفی ہر مذہب کی متبرک کتابوں کا مطالعہ کر کے اُن کی مدد سے اپنے اندر ایک برقی طاقت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹی۔ جے بوآر (Boer) فرماتے ہیں " اسلام میں شروع شروع میں زندہ جانیت کی جو ضرورت تھی۔ اُسے عیسائی ہندو اور پارسی دھرم کے اثرات نے بہت کچھ دور کر کے اسلام کو نہایت مضبوط بنا دیا۔ اور اس طرح اِن نہایت اعلیٰ نشو و نما پاتے ہوئے تہذیبی حالات نے اسلام میں ایک ایسی مسلسل صورت اختیار کر لی۔ جو عام اصطلاح میں صوفی مذہب یا تصوف کے نام سے مشہور ہے۔ ۔۔۔

افلاطونی مسائل نے بھی اس کام میں بہت مدد دی۔ ہندوستانی یوگ نے بھی کم ارکم ایران میں اسلام پر بہت کچھ اثر ڈالا۔ The History of Philosophy of Islam صوفی مصنّف بُدّھ۔ یسوع۔ سقراط اور دوسرے مہاپُرشوں کے کلمات کا ویسے ہی عزّت و احترام سے حوالہ دیا کرتے ہیں۔ جیسے کہ قرآنی آیات کا۔ اُن کا خیال ہے کہ "خدا تک پہنچنے کے طریقے اتنے ہی بیشمار ہیں جتنے کہ بنی آدم کے سانس" انہوں نے اس ناقابل تردید صداقت کو سمجھ لیا ہے اور وہ کھلم کھلا اس کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہر مذہب میں ہی کچھ نہ کچھ صداقت موجود ہے۔ حضرت عمر خیام کا قول ہے :۔

"کعبہ یا بُت خانہ ایک ہی جیسی عبادتگاہیں ہیں۔ گرجا گھر کے گھنٹے بھی اسی عبادت کے گیت گاتے ہیں۔ کمر بند۔ (پارسی پجاریوں اور رومن کیتھولک پادریوں کی کمر کے گرد جو کپڑا یا رسی بندھی رہتی ہے) اور گرجا۔ تسبیح۔ اور صلیب سبھی درحقیقت عبادت کی علامتیں ہیں :

اگر مسلمان یہ جان جائیں کہ بُت درحقیقت کیا ہیں۔ تو انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ بُت پرستی بھی سچی خدا پرستی سے خالی نہیں (محمود شبستاری) :

کیونکہ وہ جس کی تعریف کی جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ہی ہے۔ اس لئے سب مذاہب درحقیقت ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ــــ

(جلال الدین رومی) :

۵ حافظا گر امن خواہی صلح کُن با خاص و عام

با مُسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام (حافظ شیرازی)

مذہب میں جو بھی عناصر کچھ مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں اور وحشت سے تہذیب کی طرف انسانی ترقی کا جو راستہ جاتا ہے۔ اس میں نُور برساتے ہیں۔ اُن

سب کی ہی انسان دھرم ” تعریف کرتا ہے۔ ہم بھی یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ سبھی مذاہب کچھ نہ کچھ اچھے خیالات اور شریفانہ آدرش ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اُن کی غلطیوں اور خامیوں کو ماننے سے بھی صاف انکار کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان سب میں جہاں بہت سے وصف ہیں۔ وہاں کچھ نہ کچھ نقائص بھی ضرور ہیں۔ جیسے کہ ہر چشمے کے صاف شفاف پانی میں مٹی اور گار بھی ہوتے ہیں۔

انسان دھرم اِن سب پرانے مذاہب کو مقطر کر کے اُن میں سے اخلاق اور روحانیت کا شفاف اور نرمل جل حاصل کر لیتا ہے۔ ہم علیحدگی پسندی اور غیر فیاضی کی اس سپرٹ کی مذمت کئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے۔ جو بعض بڑی بڑی مذہبی کتابوں میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہوگی۔ اگر ہم صرف بائبل، قرآن یا ستری گرنتھ دو دھوں ہی مقدس کتاب ہی پڑھتے رہیں۔ جبکہ درحقیقت سب ہی کتابیں ہمیں ورثے میں حاصل ہوئی ہیں۔ اور یہ کتنی زبردست بیہودگی ہوگی۔ اگر ہم صرف مسیح۔ محمدؐ۔ بدھ یا زردشت کی تعلیم سے فیض پاتے رہیں۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ سب ہی مہاپرش ہماری راہنمائی و رہبری کے لئے آئے تھے۔ ہم یہ اتنا بڑا نقصان کیوں برداشت کریں؟ یا تنگ خیالی کی کسی حماقت کو یہ اجازت کیوں دیں۔ کہ وہ ہمارے اس عظیم الشان ورثے کو یوں لوٹ کھسوٹ کر ہمیں ایسا مفلس اور کنگال بنا دے کہ دُنیا کا صرف ایک ہی مہاپرش ہمارا اپنا رہ جائے اور باقی سب غیر و بیگانے بن جائیں۔

ہم یہ اجارہ داری کا اصول کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ صرف ایک بدھ یا ایک رسول ہی کسی خاص زمانے میں ہمیں کوئی تعلیم یا تلقین کرنے کا حق رکھ سکتے ہیں۔ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے۔ کہ یسوع نے موسیٰ کی تعلیم کو بالکل ہی رد کر دیا۔ یا محمدؐ نے یسوع کی۔ یا باب نے محمدؐ کی۔ گویا کہ ہر ایک رسول کی تعلیم بھی

پیرس کی پوشاکوں کے فیشنوں کی مانند ہے۔ کہ نیا فیشن ایجاد ہوتے ہی پرانے فیشن کی مانند ردّی ہو جاتا ہے۔ ہم عقل و دانش کے ایک نقطہ کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اُن مہاپرشوں اور مہاتماؤں کے پریم بھرے ایک ایک کام کی یاد اپنے خزانہ دل میں محفوظ رکھنے کے خواہاں ہیں۔ جن سے اُنہوں نے انسانی تہذیب کے خزانوں کو مالا مال کیا ہے۔ کیونکہ کوئی ایک مذہبی کتاب بھی اتنی مکمل نہیں۔ کہ وہ بذات خود کافی مانی جا سکے۔ اور کوئی مہاپرش یا مذہبی رہنما بھی اتنا دانشمند نہیں۔ کہ اس کی ذات پر ہی تمام عقلمندی اور دانائی کا خاتمہ ہو جائے۔ کوئی مذہبی کتاب بھی ایسی نہیں جو ایشور یا خدا کے دماغ سے نکلی ہو۔ یہ سبھی انسان کے دل و دماغ کی پیداوار ہیں۔ اور کوئی انسان مکمل و علیم کل یا سروگیہ نہیں۔ اس لئے ہر ایک رہنما اپنی تعلیمات میں کوئی نہ کوئی ایسی بات بھول گیا ہوگا۔ جسے دوسرے نے دیکھ کر یا یہ تکمیل کو پہنچایا ہو بلا جسے ممکن ہے۔ کہ ہم پیروانِ انسان دھرم میں سے کوئی اپنے حصّے کے طور پر پورا کر جائے۔ کیونکہ ہر ایک رسول اپنے حالات، مواقع، گرد و نواح کے لحاظ سے عقل و دانش کی لامحدود سطح کے صرف ایک حصّے تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ کسی مرد اور عورت کی کوئی اولاد، لامحدود علم و عقل کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور نہ دُنیا کے محدود معنوں میں کوئی خدا کا بیٹا بیٹی یا اس کا ترجمان ہی بن سکتا ہے ؛؛

یہ وحدت پرستی کا وہم ہی درحقیقت علیحدگی اور جدائی کی وہ سپرٹ پیدا کرتا ہے۔ جو ہر مذہب میں کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ ہر شے میں خدا کو دیکھنے والے پیروانِ ہمہ اوست، یا انہیں بھی اُسے نہ دیکھنے والے ناستک پھر بھی اس کورانہ خبط کے اس درجہ تک سودائی نہیں۔ کسی بھی ایک دماغ یا آنکھ میں صداقت کے تابان و درخشان ہیرے کے ہر پہلو بھی چمک دمک دیکھ سکنے کی طاقت نہیں۔ جیسے جیسے سُورج کی روشنی سے بنی نوعِ انسان کے دل و دماغ زیادہ سے زیادہ روشن ہوتے

جائیں گے۔ ویسے ہی ویسے نت نئے رسولوں اور نئے پیغمبروں پر نئی نئی صداقتوں کا اظہار ہوتا جائے گا۔ اور وہ اپنے نئے آدرشوں کے سانچے میں اپنی اپنی زندگیوں کو ڈھال کر اپنی مثال اور نظیر سے دُنیا کی رہنمائی کرتے جائیں گے۔ اس لئے دُنیا میں کوئی آدرش ختمی یا آخری نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وقت ہمیشہ گذرتا ہی جاتا ہے۔ اور انسان بھی ہمیشہ ترقی کرتا ہُوا اپنی تکمیل کے مدارج یکے بعد دیگرے طے کرتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح ہر ایک نیا رُوحانی درجہ پہلے درجے کی نسبت زیادہ مکمل ہوتا ہے لیکن پھر بھی پُرانے اور قدیم طریقوں کو بالکل ہی ترک یا رد نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں جتنا کچھ بھی مفید و سالم ہُوا ہے نئی تعلیم میں محفوظ ہی رکھنا چاہیئے۔ اور اس طرح اس کا مقصد بھی پُورا ہونا چاہیئے۔ تباہ و برباد نہیں ؎

ہم ہیرو اِن انسان دھرم اب ان قدیم بزرگوں کی نسبت ایک بہت زیادہ وسیع دائرہ میں اپنی نظر گھما سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ہم اُن کے کندھوں پر کھڑے ہوئے ہی یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں اُن میں سے صرف کسی ایک کی ہی عزّت نہ کرنی چاہیئے اور نہ کسی ایک کی ہی تعلیم سے محبت کرنی چاہیئے۔ بلکہ سبھی کو عزّت و احترام کی نظروں سے دیکھ کر اُن کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ اور اُن کی مقدس کتابوں کی تقدیس کو اپنے دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ سال کے ۳۶۵ دنوں میں ہم صرف بیر۔ اوپچے۔ خوبانی یا کوئی ایک ہی پھل برابر نہیں کھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ وقت وقت پر سبھی پھلوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہماری روحانی زندگی بھی مختلف مہاپرشوں کی تعلیم۔ اُن کے کلام اور اُن کی پاک زندگیوں کی شاندار نظیروں سے صحت، طاقت اور قوّت حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ انسان دھرم کی بنیاد ہی تمیز تخصیص اور ایک نہ سیع اور محدود دھرم کے خیال پر ہے۔ یہ زمانہ ماضی کی تمام دانائی و دانشمندی تو تسلیم

کرتا ہوا اُسے اپنے زمانہ حال کی فہم و فراست سے تقویت بخشتا ہے۔ اور یہ اُمید رکھتا ہے۔ کہ زمانہ مستقبل میں بھی اس کی ترقی و تکمیل کا یہ عمل برابر جاری رہے گا اور کبھی ختم نہ ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ مختلف مذہبی اصولوں کا کوئی مشینی مرکب نہیں۔ بلکہ اُن کے جوہر کا ایک نیا آدرش (New Ideal) ہے جو تمام پُرانے آدرشوں کو اپنے اندر شامل کرتا ہوا اُن کا نعم البدل کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک انگریزی شاعر نے اپنی رُوح کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"اے میری رُوح! جیسی تیز رفتاری و سرعت رفتاری کے ساتھ موسم بدلتے جائیں۔ تُو بھی زمانہ ماضی کی نیچی چھتوں کو چھوڑتی ہوئی اپنے لئے اُونچے سے اُونچے اور بلند سے بلند شاندار محل تیار کرتی چلی جا"۔

۱۱۔ تصوف اور خوبصورتی

تصوّف ہمیں احساس خوب صُورتی کے سب سے شریفانہ مسئلے کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ جسے اس نے نئے افلاطونی اصولوں سے اختیار کیا ہے۔ صُوفیوں کے منظوم علم ادب نے یُونانیوں کے فلسفانہ مسایل کو ایک زندہ دین و ایمان کی شکل دے ڈالی ہے۔ بہت سے پہلے مہاپُرشوں نے خوب صُورتی یا حسن و جمال کو اپنی آئندہ روحانی ترقی کے راستے میں ایک رکاوٹ یا پھنسانے والا جال خیال کیا ہے۔ اُنہوں نے اس کی صُورتِ احساس سے ہی زیادہ تعلق رکھا تھا۔ اس لئے یا تو اس کی طرف سے قطعی لاپروائی اختیار کر لی۔ یا اس کی خدمت شروع کر دی۔ لیکن صُوفی دھرم ہمیں یہ بتلاتا ہے۔ کہ ہم اس حسنِ حقیقت کو بھی اپنی اخلاقی ترقی و روشن ضمیری کا ایک دلفریب سرچشمہ یا فوارہ کس طرح بنا سکتے ہیں؟ حسن پرستی کے راستے میں گراوٹ کے جو خطرات اور جو گڑھے وغیرہ ہیں۔ ان سب کو تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ ہمارے سامنے پریم اور محبّت کا ایک نہایت بلند آدرش قائم کرکے

اُسے بُنی کے اصل اصول کے سامنے نوعِ انسان کی دانستہ اور نادانستہ قدرتی عقیدت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس طرح یہ خوب صورتی یا حُسن کو ایک ایسا قدرتی زینہ قرار دیتا ہے۔ جس کی مدد سے معمولی مرد و عورت بھی عشقِ مجازی کی منزلوں سے گذرتے ہوئے عشقِ حقیقی کی منزل میں داخل ہو سکتے ہیں اور اسے بھی بے خوف و خطر طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ صوفی شاعر حضرت جامی فرماتے ہیں :-

" مادے کے ہر ایک ذرّے کو اس نے آئینہ بنا دیا ہے۔ جس میں کہ جمالِ یار منعکس ہو کر ہر طرف مجھے اپنے دلدار کا دیدار کرا رہا ہے۔ گلاب کے پھول سے بھی اسی کا حُسن آشکارا ہے۔ جسے دیکھتے ہی بلبل اس پر پروانہ وار فدا ہو جاتا ہے۔ اسی حُسن کی آگ سے شمع نے نور حاصل کیا ہے جس پر پروانے نے اپنے آپ کو نثار کر دیا ہے۔ سورج میں بھی اسی کا جلال درخشاں و تاباں ہے۔ جسے کمل کا پھول اپنا خوب صورت سر اُٹھا اُٹھا کر برابر دیکھتا رہتا ہے۔ لیلیٰ کی زلفِ مُشکیں میں بھی اسی کی چمک تھی جس نے مجنوں کے ظاہر دل کو اس کے دامِ زُلف میں پھنسا دیا۔ کیونکہ اسی کے نور سے لیلیٰ کا دلفریب چہرہ منوّر ہو رہا تھا۔ اور وہی نور اس کے زُلفِ پیچاں کے ہر پیچ و خم کو جگمگا رہا تھا:"

محبت انسان کو خودی و خود پرستی کے زندان سے آزادی بخش کر کس طرح بے خود بنا سکتی ہے ؟ اس کا اظہار مولانا جلال الدین رُومی اپنے اشعارِ آبدار میں اس طرح فرماتے ہیں :-

" او محبّت ! او رشیریں دیوانہ پن آ ! میں تیرا خیر مقدم کرتا ہوں ! تو ہی ہماری سب کمزوریوں کو دُور کر دینی ہے۔ تو ہی ہمارے غرور و تکبر، خودی و خود پرستی کے امراض سے ہمیں مسیحا کی مانند شفا بخشنے والی ہے۔ تو ہی ہماری

افلاطون ہے۔ تو ہی ہماری غالق ہے۔ تو ہی ہمارے اس جسم خاکی کو فرش زمین سے اُٹھا کر عرش عالی تک پہنچاتی ہے۔ تمام کوہ و صحرا تیرے دیدار سے شاد کام ہو کر فرطِ مسرت سے ناچنے لگتے ہیں"۔

"انسان دھرم اس تمام خوشی کو کسی خیالی خدا سے منسوب نہیں کرتا۔ لیکن وہ صوفیوں کی اس تعلیم کے لب لباب کو سچی اور دلی سرگرمی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ خوب صورتی نیکی کے اس اصول کا جو قدرت میں پوشیدہ ہے نہایت لطیف طور پر اظہار کرتی ہے۔ اور انسان کی روح اس کی طرف ایسی ہی متوجہ رہتی ہے۔ جیسے کہ سورج مکھی کا پھول سورج کی طرف۔ یہی درحقیقت قدرت کا راز ہے۔ یہی وہ زبردست لیور (lever) ہے۔ جس سے کہ ہم اپنے آپ کو خود پرستی کی ذلیل دلدل سے باہر نکال کر روشن ضمیری کی اس دنیا میں پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں جا کر سب مرد و عورت ایک عالمگیر ہستی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قدرت اور ہنر (آرٹس) کی خوبصورتی ہمارے اوپر یکساں اثر کر کے ہمیں مسحور کر دیتی ہے۔ اور اپنی ہستی کا خیال تک ہمارے دل سے دور کر کے ہماری ذات میں گہرے طور پر پیوست شدہ خود پرستی کی زنجیروں سے ہمیں بالکل آزاد کر دیتی ہے"۔

درحقیقت خوب صورتی اخلاقیات کی جڑ بنیاد ہے۔ دراصل مرد اور عورت کی خوب صورتی بھی ایک نہایت گرانبہا رحمت ہے۔ جسے سب کی روحانی بہتری و بہبودی کے لئے کام آنا چاہیئے۔ نہ کہ کسی خاص ہستی کی شہوانی نفس پرستی کے۔ ہمارے نواحات میں ہر جگہ خوبصورتی کا جو نامعلوم اور ناپاک استعمال ہو رہا ہے۔ وہ ہر نسل کی روحانی طاقت کا ایک افسوسناک، شرمناک اور غم انجام نقصان کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عموماً خوب صورتی کو قدرت کی طرف سے خوش قسمتی، عیاشی اور شہوت پرستی کا ایک پروانہ خیال کیا جاتا ہے۔ اُسے روپے کے لئے فروخت کیا جاتا ہے۔ اور شادی کے ذریعہ یا

بغیر شادی ہی زناکاری کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ غرضیکہ شہوانی بداعتدالیوں اور حرام کاریوں کے لئے اُسے ایک ایسا ہی کُھلا پروانہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کلیوپیٹرا۔ بائرن یا میری سٹوارٹ کو خیال کیا جاتا تھا۔ آہ! اس نادر و نایاب جوہر کو کس طرح ناپاک دلدل میں ڈال کر ذلیل کیا جاتا ہے۔ اور بعض ہستیاں جو اپولو اور انھینا جیسی دلفریب و دلکش ہوتی ہیں اور اُنہیں اپنی زندگیاں باکس اور وینس جیسے نااہل و ناقدر شناس لوگوں کے لئے قربان کر دینی پڑتی ہیں ؛

اس لئے خوبصورت مرد اور عورتوں کو ہمیشہ اپنی مجلسی ذمہ واریوں کو پُورے طور پر محسوس کرنا چاہیئے۔ وہ یکساں طور پر مُفید و خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں کی روشنی ہیں۔ انہیں ہمارے دِل اور ہماری رُوح کی روشنی بھی بننا چاہیئے۔ انہیں بیماروں کو آرام۔ غمزدوں کو مسّرت، مایوسوں اور بے ہمتوں کو حوصلہ و ہمّت دینا چاہیئے۔ نیز ایک نیکی و بھلائی کے کام کی کُھلم کھلا یا پوشیدہ طور پر حسب ضرورت اپنی ہستی کے سحر و طلسم سے حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ انسان دھرم کا سوسائٹی کے تمام خُوبصورت مردوں اور عورتوں کے نام یہی پیغام ہے۔ جیسا کہ انگریز شاعر سپنسر (Spenser) نے بھی کہا ہے ؛

"ہر ایک جتنی بھی زیادہ پاکیزہ اور بہشتی نور سے معمور ہوتی ہے۔ اُتنا ہی خُوب صُورت اور دلفریب جسم اُسے رہنے کو ملتا ہے۔ کیونکہ روح کی مطابقت سے ہی جسم اپنی شکل و صُورت حاصل کرتا ہے۔ اور روح ہی وہ طاقت ہے۔ جو جسم کو بناتی ہے۔ اس لئے ہر مرد و عورت کو اپنے جسم کی خوبصورتی بڑھانے اور برقرار رکھنے کے لئے اپنی رُوح کی خوب صُورتی کی حفاظت کرنی چاہیئے اور اُسے کبھی زائل نہ ہونے دینا چاہیئے ؛

۴۔ اخلاقیات

سموتی دھرم ہمارے سامنے اخلاق کا بھی ایک نہایت شریفانہ آدرش پیش کرتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے:-

"خوف و خطرے بھرا ہوا اندر میں محبت ہی وہ کشتی ہے جو بے خوف رکھ سکتی ہے"...

"عورت کی خوب صورتی اکثر مرد کی عقل و خرد کا خزانہ لوٹ لیتی ہے۔ اسلئے ہوشیار رہو"...."محبت گناہ کی زنجیریں توڑ ڈالتی ہے"...."اپنی آنکھوں کو کلی کی مانند بند اور منہ کو پھول کی مانند کھلا نہ رکھو"...."سب کے ساتھ امن و امان کی زندگی بسر کرو"...."فتح و انقلاب ہمیشہ پھول کی مانند مسکراتے رہو"....بیکار خار ہمیشہ خزاں کا ہی ساتھی رہتا ہے"....

"ذلت سے ہی عظمت ملتی ہے۔ کیونکہ شب کی تاریکی کے بعد ہمیشہ طلوع آفتاب کی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے"....

۵۔ سوانح عمریاں

الکندی - آپ عرب کے ایک فلاسفر تھے۔ جو نویں صدی کے ابتدا میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بہت سی یونانی تصانیف کا عربی میں ترجمہ کیا آپ غیر معمولی ذہانت و قابلیت کے انسان تھے۔ آپ نے ریاضی اور علوم قدرت (نیچرل سائنس) کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ مسلم ملاؤں نے آپ کو آپ کی آزاد خیالی کے باعث بہت سی اذیتیں دیں۔

الغزالی - آپ ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے بغداد میں تعلیم پائی۔ آپ نے بہت سے مضامین کا مطالعہ کیا۔ جس میں موسیقی اور کئی غیر ملکی زبانیں بھی شامل ہیں۔ آپ اپنے زمانے میں ارسطو ثانی کہلاتے تھے۔ آپ نے بے شمار مختلف مسائل پر کتب تصنیف کیں اور ۹۵۰ء میں دمشق میں وفات پائی۔

ابو سینا - آپ ۹۸۰ء میں بخارا میں پیدا ہوئے اور ۱۰۳۷ء میں ہمدان میں

وفات پائی۔ طب اور دیگر علوم کا مطالعہ کیا۔ آپ نے "لغاتِ فلسفہ" (انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی) اور "قانونِ حکمت" (کینن آف میڈیسن) تصنیف کیں

ابنِ طفیل - ۱۱۸۵ء مراکش میں انتقال فرمایا۔ آپ نے زمانہ جدید کے رنگ میں یونانی علوم کو مشرقی فہم و فراست سے پیش کیا۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف "حیئی ابن یقظان" میں اخلاقیات کو مذہب کی زنجیروں سے بالکل آزاد صورت میں بطور افسانہ پیش کیا ہے ؛

ابنِ راشد (Averrves) آپ ۱۱۲۶ء میں کارڈووا میں پیدا ہوئے آپ نے اسلام میں عقلیات (ریشنلزم) کو داخل کیا۔ یورپین علماء نے جو یادوا اور دیگر مقامات میں عیسائی توہمات کے مقابلہ میں جدوجہد کر رہے تھے آپ کی تصنیفات کو بہت پسند کیا۔ تصنیفات ارسطو پر آپ نے ایک مشہور شرح تحریر کی ہے۔ آپ نے ۱۱۹۸ء میں وفات پائی ؛

فرید الدین عطار - شہر بلخ میں آپ عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے بعد میں آپ سب کام چھوڑ کر صوفی درویش ہو گئے۔ اور آپ نے بہت سے مسلمان درویشوں کی سوانح عمریاں تحریر کیں۔ آپ نے "پرندوں کی پارلیمنٹ" کے نام سے مختلف مذاہب کے متعلق ایک تمثیلی نظم بھی تحریر فرمائی۔ اور ایک سو دس سال کی عمر میں منگول سپاہیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا ؛

جلال الدین رومی (مولانا روم) آپ ایک مشہور شاعر درویش ہو گذرے ہیں۔ آپ ۱۲۰۷ء میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کونیہ (کنعان) میں علمِ مذہب کے پروفیسر تھے۔ آپ نے اپنی علمیت اور پاکیزہ چال چلن کے باعث خاص شہرت حاصل کی۔ اور مذہبی واعظوں کا ایک نیا

سلسلہ قائم کیا۔ جن کو ایشیا میں خاص عزّت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ۱۲۷۳ء میں آپ نے وفات پائی۔ تو سب فرقوں کے لوگوں نے آپ کے ماتم میں حصّہ لیا۔ جب ایک عیسائی سے یہ پوچھا گیا کہ "تم ایک مسلمان کے لئے کیوں رو رہے ہو" تو اُس نے جواب دیا کہ "ہم اسے اپنے زمانے کا داؤد، موسیٰ اور مسیح مانتے ہیں اور اس کا شاگرد ہونے پر فخر کرتے ہیں"۔ جلال الدین نے ایک مشہور مثنوی تحریر کی ہے۔ جو صوفی دھرم کی مستند کتب میں شمار ہوتی ہے اور "مثنوی معنوی" یا "مثنوی مولانا روم" کے نام سے مشہور ہے ؛

ابو ہاشم، ذوالنون المصری اور شمس تبریز بھی تصوف کے بڑے پرچارک ہو گذرے ہیں۔

سہروردی (۱۱۵۳-۱۱۹۱) آپ ایک مشہور عالم، فلسفی اور درویش تھے۔ آپ نے یونانی فلسفے کا مطالعہ کیا اور ہمہ اوست کے مسئلہ کی نئے افلاطونی اصولوں اور فارسی تخیل کے رنگ میں تشریح و توضیح کی۔ مسلمان ملاؤں نے آپکو کافر قرار دیکر اسی میں جام شہادت نوش کرایا

ملا شاہ (سنہ ۱۶۶۱ء میں وفات پائی) آپ ایک درویش تھے۔ بدخشان میں پیدا ہوئے۔ شمالی ہند اور کشمیر میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کیا۔ آپ اپنی حد سے بڑھی ہوئی سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کے لئے مشہور ہو گذرے ہیں۔ دہلی کے شاہان مغلیہ پر آپ کا بہت رسوخ تھا۔ اسلئے تنگ نظر مسلم ملا ہمیشہ آپ کو اذیتیں پہنچاتے رہے ؛

شعرانی۔ (سنہ ۱۵۶۵ء میں وفات پائی) آپ ایک مصری درویش تھے۔ جلاہے کا کام کرتے تھے۔ خود ساختہ ماہر قوانین (Doctors of law) مسلمانوں اور راشی افسروں اور ہوس پرستیوں کی سخت مذمت کرتے رہے۔ آپ نے غریب کسانوں کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ "اپنے محصولات ادا کرنے کے لئے کسانوں کو اکثر اپنے گائے اور بیل تک فروخت کر دینے پڑتے ہیں"۔ آپ ایک وقت میں ایک شادی کے اصول کے بھی زبردست پرچارک تھے ؛

(۱۲)

مذہب اثبات یا انسان دھرم

POSITIVISM.

مادیت کو یہ جابجا مغربی مذاہب اپنے مشتملات اور جدید طریقوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ بالکل معقول کہا جا سکتا ہے۔ اس کے نقائص اگرچہ کم ہیں۔ مگر پھر بھی رومن کیتھولک مذہب کی عملی نقل (MECHENICAL IMITATION) خیالی پلاؤ۔ عالمگیر ہونے کا دعویٰ۔ غیر جمہوری مجلسی تخیل۔ اصلاح پسندوں اور باغیوں کی غیر منصفانہ نکتہ چینی۔ تنگ پسندی۔ روحانی قوتوں کے متعلق اس کا اصول۔ ذاتی بیوہ پن وغیرہ وغیرہ اس کے نقائص میں شمار کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ اس کا بانی مبانی آگسٹ کومٹی

آگسٹ کومٹی جنوری ۱۷۹۸ء میں مونٹ پے لیر کے ایک معمولی زمیندار درجہ کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پیرس میں رہ کر ریاضی۔ سائنس اور دیگر مضامین کا مطالعہ کیا اور کچھ عرصہ تک سینٹ سائمن میں بھی رہ کر کام کاج کرتے رہے۔ ۱۸۳۰-۴۲ء تک کے زمانے میں آپ نے اپنے فلسفہ اثبات (Positive Philo-SOPHY) کے کورس (نصاب) کو چھ جلدوں میں تیار کر کے طبع کرایا۔ اور جب آپ نے اپنے "مذہب انسانیت" کا پرچار شروع کیا۔ تو رومن کیتھولک کی گورنمنٹ نے آپ کو معلم ریاضی کی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اس سے آپ مفلس قلاش رہ گئے۔ اور آپ کی زندگی کے آخری ایام دوستوں و احباب و شاگردوں کی امداد سے بسر ہوتے

رہے - آپ کا طریق زندگی نہایت سادہ تھا - اور آپ شہر پیرس کے کوچہ مانسیئر پرنس کا مسکان عبادت میں اپنا وقت زیادہ تر مطالعہ ، غور و انکساری اور ریاضت اور اپنے اصولوں کے پرچار میں صرف کیا کرتے تھے - آپ نے ۵ ستمبر ۱۸۵۷ء میں وفات پائی آپ کے بعد آپ کی اس مذہبی تحریک کو پیری لفائیٹ - فریڈرک ہیریسن - ایف ایچ بیسلی - ای کونگریو - ایم آرجم - الیف - بی - ڈی آئی - بی - پی ایڈگر وغیرہ وغیرہ نے انگلستان فرانس - پرتگال ، برازیل اور دیگر ممالک میں جاری رکھا ۔

۳ - مذہب اثبات اور سائنس -

یہ مذہب ہمیں سائنس سے محبت کرنا سکھلاتا ہے - اور مختلف علوم کی درجہ بندی کرتا ہے - یہ دیوتاؤں ، دیویوں ، شیطانوں ، فرشتوں وغیرہ کے متعلق مذہبی روایات اور روحانیات کی ، ان کی تمام نقصان دہ صورتوں میں مذمت و تردید کرتا ہے - کومٹی کا قول ہے - کہ فلسفہ اثبات اپنی تحقیقات کو قوانین قدرت کے ساتھ تعلق رکھنے والی مختلف صورتوں تک ہی محدود رکھتا ہے - اور صرف یہ فرق ہے کہ تجربات سے وابستہ ہے - دنیا بھر کی علم و عقل سے کام لینے والی تمام سماج کو ایک ہی مذہب اس - اسی سنگا کی صورت میں ایک ٹھوس بنیاد پر قائم کر سکتا ہے -

(A General View of Positivism) ۔

زمانہ گذشتہ کے بہت سے فلاسفروں اور پیغمبروں نے سائنٹیفک تجربات اور مطالعہ جات کو ہمیشہ نظر انداز کئے رکھا ہے - بعض مذہبی رہنماؤں نے سائنس کی طرف اپنی اس لاپرواہی کو ہی اپنی شان پیغمبری سمجھ کر اس پر ناز کیا ہے اور کئی ایک نے تو ماہرین سائنس کو اذیتیں دینے میں بھی کبھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی - اسی لئے بہت پرانے مذاہب طرح طرح کے توہمات سے پُر ہیں - کیونکہ جہاں سائنس اور عقل کو کچھ دخل نہ ہو وہاں توہمات کی فصل خوب پھلتی پھولتی ہے - سب توہمات ہمیشہ سے اندھے

اور بہرے چلے آئے ہیں۔ کاش کہ وہ گونگے بھی ہوتے۔ لیکن بدقسمتی تو یہ ہے۔ کہ وہ ہزارہا زبانوں سے چلّانے والے ہیں۔ اور اسی لئے گذشتہ پانچ بلکہ اس سے بھی زیادہ صدیوں سے انہوں نے نوع انسان کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور یہی " عوام کے سب سے بڑے دشمن " ثابت ہو رہے ہیں۔ انسانی ترقی کی شان دار تاریخ میں انہی کی وجہ سے بہت سی غم انجام رخنہ اندازیاں اور دخل در معقولات ہوتے چلے آئے ہیں اور اسی کی بدولت پیدا ہوئی گوناگوں بیماریوں کی بیدی پر لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں کھربوں کی زندگیاں قربان ہوتی رہی ہیں۔ انہوں نے ہی ہمارے بزرگوں کو اُن کی بے اندازہ طاقتوں اور خوشیوں سے محروم رکھ کر انہیں وحشیانہ جہالت میں پھنسائے رکھا ہے انسانوں میں دشمنی وعناد اور کشت و خون کو ترقی دی ہے۔ ان کے دماغ کو ہر طرح کی نشوونما سے عاری رکھکر اُن کی روح کو خوف و خطر کا شکار بنا دیا ہے۔ اور طرح طرح کے بے بنیاد وعدوں سے میٹھا جھوٹی اُمیدوں میں بہلائے رکھا ہے۔ اس نے ہی پجاریوں۔ ملاؤں، پادریوں وغیرہ کا ایک الگ جتھا بنا کر غریبوں کو اُن کے ہاتھوں کو من مانا لٹوایا ہے۔ اور ایک انسان کے ذریعہ دُوسرے کی نوچ کھسوٹ کو جائز ٹھیرا رکھا ہے اور دُنیا میں طرح طرح کے مذہب، مت متانتر۔ فرقے اور سمپردائے پھیلا رکھے ہیں۔ جو ان توہمات کی بدولت بنی نوع انسان کی چھاتی سے بے شمار جونکوں کی طرح لپٹے ہوئے اُن کا خون پی پی کر پھول رہے ہیں۔

یہ توہمات در حقیقت ہائیڈرا کی مانند ہماری تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہوئے ہیں۔ اور سائنس ہی وہ سورما ہرکولیز ہے۔ جو اس عفریت کا خاتمہ کر کے اس کے پنجوں سے ہمیں آزادی اور نجات دلا سکتا ہے۔ سائنس ہی ہمارے لئے مسرت اور خوشی کا پیغام لاتی ہے اور ہمیں یہ خوشخبری سناتی ہے۔ کہ دیکھو وہ ظالم سفاک۔ یہوواہ اللہ۔ اہرمزد۔ انگرہ مینو۔ زیئیس۔ خدا۔ گاڈ۔ مار۔ شیطان، سنکو۔ پشنو، دیوی

پری - بھوت - جن - اسرو غیرہ کہیں نظر نہ آنے والی خیالی - جہالت و لاعلمی سے پیدا ہوتی ہستیاں اب کہیں نہیں رہیں - علم حیوانات نے پروٹوزوا جیسے نامعلوم چھوٹے چھوٹے جانداروں سے لے کر جو صرف تیز سے تیز خوردبین سے نظر آتے ہیں ہاتھی جیسے بڑے بڑے جانداروں کی درجہ بندی کر دی ہے - اور اب ہمیں ان سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں رہی - اس میں شک نہیں کہ مصیبت زدہ نوع انسان کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوشخبری ہے - اور وہ تمام فوق الفطرت - ٹھگ یا بہروپیے جو جسمانی رگ و ریشے اعصاب و عضلات - ہڈیاں اور پٹھوں سے عاری خیال کئے جاتے تھے - سائنس کے جادو سے خلا میں غائب ہو گئے ہیں - اور معصوموں کے خون سے لت پت اُن کی دیویاں اور خونریز قربان گاہیں جو انسان کے دل میں ہیبت و لرزہ پیدا کیا کرتی تھیں - آئندہ ہماری اس خوب صورت زمین کو زیادہ عرصے تک ناپاک نہیں کر سکیں گی ؛

سائنس نے ہمیں یہ بھی سکھلا دیا ہے کہ ستارے - سیارے - پہاڑ - دریا - جانور، درخت ہمارے معبود اور پوجا پاٹ نہیں ہو سکتے - بلکہ انسان کو ان کی ہستی کا مطالعہ کر کے اُن سے اپنے فائدے کے لئے ہر طرح کام لینے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے - نہ قدرتی تغیرات و حادثات مثلاً دُمدار ستاروں کا ظہور - بھونچالوں، طوفانوں، اور آندھیوں کا آنا - گرہن پڑنا وغیرہ ہمیں کسی طرح بھی خوف زدہ کرنے کا باعث نہیں ہو سکتے ہیں - اب ہم بھولے بھالے بچوں کی مانند معجزات کی جھوٹی کہانیوں اور روایتوں پر بھی یقین نہیں لا سکتے - کیونکہ اب ہمیں سائنس نے دماغی طور پر جوان اور بالغ بنا دیا ہے - اور ہم نہ تو قدرت سے غلاموں کی مانند خوف ہی کھاتے ہیں - اور نہ اس کی خوشامد کرنے کی ہی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں - بلکہ ہم دوستوں کی طرح اس سے محبّت کرتے ہیں - اور آزاد مردوں اور عورتوں کی طرح اس کی صحبت اور اس کے مناظر سے

لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ سائنس نے ہماری یہ تمام زنجیریں توڑ کر ہمیں آزاد کر دیا ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی خدمات ہیں۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے طرح طرح کی نعمتیں اور برکتیں مثلاً بھاپ، بجلی، مشینری، ریڈیو، ہوائی جہاز وغیرہ ہم پر نازل کرتی رہتی ہے۔ اور لاکھوں، کروڑوں کو بے وقت موت سے بچا چکی ہے۔ وہ ہمارے بیشمار دشمن جراثیم اور نباتوں کا قلع قمع کر چکی ہے۔ اس نے ہماری فصلوں کو کئی گنا بڑھا کر ہمارے ذخیروں کو اُن کی سمائی سے بھی زیادہ لبالب بھر دیا ہے۔ اور بہت سے نئے پھل پھول پیدا کر دکھائے ہیں۔ نیز دُور دراز آباد قوموں کو ایک دوسرے کے نزدیک لا کر بغل گیر کر دیا ہے۔ یاد رکھو! سائنس ہی خالص نیکی ہے۔ اس میں بدی کی کوئی بھی جھلک نہیں!

"کون ہے جو گیان سے محبت نہیں کرتا؟ کون ہے جو اس کی خوب صورتی پر ناک بھوں چڑھا سکتا ہے۔ کاش کہ گیان انسانوں کی زندگی میں شامل ہو کر ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے! انسانوں کو گیان کا مینار قائم کر کے اس کا جھنڈا لہرانا چاہیئے۔ اور اس کے کام کو ہر جہاں طرف پھیلانا چاہیئے"۔

۳۔ انسان دھرم اور رُوحانیّت

مذہب اثبات روحانیت کو فضول اور بے معنی سمجھ کر اس کی مذمت کرتا ہے کومٹی کا قول ہے کہ اثباتی دھرم ایک سچے پیرو کے لئے تو یہی جاننا روح ہے۔ کہ ان قوانین کی بجائے اِن نام نہاد بنیادی علتوں کا پورا پورا علم حاصل کیا جائے۔ جن سے کہ سب معلول پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ مکمل اور خالص سچائی کی تلاش میں مارے مارے پھرنا اور بھٹکنا تو محض بے سود ہے۔ رُوحانیت داود کی دنیا سے باہر کسی اور طاقت کا خیال کیا ہے۔ ایک لطیف وہم جو کہ فلسفہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اور جس پر صرف علمی حلقوں میں بحث ہی ہو سکتی ہے اس میں محض صفاتی اور غیر منطقی ہستیوں کو انسانوں جیسی شخصیت دے کر یہ فرض

کر لیا جاتا ہے۔ کہ وہ انسانوں کی مانند کام بھی کرتی ہیں۔ اور اُن کے ناموں کے شروع میں بڑے حروف (انگریزی کے) استعمال کر کے انہیں زندگی کی علامات بخش دی جاتی ہیں۔ اس چال بازی سے سب کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جس سے سرود یا ایک (لامحدود) ستیہ (حقیقت)۔ جیون شکتی (طاقت حیات وغیرہ الفاظ میں یہ قوت فرض کر لی گئی ہے۔ کہ وہی دنیا کو پیدا کر کے اُسے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تو صرف تاریخ انسانیت کی الفاظی کا دیوانہ پن ہے۔ بقول میفس ٹوفلیز روحانیت کی حقیقت کیا ہے؟ الفاظ صرف الفاظ! الفاظ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے! روحانیت ہمیشہ ناقابل حل گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف رہتی ہے۔ اور نت نئے ایسے سوالات پیدا کرتی رہتی ہے۔ جن کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا مثلاً یہ کیوں ہوا؟ یہ کہاں سے آیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

بدھ بھگوان کی مانند کوئی بھی لوگوں کو ایسی فضول باتوں پر مغز پچی کرنے سے روکتے ہیں۔ کہ "یہ دنیا کیسے پیدا ہوئی؟ کہاں سے آئی؟ اور آئندہ اس کا کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ "ہمیں شروع میں ہی یہ تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کہ دنیا یا کسی اور چیز کی علتِ غائی کو ڈھونڈھ نکالنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اور ہمیں اپنے علم کو ان قوانین کے جاننے تک ہی محدود رکھنا چاہیئے۔ جو کہ دنیا میں ہر طرف کام کر رہے ہیں" یعنی وہ کیوں کام کر رہے ہیں۔ اور کون اُن سے کام کرا رہا ہے یہ سب کچھ جاننے کی کوشش فضول ہے۔ کیونکہ اُسے حقیقی طور پر کوئی بھی نہیں جان سکتا۔

سائنس ہر ایک تبدیلی کے متعلق یہ تو بتلا سکتی ہے کہ "کیسے ہوتی ہے؟" لیکن اس سے آگے اس اندھی گلی میں گھسنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ کہ "یہ کیوں ہوتا ہے" اس میں بھٹکتے پھرنا تو "روحانیت پرست" وہمیوں کا ہی کام ہے اور انہیں ہی مبارک رہے۔ روحانیت اپنی پرزور آواز کی آپ ہی گونج سُنکر یہ سمجھ لیتی ہے کہ وسیع فضا میں کوئی اور اُسے جواب دے کر اُس کی لاعلمی دُور کر رہا ہے۔ لیکن یہ سب جواب کچھ

غور و خوض کرنے پر اپنے ہی اصلی سوالات کی محض دوسرے الفاظ میں دوسری شکل معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اس لامحدود سوال و جواب کی کوئی بھی انتہا نہیں رہتی اس لئے ہم نہایت ادب و احترام سے افلاطون۔ پلوٹی نس۔ ہیگل۔ بریڈلے۔ وغیرہ علماء کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور ارسطو۔ ڈیموکریٹس۔ ایپی کیوریس کومیٹی۔ ہربرٹ سپنسر۔ وغیرہ رہنماؤں کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ روحانیت تو ایک ہی دائرے میں بار بار گھومتی رہتی ہے۔ لیکن سائنس آگے ہی آگے بڑھتی ہوئی نت نئی سے نئی صداقتوں اور شاندار مناظر کا پتہ لگاتی جاتی ہے۔

۴۔ مذہب اثبات اور انسانی اخوت و اتحاد

یہ مذہب بلا تمیز نسل و مذہب "انسانی اتحاد" پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ نہ کہ نام نہاد عالمگیر مذاہب کے پیرو تو اپنی "برادری" کو صرف اپنے ہم خیال "معتقدوں" کے تنگ دائرے تک محدود رکھتے ہیں۔ اور باقی سب کو "کافر" خیال کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے وہ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں۔ کہ ایک دن تمام دُنیا ان کی ہمخیال ہو جائے گی۔ لیکن ساتھ ہی اُسکے وہ یہ نعرہ بھی لگاتے ہیں "برادری یا جنگ"، یعنی یا تو ہمارے ہم خیال ہو کر ہماری برادری میں داخل ہو جائے۔ ورنہ جنگ کے لئے کمر کس لو" مگر کومٹی لکھتا ہے۔ "انسانیت کی طرف! کیونکہ وہی ہماری نظروں میں سب سے بڑی ہستی ہے۔ ہم ہی وہ صاحبِ احساس عناصر ہیں۔ جن پر مشتمل ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی زندگی کے ہر پہلو کی تمام انفرادی اور مجموعی کوششیں اسی کی طرف بڑھے چلنے میں لگا دینی چاہئیں۔ ہمارے خیالاتِ انسانی کا زیادہ سے زیادہ مکمل علم حاصل کرنے کی طرف راغب ہوں۔ ہماری محبت اس کے لئے وقف ہو۔ اور ہمارے سب اعمال و افعال کا مقصد بھی اس کی ہی خدمت گذاری ہو" انسانیت کے متعلق کومٹی کا تخیل نہایت وسیع اور نہایت گہرا ہے۔ اس میں دُنیا بھر کے سبھی

مرد اور سبھی عورتیں اور بچے شامل ہو جاتے ہیں۔ جو اب زندہ ہیں۔ یا کسی زمانہ آئندہ میں پیدا ہو کر زندہ رہنے والے ہیں۔ اُن کا قول ہے "وہ عظیم ہستی یعنی انسانیت مجموعی طور پر اُن سب جانداروں پر مشتمل ہے۔ جو کسی زمانہ ماضی، حال یا مستقبل میں یہاں ہو گذرے ہیں۔ ہیں یا ہونگے۔ اس طرح انسانیت کی بنیادی نشو و نما کی دائمی ضرورت اور اُسے تسلیم کرتے رہنے کا اصول قائم ہو جاتا ہے۔ اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مختلف موسمی اور نسلی حالات میں بھی تمام انسانوں کی اکثریت میں ایک عام وحدت ہی سب سے زیادہ زبردست اور سب سے زیادہ نمایاں ہے"۔

یہ ضروری نہیں کہ ہم انسانیت پرست بھی اپنی تمام نوع انسان کی پوجا کو کومٹی کی مانند "خدا" کی قائمقام کے طور پر ماننے لگیں۔ کیونکہ اب بڑی چیز کے لئے کسی بھی قائمقام کی ضرورت نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیں تو صرف نوع انسان سے محبّت کر کے اس کی ہر طرح سے خدمت کرتے رہنا ہی اُس کی پوجا سمجھنا چاہیئے جیسا کہ کومٹی سمجھتا تھا۔ اس کے لئے تمام زمانہ ماضی کی تہذیب کی برکتیں ہمارے ساتھ ہونگی۔ اور ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لئے اس پہلو میں جو ورثہ چھوڑ سکیں گے۔ وہ اس ورثے سے کچھ زیادہ ہی ہو گا۔ جو کہ ہمیں اپنے بزرگوں سے نصیب ہوا تھا۔ اسی طرح ہر ایک نسل کو اس ورثے میں اپنے اپنے حصّے کا اضافہ کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہ تہذیب ہی تمام انسانیت مشترکہ کوششوں کی شاندار کامیابی کی مظہر ہے۔ اور "میدان عمل میں برابر ترقی کرتے رہنے" کے خیال سے ہی اسے یہ عظمت و شان نصیب ہو سکی ہے۔ پیروانِ اثبات دھرم کا یہی "وہ کلمہ محافظت" ہے۔ جو اُن کے دلوں میں ہمیشہ ہمّت و حوصلہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ ایک انگریز شاعر کا قول ہے:۔

"انسان! سب انسان میرے بھائی ہیں۔ یہ انسان ہی وہ مزدور ہیں۔ ہمیشہ

کچھ نئی سے نئی فصل جمع کرتے رہتے ہیں! جو کچھ انہوں نے اب تک کیا ہے وہ تو صرف اس کام کا کچھ پیشگی نمونہ ہے۔ جو وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی کرتے ہی رہیں گے :۔

انسانیت میں دُنیا کی سب قومیں اور نسلیں شامل ہیں۔ خواہ وہ گوری ہوں یا کالی۔ سُرخ ہوں یا زرد۔ بھوری ہوں یا گندمی۔ کیونکہ سب ہی نے اس کی ترقی میں اپنا اپنا حصّہ ادا کیا ہے۔ سب ہی اس تہذیب کی کتاب کے مشترکہ مصنف اور وارث ہیں۔ اس سے زیادہ مضبوط اور زبردست رشتہ اتحاد اور کیا ہو سکتا ہے کومٹی نے صرف اتحادِ انسانی کا بطور ایک اصول کے پرچار ہی نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے اس کے حصول اور احساس کا ایک عملی طریقہ بھی تجویز کیا ہے۔ جو کہ بنی نوع اِنسان کی خدمت کے لئے اِنسان کے جوش اور سرگرمی کو روز بروز بڑھاتا اور تیز کرتا جاتا ہے۔ آپ نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ انسان کو مطالعہ تاریخ عالم کو اپنا ایک نہایت اہم شہری فرض سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ تاریخ کا مطالعہ ہی ہمیں اس قابل بنا سکتا ہے۔ کہ ہم تہذیب کی ترقی کو ہی ایک برابر جاری رہنے والا عمل اور کوشش خیال کرتے رہیں۔ اور سب انسانوں کو اپنے اس فرض کی تکمیل کی تعلیم دیتے رہیں۔ عظیم الشان ہمالہ کے شاندار دریائے سندھ کی پانچ شاخیں ہیں ستلج۔ بیاس۔ راوی۔ چناب اور جہلم۔ لیکن ہماری تہذیب و روایات کے اس دریائے ذخارہ کو خراج۔ امداد دینے ادا کرنے والی شاخیں تو ہر زمانے میں بے شمار رہی ہیں۔ جو دُنیا بھر کے ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ تہذیب ہی انسانیت کا سب سے زیادہ بلند و بالا اور مستحکم مینار ہے۔ ذرا اس کے چاروں طرف گھوم پھر کر اُسے دیکھو تو سہی! یہ ہمیں ہمارے قدیم ترین سنگی زمانے کے بزرگوں سے کس طرح وابستہ کر رہا ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے پتھروں کے کلہاڑے، چاقو، تیر، ہل، کشتیاں، پہیئے، سوئیاں اور سوئے ایجاد

کر کے اُن سے اپنا کام چلایا تھا۔ جنہوں نے سب سے پہلے یہ تحقیقات کی تھی۔ کہ گیہوں۔ جو۔ جئی۔ چنے، چاول وغیرہ کی کاشت بھی کی جا سکتی ہے۔ جنہوں نے ایک گھنٹے کو ساٹھ منٹ میں تقسیم کیا تھا۔ اور حساب کے ہندسے تجویز کئے تھے۔ جنہوں نے کپاس، قطب نما۔ چھپائی کا طریق، دُخانی جہاز اور بجلی کا تار ایجاد کیا تھا آپ ان معمولی سوالات کا جواب دیتے ہوئے بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ تمام نسل انسانی آپس میں تہذیب اور مجلسی تعلقات کے نقطۂ خیال سے کتنی وابستہ و مشترک ہے۔ انسانیت کو ایک مجموعہ سمجھے بغیر بھی شاید ہم اس کے ان مختلف چھوٹے چھوٹے خانوں (ذرات) کا صحیح صحیح خیال کر سکتے ہیں۔ جن کے میل ملاپ سے انسانیت کا جسم بنا ہوا ہے۔ اور دماغ اس یادداشت کو محفوظ رکھتا ہے۔ جو ہماری ذاتی شخصیت کی شاہد و ضامن ہے۔ تاریخ ہی نسل کی یادداشت کا کام دیتی ہے۔ وہی اس کے جذبات، ہمدردی و مخالفت کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اجتماع کا خیال پیدا کر کے اس کے احساس کی قوت ہمارے اندر پیدا کرتی ہے۔ اور جب محبانِ وطن اپنے سکولوں میں کچھ اُلٹا پھیر کر کے اور کھینچ تان سے لوگوں کو اسی تاریخ کے سبق پڑھا پڑھا کر اُن میں سے لاکھوں اور کروڑوں کو خوف ناک قتل عام کرنے والے خونخوار قاتل بنا ڈالتے ہیں۔ ایسی غلط تاریخ ہی جنگ و جدل کا شکار ہونے والوں کے مزار و مقبرے تیار کرانے کا موجب بنتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم دوسرے اور بہتر ہی احساس۔ یعنی انسانیت کو اپنی مقدس ماں سمجھ کر اس کے لئے پریم اور محبت کا اور اس کی فتوحات پر فخر و ناز کے، نیز اس کی ناکامیابیوں اور حسرت انجام مایوسیوں کے لئے رنج و افسوس اور اس کی خدمت و تکمیل کے لئے جوش و سرگرمی کے جذبات بھی پیدا کر سکتی ہے۔

کوشش نے یہ بھی کوشش کی۔ کہ تاریخ کو سکولوں اور کالجوں کے میدان سے باہر لاکر

انسانیت کے گھروں تک بھی پہنچایا جائے۔ آپ نے اسے ہماری زندگیوں میں ایک ہانکنے اور آگے بڑھانے والی طاقت بنانے کی بھی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے زمانہ گذشتہ کے بڑے اہم واقعات اور خاص خاص شخصیتوں کی۔ جن میں کچھ ایجاد یا ساخت کی طاقت تھی۔ باقاعدہ یادگاریں قائم کرنے کی طرف توجہ دی بقول لیکہ :۔

"زمانہ قدیم کے یہ مُردے ہی وہ شاہی عصا بردار سلطان ہیں۔ جو اپنے مقبروں سے ہی ہماری رُوحوں پر حکمرانی کر رہے ہیں"۔

تمام مذاہب اور حکومتیں بھی اس طریق سے خوب اچھی طرح واقف تھیں۔ اسی کی بدولت ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ "گڈ فرائی ڈے" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ پورم ولیاکا اور لنکن کا جنم دن کب ہے۔ اور دوسرے تہوار کس کس دن منائے جاتے ہیں۔ لیکن کومٹی وہ پہلا روشنضمیر ہوا ہے جس نے ہم انسانیت پرستوں کے لئے ان یادگاروں کے منانے کی ایک مکمل سکیم تیار کرکے ایک ایسی جنتری (کیلنڈر) تیار کر دی۔ جس میں سال کا ہر ایک دن۔ نسل انسانی کے کسی محسن کی یادگار ہمارے دلوں میں تازہ کرتا ہے۔ اور ان مہاپرشوں کا تعلق بر اعظموں۔ ملکوں، نسلوں اور مذہبوں سے ہے۔ خصوصیت ان کی صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں تہذیب انسانی کی ترقی و عروج کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس لحاظ سے انہوں نے سال کو تیرہ مہینوں میں تقسیم کرکے انہیں حضرت موسیٰ۔ ہومر۔ ارسطو۔ ارشمیدس۔ قیصر۔ سینٹ پال۔ شارلیمین۔ ڈینٹے۔ گوٹن برگ وغیرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا ہے :۔

اب ہمیں اس کیلنڈر پر نظر ثانی کرکے اس میں ترمیم و اصلاحات کرکے اسے اور بھی زیادہ بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زمانہ حال کے نقطہ خیال سے وہ

نہایت ناقص اور غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن ایک ایسی آسانی ادھر اُدھر لے جائی جا سکنے والی تاریخی یادگار زمانہ جدید کے مردوں اور عورتوں کے لئے بہت کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں "انسان دھرم" کی پیرو تمام سوسائیٹیوں اور سب چرچوں کے ہفتہ وار اجلاسوں میں ہندرہ منٹ تک مختلف مہاپرشوں کے سوانح ہائے حیات کا ضرور مطالعہ ہونا چاہیئے۔ اس طرح باون مختلف مضامین "انسان دھرم" سوسائیٹیوں کے ممبروں کے روزانہ غور و خوض کے لئے منتخب کر لینے چاہیئں اور ہفتے بھر میں یہ پروگرام دوہرالیا جانا چاہیئے۔ ہر مہینے ایک تیوہار بھی منایا جانا چاہیئے۔ اور اس کے لئے سال بھر میں بارہ موزوں دن منتخب کر لینے چاہئیں۔ دُنیا بھر کے مختلف حصص کے چند پُرانے تیوہاروں مثلاً عید، دیوالی وغیرہ کو بھی ان میں شامل کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ تیوہار ایک قوم کی زندگی میں برقی ذخیرہ گھروں کا سا کام دیتے ہیں۔ وہ سماج کے مختلف افراد میں باہمی پریم اور ہمدردی پیدا کر کے جوش، سرگرمی، حوصلہ اور اُمید بڑھاتے ہیں۔ زمانہ ماضی کی یاد ہمیشہ ہمیں زمانہ حال و زمانہ مستقبل میں کام کرتے رہنے کے لئے اُبھارتی اور اکساتی ہے۔ تیوہار برادرانہ اور مجلسی میل جول کے شاندار موقعے اور پاکیزہ یادگاریں ہُوا کرتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے روزانہ استعمال کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بوریوں اور بوتلوں وغیرہ میں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی تاریخی واقعات کی کچھ یادگاریں بھی ضرور محفوظ رہنی چاہئیں تاکہ وہ ہماری روزانہ زندگی کی رہنمائی کر سکیں اور ہمارا حوصلہ بڑھا سکیں:

فلسفہ اثبات ایک نہایت زبردست قوتِ تنظیم ہے۔ کیونکہ یہ مہاپرشوں کے سوانح حیات کی مجلسی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ ویر اور نیک انسانوں کی سوانح عمریاں تاریخ کا اخلاقی لب لباب ہیں۔ یونان اور روم کے فلاسفروں اور مدبرہ بھی

ہمیں آج کل بھی دیو جانس - لارشی لیس اور پلوٹارک کی تصنیفات کی تعلیم دے رہے ہیں - یوسو بنی لیس - فرید الدین عطار - الجزاری - ابن خالیقن اور بساری نے ہمارے ہی لئے عیسائی شہیدوں - مسلمان درویشوں اور اطالوی ہنرمندوں کے اقوال و افعال کی یادگاروں کو محفوظ و مامون رکھا ہے - ایسی کتب ہی ہماری اخلاقی رہنمائی کے لاثانی ذرائع ہیں - دُنیا کی ایک وسیع و عالمگیر حکومت کے زیر اہتمام انسانیت کے اتحاد و اتفاق کے راستے میں جو کہ بہی خواہانِ انسانیت اور پیروانِ انسان دھرم کی سب یاسی نشو و نما کی منزل مقصود ہے - تین بڑی کاوٹیں نسل - قوم اور مذہب ہیں ؛

نسل - نوع انسان کو اُن کے رنگ روپ - صورت - شکل اور بالوں وغیرہ کے لحاظ سے کئی مختلف نسلوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے - ان اختلافات نوع انسان کو ایک دوسرے سے اتنا غیر متشابہ بنا دیا ہے - کہ ان میں یگانگت و اتحاد کا خیال ہی اس طرح مٹ سا گیا ہے - امریکہ اور جنوبی افریقہ میں تو وہاں کے گورے اور کالے باشندے باہمی نفرت و حقارت - خوف و خطر بے اعتباری و بے اعتمادی کے باعث نیم دیوانے سے بن گئے ہیں - اور حیوانوں سے بھی زیادہ خونخوار اور بدتر حیوان ہو رہے ہیں - ہمیں کوشش کر کے اپنے آپ کو نسلی تعصبات کی ان مکروہ زنجیروں سے مکمل طور پر آزاد کرانا چاہیئے - اور تاریخ عالم کے مطالعے - مجلسی میل ملاپ باہمی رشتہ داریوں اور اخلاقی پابند خیالی وغیرہ سے اس بارے میں پوری پوری مدد حاصل کرنا چاہیئے ؛

قومیت - عادات و خصائل - زبان - حکومت - رسم و رواج اور طور و طریق کی بُنیادوں پر بنی نوع انسان کو مختلف قوموں کی صورت میں بھی ایک کر دیا گیا ہے ؛

ہم ایسی پچاس کے قریب بڑی۔ چھوٹی۔ مختلف قوموں کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک قوم اپنی سیاسی آزادی اور اقتصادی طور پر اپنی ذاتی تکمیل کی دعوے دار ہے ہر ایک قوم اپنے رنگ برنگے جھنڈوں کو اُونچا لہراتی ہے۔ اور اپنے زٹل قافیوں سے بھرپور قومی گیتوں کو دیوانہ وار گاتی ہوئی دوسری قوموں کے خلاف شک و شبہ کا شکار ہو کر اغیار کا خون بہانا اپنا پیدائشی حق سمجھتی ہے۔ اور اس طرح ایک عالمگیر قتل عام کی وبا میں کل کینی کی ان مشہور بلیوں کی طرح لڑ جھگڑ کر اپنے آپکو ملیا میٹ کر دینے پر آمادہ نظر آتی ہے جو آپس میں اتنا لڑی تھیں۔ کہ اُن کی دُموں کے سوا اُن کا کچھ اور نشان باقی ہی نہیں رہا تھا۔

اس لئے ہم پیروانِ انسان دھرم کو قومیت کے نقطۂ خیال سے بھی کبھی کچھ غور و خوض کرنے کی عادت کو آہستہ آہستہ بھولتے جانا چاہیئے۔ اس تمام مصنوعی جتھے بندی کی بنیاد ہی کیا ہے؟ صرف علم ترکیب دُنیا (جیالوجی)، جغرافیہ۔ تاریخ۔ یا علم زبان کے چند عارضی حادثات! حقیقی انسانیت کی سپرٹ تو ہر طرح کی حد بندی سے بالاتر ہے مجھے تو کہیں بھی کوئی "غیر یا پردیسی" دکھائی نہیں دیتا۔ انسانی روح صرف ایک زبان جانتی ہے اور بولتی ہے۔ وہ صرف ایک ہی گیت گاتی ہے۔ صرف ایک ہی ماں سے محبت کرتی ہے۔ اور وہ ماں ہے ہماری "دھرتی ماتا" وہ ان پچاس سے زائد قوموں کے سب شہریوں کو انسانیت کے ناطے سے بھائی بھائی سمجھتی ہے۔ اس لئے ان جداگانہ حکومتوں۔ اُن کے جھنڈوں۔ اُن کے قومی گیتوں۔ ان کے قواعد تجارت پروانہ ہائے راہداری۔ بری و بحری اور ہوائی فوجوں اور بیڑوں کو دفع کرو! ہمیں دُنیا بھر میں ایک ہی وسیع و عالمگیر فیڈرل حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جس کے تمام انسان شہری ہوں۔ اور سب ایک زبان بولیں۔ کیونکہ اب مہلت بہت کم ہے۔ قسمت ہمارے سروں پر یہ چلاتی ہوئی منڈلا رہی ہے۔

"ایک وسیع عالمگیر پُرمحبت حکومت یا باہمی جنگ و جدل کی قیامت"

اب ان دونوں میں سے ایک منتخب کر لیجئے۔ بیشتر اس کے کہ یہ موقع بھی اپنے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے اور پھر کف افسوس ملنے کے سوا اور کچھ بھی باقی نہ رہے ؛ مذہب - بعض مذہبی عقاید جنگ و جدل کی آگ کو ایسے یقینی طور پر بھڑکاتے ہیں - جیسے کہ غیر موسمی بخار پیدا کیا کرتے ہیں - وحدانیت کا مسئلہ اور اس کی مختلف جدائی پسند شاخیں - مکتی - نجات - الہام وغیرہ وغیرہ جو انسانیت کو مومن - کافر - مغفور - ملعون - مقبول - معتوب وغیرہ وغیرہ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں شاخ در شاخ تقسیم کرتی ہیں - یہی لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف وحشیانہ منافرت پیدا کر کے پُر از بیت خُوں ریزی کی خواہش کو پھیلاتا اور تقویت دیتا ہے - محبت اور دوستی کے جذبات کو مارتا اور کچلتا ہے - اور دُنیا بھر میں اتفاق و اتحاد کا قلع قمع کرتا ہے - ہم پیروانِ "انسانی دھرم" نے ایسے خونریز توہمات کے خلاف ایک دائمی جہاد کا اعلان کر دیا ہے - اگر انسان کو امن و امان سے زندگی بسر کرنا ہے - تو اسے خدا کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنا ہوگا ؛

تنگ دِل روحیں ہمیشہ یہ خیال کرتی ہیں - کہ فلاں شخص ہماری نسل - قوم - خاندان یا مذہب سے تعلق رکھتا ہے - مگر وسیع قلب انسان سبھی انسانوں کو اپنا بھائی سمجھ کر اپنی چھاتی سے لگاتا ہے ؛

उदार चित्त पुरुषाणं वसुधैव कुटम्बकम्॥

(مہابھارت)

۴ - کومٹی اور مذہبی لافانیت

کومٹی نے موت کے بعد مجلسی لافانیت کا بھی ایک مسئلہ قائم کیا ہے - ابتدائی یہودی دھرم نے تو اس مسئلہ پر زور دیا ہے - کہ ہم براہِ راست وارثوں کے ذریعہ جسمانی طور پر لافانی رہتے ہیں - بودھ مفکروں نے یہ خیال پھیلایا ہے کہ ہمارے ذاتی افعال ہی ایک نئی شخصیت کی صورت اختیار کر کے ہمیشہ باقی رہتے ہیں - اور

ہماری خودی فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن فلسفہ اثبات انسانوں کے لئے ایسی کسی جسمانی یا روحانی لافانیت کا وعدہ نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کی بجائے وہ آئندہ انسانیت کے لافانی۔ دماغی اور اخلاقی طبقات میں ایک کبھی نہ مرنے اور نہ مٹنے والی مجلسی لافانیت ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ ہمارے خیالات و جذبات اور اعمال و افعال تہذیب کی صورت میں ہمیشہ قائم رہیں گے۔ خواہ ہماری نسل ہیں۔ ہمارے گوشت اور خون سے کوئی بچے رہیں یا نہ رہیں۔ ہماری اعلیٰ ہستی کے لئے یہ تہذیب ہی ہماری دائمی بہشت ہوگی۔ کیونکہ انسانیت لافانی ہے۔ اس لئے ہم سب بھی اس مکمل کا ایک حصّہ ہونے کے باعث لافانی ہیں۔ روح کی حقیقی زندگی ذرات پر مشتمل نہیں بلکہ خودی اور اہنکار پر انحصار رکھتی ہے۔ یہ مجلسی اور تعاون پسند ہوتی ہے۔ اور نسلاً بعد نسلاً قائم رہنے والی ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے واحد اور ناقابل تقسیم ہوتی ہے۔ انسانیت کے چرچ میں اس کا ہر ایک ممبر اپنی زندگی میں ہی نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی ہر ایک پاکیزہ تقریب میں آ شامل ہوتا ہے۔ یہی اس کی لافانیت کا تخیل ہے آگسٹے کومٹی کا قول ہے۔ کہ "یہ کبھی بھی کہنا مناسب نہیں کہ انسان زمانہ جدید کے روحانیت پسندوں کے مبالغہ آمیز تخیل کے سوا۔ کہیں بھی ایک فرد کی شخصیّت کی حیثیت یگانہ حیثیت سے اپنی کوئی ہستی رکھتا ہے۔ صحیح معنوں میں اس کی ہستی کا تعلّق صرف انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ دماغی اور اخلاقی دُنیا میں انسانیّت کے سوا اور کچھ بھی حقیقی نہیں ؛

اس شریفانہ تعلیم کو ہی انسان اپنی لافانیت کے بہت سے قابل تسلیم اصولوں میں سے ایک تسلیم کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانی مذہب ہی سائنٹیفک اصولوں اور اُن کی سپرٹ کو تسلیم کر کے اُسے نشو و نما دیتا ہے اور ذاتی لافانیّت کی بجائے تمام قیاسی و وہمی بھبھوروں کو نامنظور کر دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے زمانہ تاریخ کی ابتدا سے ہی فائدہ کی بجائے نقصان

پہنچایا ہے۔ ہم سُورگ نرک۔ بہشت دوزخ۔ جنّت اور جہنّم کسی پر بھی یقین نہیں رکھتے
نظامِ عالم میں ایسے طبقات کی موجودگی کہیں بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ نئی دوسو انچ
کی دُوربین بھی اس کا پتہ نہیں لگا سکتی۔ ہم قیامت کے روز سب مردوں کے جی
اُٹھنے اور اپنا آخری انصاف کرانے کے مسئلہ پر بھی اعتقاد نہیں رکھتے۔ ہم ایسے
دُور دراز فاصلے پر بجنے والے ڈھول کی آواز کیسے سُن سکتے ہیں؟ زمانہ مستقبل میں
اسے اتنے دُور کہا جا سکتا ہے۔ کہ شاید یہ کبھی واقعہ ہی نہ ہو۔ چونکہ ہم نے ایک
آزادانہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اس لئے ہم ایسی باتوں پر کبھی یقین نہیں لا سکتے۔ اگر ہم
چاہیں۔ تو بھی ایسی باتوں پر ایمان نہیں لا سکتے۔

اِن رُوحانی طبقاتِ بالائی کے نام نہاد سیاحوں کی باتوں پر بھی ہم اعتقاد
نہیں رکھ سکتے۔ جو بقول خود دوسری دُنیاؤں میں گھوما پھرا کرتے ہیں۔ اس میں شک
نہیں کہ اُن کے بہت سے گواہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ نہایت شرمناک طور پر ایک
دوسرے کی باتوں کو کاٹتے ہیں۔ سویڈن برگ نے بہشت کے جو مفصل حالات تحریر کئے ہیں
ریمنڈ اُن سے بالکل ہی مختلف داستان بیان کرتا ہے۔ اور دوسرے سپر چوالسٹ
میڈیموں کے بیانات بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں مزید برآں مُردہ رُوحوں کی طرف
سے جو نام نہاد پیغامات موصول ہوئے کہے جاتے ہیں۔ انہیں بھی ہم تسلیم نہیں کر
سکتے۔ کیونکہ بعض اوقات جب افلاطون۔ ڈارون اور ایمرسن وغیرہ کی رُوحوں کو بُلایا
جاتا ہے۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے۔ کہ وہ آ کر بات چیت کرتی ہیں۔ تو اُن کی باتیں
ایسی ہی جاہلانہ اور معمولی پڑھے لکھے لوگوں کی باتوں کی سی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ
وہ میڈیم خود ہوتے ہیں۔ پھر ان میڈیموں کی دماغی اور اخلاقی حالت بھی تو روز
بروز گرتی جاتی ہے۔ اس لئے اس امر کا بھی یقینی ثبوت کیا۔ کہ جو پیغام میڈیم
نے دیا ہے۔ وہ درحقیقت کسی شخص کی مُردہ ماں کی طرف سے ہی آیا ہے۔ ماسوا

اس کے یہ میڈیم اکثر عورتیں ہی کیوں ہوتی ہیں؟ پھر اس کا بھی کوئی معقول جواب نہیں دیا جاتا۔ ہمارے پیارے متوفی بھائی بہن وغیرہ براہِ راست ہم سے ہی کیوں باتیں نہیں کرتے اور ایک تیسرے اجنبی شخص کی وساطت سے کیوں کام لیتے ہیں جنہیں کہ ہمیں نقد معاوضہ ادا کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے؛

مرگی کے مرض کو بھی کسی زمانے میں جنوں اور بھوتوں کا سایہ کہا کرتے تھے لیکن سائنس نے اب ان سب جنوں اور بھوتوں کو بھگا دیا۔ اِن رُوحانیت کے معتقدوں کی تمام شعبدہ بازیوں کی تحقیقات بھی اسیطرح سائنٹفک سپرٹ میں ہی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ موجودہ طریق تو بالکل غیر سائنٹفک ہے۔ جس میں اکثر بیرونی شخصیتوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے۔ تو پھر اس کے حقیقی باعث بھی عجائبات قدرت میں ہی تلاش کئے جانے چاہئیں۔ ورنہ یہ دعویٰ بالکل بلا دلیل ہے۔ اور اس کے سامنے سائنس کی کوئی بھی اہمیت نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شخصی بقا کو ثابت کرنے کے لئے جو بھی مشاہدات و مظاہرات کئے جاتے ہیں۔ وہ سائنٹفک تحقیقات سے اکثر فرضی اور ناکامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ اور ہونے بھی چاہئیں۔ کیونکہ قدرت کا یہ نقاب کسی طرح بھی اُٹھا نہیں جا سکتا؛

کسی بے انصافی یا ظلم کا معاوضہ دیئے جانے کے لئے بھی یہ شخصی بقا کا اصول کچھ ضروری نہیں۔ کیونکہ سب خرابیوں کی تلافی اسی زندگی میں ضروری ہے۔ اگر یہاں نہیں ہو سکتی۔ تو ہمیں اپنی مجلسی اور سیاسی حالت کو ایسا سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جس سے آئندہ کوئی بے انصافی نہ ہو سکے۔ مرنے کے بعد انصاف کا وعدہ تو بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ چوری کے چیک کے ذریعہ کسی قرضے کی ادائیگی۔ جس کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ بنک میں اس چیک کے لئے کافی روپیہ بھی موجود ہے یا نہیں ایسے چیک اکثر غیر ادا شدہ رہ جاتے ہیں۔ غرضیکہ انصاف کی فتح کے لئے آپ

کسی تماشائی اور خیالی دُنیا کی شرن نہیں لے سکتے۔ وہ تو یہیں۔ اسی دُنیا اور اسی زندگی میں ہونی چاہئے۔ ورنہ کہیں اور کبھی بھی نہ ہوگی مرنے کے بعد شخصی بقا کا اصول ایک سزارت لغویت ہے۔ کیونکہ وہ انسان کو اس دُنیا میں ظلم و ستم برداشت کرتے رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ایک بہت بڑی حد تک اس کا یہی اثر ہوتا بھی ہے؛

ظالم، جفاکاروں کی سزادہی کے لئے بھی اس اصول کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہیں سزا تو کبھی ملنی ہی نہیں چاہئے۔ بلکہ اُن کا سدھار ہو کر گناہ و جرائم آلود رغبتوں سے اُن کا بچایا جانا تھا بہت ضروری ہے۔ بے رحمی کا پھل کبھی اچھا نہیں ہو سکتا سزا بھی اندھی ہوتی ہے۔ اس کے بعد سماج ہمیشہ بدتر حالت میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بداعمالیوں کے لئے کوئی شخص بھی ذاتی طور پر ذمہ وار نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی کو بھی سزا نہیں ملنی چاہئے۔ لہٰذا ہماری یہ خواہش بھی ہرگز نہیں۔ کہ کسی شخص کو مرنے کے بعد بھی کہیں کچھ سزا ملے۔ پھر آئندہ سزایابی کے اس خیال نے اپنے معتقدوں کی حالت کو کچھ بہتر بھی تو نہیں بنایا۔ مثلاً کیا رومن کیتھولک عیسائیوں کے دوزخ کے خیال نے اٹلی کی تمام آبادی کو مہاتما یا سینٹ (SAINT) بنا دیا ہے؟ ڈیوڈ بروڈ نے سچ کہا ہے۔ "دوزخ تو بہت دُور ہے۔ لیکن لُبھانے والی چیزیں بہت نزدیک ہیں"؛

اسی طرح بقا کا یہ اصول نیکی اور پاکیزگی کے لئے بھی کچھ زیادہ ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا معاوضہ بھی تو دوسری دُنیا میں ہی ملیگا۔ پھر وہ نیکی بھی کیا کچھ نیکی ہے۔ جو پھل کے خیال سے کی جائے؛ کیونکہ خوش اخلاقی کسی روحانی بیمے کی پالیسی تو ہے ہی نہیں جس کا یہاں اس زندگی میں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچ سکے۔ نیک طریق عمل کو تو ہمیں یہاں ہی مسرّت بخشنا چاہئے۔ اور بخشتا بھی ہے۔ اس لئے وہ اسی زندگی میں ہمارے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہی نیکی کا سچا پھل بھی ہے

ماسوا اس کے دوسری دُنیا کی مسرتوں کے خیال سے کسی نیکی کے پھل کا کوئی صحیح اندازہ بھی تو لگایا نہیں جا سکتا۔ یعنی کیا وہ معاوضہ شراب، کباب اور حور و غلمان کی صورت میں ہوگا؟ یا گانے بجانے کی شکل میں؟ یا بہشتی جینیوں کو بہشتی تھیٹروں کے فری ٹکٹ دے دیئے جائیں گے؟ غرضیکہ یہ گورکھ دھندا بھی آسانی سمجھ میں آنے والا نہیں۔ کہ نیکوں کو اُن کی نیکی کا معاوضہ بہشت میں کیسے ملے گا۔ اس لئے یہ مسئلہ ہی فضول اور ناقابل فہم ہے۔

پھر مرنے کے بعد خوشی و مسرت کی ان امیدوں نے مردوں اور عورتوں کو کچھ بہت نیک اور بے غرض بھی تو نہیں بنا دیا۔ اور نہ دنیا میں نیکی و پاکیزگی کی بھوک کو ہی کچھ بڑھایا ہے۔ برعکس اس کے ہم پیروانِ "انسانی دھرم" تو یہ سکھاتے ہیں۔ کہ ایسے تمام عقاید انسانی ترقی کے راستہ میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ اور اس دُنیا کو ہی بہشت بنا دینے کی کوششوں کو ادھر اُدھر فضول راغب کر دیتے ہیں کیونکہ یہ سب خود تو صرف خیالی اور فرضی ہیں۔ جن کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ مگر پھر بھی ان کی بدولت جہالت، بیکاری اور سستی کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ بس یہی ان کا فائدہ ہے

بعض لوگوں کی نظروں میں یہ "مسئلہ بقا" ماتم زدہ لوگوں کے لئے تشفی کا کچھ ذریعہ ضرور ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہمارا کوئی متوفی رشتہ دار بڑھاپے میں اپنی عمر طبعی پا کر مرا ہے۔ تو اس کے لئے ماتم کرنا ہی فضول ہے۔ جب ماتم ہی نہ ہوگا تو پھر اطمینان و تشفی کیسی؟ اگر جوان موت ہے۔ تو بھی یہ تسلی و تشفی صرف ایک مجلسی مرہم ہی ہے۔ جس کی چنداں ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے۔ کہ ان حالات کو ہی بدل ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا جائے۔ جن سے یہ جوان اور پیش از وقت اموات ممکن ہوتی ہیں مگر اس مسئلہ بقا نے اس بارے میں بھی لوگوں کو لاپرواہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے شیر خوار معصوم بچوں اور بے شمار دیگر مردوں اور عورتوں کے

اس خوف ناک قتل عام کی تمام ذمہ واری اسی بد عاید ہوتی ہے۔ جو پیش از وقت موت کا شکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی دھرم یہ تسلیم نہیں کرتا کہ پیش از وقت موت کوئی ایسی بلائے بد ہے۔ جس سے کوئی انسان کا کسیطرح چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم اس وقت تک ہرگز آرام سے نہ بیٹھیں گے۔ جب تک اِن حالات کا بالکل ہی خاتمہ نہ کر دیں گے۔ جن میں کہ انسان پیش از وقت موت کا نشانہ بنتا ہے :۔

تو کیا ہمیں یونی ٹیرین عیسائیوں اور برہموؤں کی مانند یہ مان لینا چاہیئے۔ کہ موت کے بعد بھی کہیں کسی نامعلوم جگہ پر کسی طرح کی زندگی باقی رہتی ہے۔ مگر وہ لوگ بھی تو اس تفصیل کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن کیا کوئی ایسا موہوم سا غیر حقیقی مسئلہ روح کو برقرار رکھ سکتا ہے؟ کیا یہ روحانی سراب کسی کی پیاس بجھا سکتا ہے؟ پھر موت کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جسم کے پھر زندہ ہو اُٹھنے کا ابتدائی مسئلہ تو پھر بھی روح کی لافانیت کے متعلق یونانیوں کی اس روحانی تھیوری کی نسبت کسی قدر زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ اُن کا تو یہ خیال ہے۔ کہ مرنے کا تمام جسم و روح سبھی کچھ پھر جی اٹھتا ہے۔ لیکن بعض لطیف مزاج مفکروں نے تو جسم کو ہی ایک فلسفیانہ بیہودگی سمجھ کر بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اس طرح اُن کی یہ تعلیم کم ہلکی اور زیادہ قیاسی ہو کر رہ گئی ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ انسانی شخصیت کے صرف ایک حصہ کو لافانی سمجھتے ہیں۔ اور اسے ہی روح۔ آتما، سپرٹ یا سول۔ (SPIRIT OR SOUL) کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اس روحانی ہستی کا کوئی صحیح تخیل قائم کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ وہ کیسی ہوتی ہے؟ کیسے زندہ رہتی ہے؟ پھر کوئی شخص بِلا دماغ اور نظام عصبی کے بغیر کیسے کچھ سوچ، سمجھ یا محسوس کر سکتا ہے؟ یا کچھ یاد رکھ سکتا ہے؟ اس لامحدود دوام میں روح کیا کرتی رہتی ہے؟ یہ سب سوالات جواب دینے والوں کے لئے نہایت ہی مہیب سے ہیں۔ اسی لئے یہ

مسئلہ ہمیشہ ماہ نومبر کے کہرے دھند اور کہیں غائب ہو کر رہ جاتا ہے اور کبھی صاف طور پر حل نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے ہم پیروانِ انسان دھرم تو یہ سکھاتے ہیں اور بچوں اور نوجوانوں کو اس مسئلہ پر مغز پچی کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اُن کا اس سے کچھ بھی تعلّق نہیں۔ زندگی کی ابتدائی حالت میں تو موت کا خیال تک ہی دل میں لانا اور اس کے متعلق کچھ سوچنا یا بات چیت کرنا بھی محض فضول و لغو ہے۔ ان کے لئے تو سب سے بڑا سوال "زندگی" کا ہے۔ ہم کس طرح زندہ رہیں۔ اور کیسے کام کریں؟ انہیں یہی سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ ہم کیا کام سیکھیں؟ کس سے شادی کریں؟ کیسے خیالات ہمارے لئے بہتر نہیں ہو سکتے ہیں؟ یہی سب باتیں ہمارے لئے قابلِ غور و فکر ہیں۔ ساٹھ ستر سال کی عمر سے پہلے دانش مند پیروانِ "انسانی دھرم" کو موت کے تاریک سایہ کا خیال تک بھی کبھی اپنے دل میں نہیں لانا چاہیئے۔ ہم اس امر کے متعلق کنفیوشس اور سیسی نوزا کی دانائی و دور اندیشی کو قابلِ تعریف خیال کرتے ہیں۔ جب موت کا سایہ زیادہ لمبا ہونے لگے۔ اور زندگی کا بہترین حصّہ ہمارے پیچھے بہت دُور چلا جائے۔ تب اگر ہم چاہیں۔ تو اپنی آئندہ قسمت کی یہ چھیڑ چھاڑ بصد شوق کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات کی تو اس وقت بھی یہ رغبت نہ ہوگی۔ اور شاعر کے الفاظ میں وہ یہی کہیں گے کہ ؎

عاقبت کی خبر خدا جانے   اب تو آرام سے گذرتی ہے

پھر انہیں اس کے لئے کسی تردد کی کچھ ضرورت بھی کیا ہے؟ مگر چند اصحاب کو شاید مسئلہ تناسخ ہی اس بارے میں بہت کچھ اطمینان بخش محسوس ہو۔ اور وہ اس سے یہ تسلّی کر سکیں۔ کہ وہ اس دُنیا میں پھر جنم لے کر اپنی شخصیّت کی مزید نشو و نما جاری رکھ سکیں گے۔ یہ مسئلہ دلیل بازی سے تو شاید ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے ہمارے سامنے ایسی ہی بے شمار زندگیوں کا امکان ضرور

پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ہم ایسی اچھی طرح واقف ہیں۔ اور اس کے بارے میں ہمارے سامنے کوئی بہت بڑا راز بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ مسئلہ اس دُنیا میں ہی ہماری زندگی کو طوالت بخشتا رہتا ہے۔ خواہ صرف بہ اقساط اور بہت سی درمیانی رسومات مُردنی۔ ماتم اور اظہارِ تاسف و تعزیت کے ساتھ ہی سہی مگر اس میں بھی کسی قانونی سزا و جزا کا خیال کبھی ہمارے دامنگیر نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ صرف اپنی مزید نشو و نما اور ترقی کا ہی سودا سر میں سمایا رہے۔ تو اچھا ہے۔ جیسا کہ بودھوں کا اعتقاد ہے۔ کہ ایک معمولی سے معمولی انسان بھی لاکھوں اور کروڑوں سال میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بار جنم لے کر بُدھ کے مکمل و مقدس درجہ تک پہنچ سکتا ہے ؎

جب بچوں کو کوئی دلپسند چیز پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ اکثر "کیا مضائقہ ہے" کہا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر مجھے بھی اسی طرح ہمیشہ ترقی و نشو و نما حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوتا رہے۔ تو میں بھی یہی کہونگا۔ کہ "کیا مضائقہ ہے؟ ایسا ہی ہونے دو"۔ لیکن اس "پُنر جنم کا کیوں اور کیسے" بھی۔ ایک طرح کی روحانی دھند میں پوشیدہ ہے۔ جس کے متعلق یقینی طور پر کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن پھر بھی بہت سے سن رسیدہ مرد و عورت۔ اگر چاہیں۔ تو اس سے صبر و اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس مرحلہ زندگی میں انہیں اس سے کچھ نقصان بھی نہیں پہنچ سکتا ؎

مگر ساتھ ہی اس کے "انسانی دھرم" کو یہ صاف بتلا دینا چاہیئے کہ بڑھاپے کی پوری پوری راحت و مسرت مسئلہ بقا میں نہیں۔ بلکہ ذیل کی برکتوں میں پوشیدہ ہے

۱۔ ایک اچھی طرح بسر کی ہوئی زندگی کی یادیں۔ جو نیک اعمال سے گذاری گئی ہو

۲۔ نوجوان مردوں اور عورتوں کی بے لوث محبت اور دوستی میں ؎

۱۱۔ پُر محبّت اور پُر مسرت بچوں۔ پوتے پوتیوں اور پڑ پوتے پڑ پوتیوں کے درمیان ؛

اُن میں سے بھی یہ آخری برکت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ مُتبنّی اور گود لئے ہُوئے بچے بھی۔ نہ ہونے سے تو درجہا بہتر ہیں۔ فرض کیجئے دو شخص ہیں۔ جن میں سے ایک کے تو بچے۔ پوتے، پڑپوتے ہیں۔ اور دوسرے کے کوئی بھی نہیں۔ مگر اُسے اپنی رُوح کی لافانیت پر یقین ہے۔ لیکن پہلے کو اس پر تو یقین نہیں۔ مگر وہ پوتے پڑپوتوں کے لحاظ سے خوش نصیب ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ یہ پہلا شخص دوسرے شخص کی نسبت زیادہ خوش و خرم رہے گا۔ اب آپ ہی فرمایئے۔ کہ یہ سچ ہے یا نہیں؟ اگر یہ سچ ہے۔ تو "انسانی دھرم" ہم پر زندگی اور موت کی حقیقت خوب اچھی طرح ظاہر کرتا ہے ؛

اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ "اخلاقی آدرش" کا بھی کسی طرح مسئلہ بقا پر انحصار نہیں۔ وہ تو محض اپنے ذاتی نُور سے ہی چمکتا دمکتا ہے۔ اور نہ کسی رُوحانی شُعاع کے جانے کی مانند ہی ہے۔ ہمارے اندر اور باہر طرف جو قدرتی طاقتیں پھیلی ہوتی ہیں۔ وہ سب ہی ہمیں یہ تعلیم دیتی ہیں۔ کہ انسان کو ہمیشہ ترقی کرتے ہوئے خوش رہنا چاہئے۔ اور مکتی۔ نجات، لعنت۔ رحمت۔ بہشت دوزخ۔ اگلے یا پچھلے جنم یا مرنے کے بعد کی کسی حالت کا کچھ بھی خیال اپنے دل میں نہ آنے دینا چاہئے کیونکہ نیکی کی جڑ زندگی میں مضبوطی سے جمی ہوتی ہے۔ نہ کہ موت میں۔ اخلاق کی بنیاد کو کسی آئندہ زندگی کے مشکوک و مُشتبہ مسئلہ پر قائم کرنا محض لغو و بیہودہ ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اپنے محل کی بُنیاد ریت یا دلدل پر رکھنا پسند نہ کریگا ؛

اخلاقی نکتہ خیال سے بھی یہ سوال بالکل ہی غیر مُتعلق ہے۔ کہ اپنی شخصیت کا احساس مرنے کے بعد بالکل ہی زائل ہو جاتا ہے۔ یا کسی دُوسری صورت میں قائم رہتا

رہے ؛ ہم قتل، چوری، زنا، جھوٹ وغیرہ سے اس لئے بچتے ہیں۔ کہ ہم دُنیا میں سب کے لئے خوشی و مسرّت کی ترقی اور نشو و نما چاہتے ہیں۔ اس لئے اس زندگی کے قاعدے اور قوانین اس زندگی کی ہی ضروریات اور اس کے ہی تجربات کی بنا پر قائم کئے جانے ضروری ہیں۔ جیسا کہ آپ کسی جوئے خانے میں کبھی کرکٹ یا فٹ بال کے قواعد کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس لئے اگر مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ تو اُس کا ابھی سے کچھ فکر کیوں ؟ مرنے کے بعد آپ کو خود بخود اس کا پتہ لگ جائیگا۔ اور اس کے سب قاعدے اور قانون خود معلوم ہو جائیں گے۔ گرین لینڈ جیسے برفانی ممالک میں آپ ململ اور تن زیب پہن کر گذارہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ سیلون میں بھیڑ کی کھال کی پوستین کی ہی آپ کو کبھی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ اس لئے آپ اس دُنیا میں ہی ملک عدم کی فکر میں ہمیشہ حیران و پریشان رہ کر کیسے خوش و خرم رہ سکتے ہیں ؛

" انسانی دھرم " اپنے قانون اور اخلاق کی بُنیاد صرف اس دُنیا میں ہی پیدائش اور موت کے درمیانی عرصے میں ہی انسان کی زیادہ سے زیادہ بہتری و بہبودی اور ترقی و نشو و نما کے خیال پر رکھتا ہے۔ یہ موت کے بعد زندگی کے خیال کو انسانی دماغ کے لئے ایسا ہی فضول بوجھ خیال کرتا ہے۔ جیسا کہ کوئی نشہ آور دوا ہُوا کرتی ہے۔ ممکن ہے۔ جب بڑھاپے میں ہم زندگی کی تگ و دو سے بالکل ہی تھک کر بیکار محض ہو بیٹھیں۔ اس وقت ہمیں اس بحث تمحیص میں کچھ لُطف محسوس ہو کہ زندگی سے پہلے کیا تھا ؟ اور مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟ لیکن وہ تو ہمارے صرف ایک فلسفیانہ مشغلہ ہوگا۔ جس کی کہ ابھی ہمیں کچھ بھی ضرورت نہیں۔ اور نہ اس کے لئے ابھی ہمیں فرصت ہی ہے۔ اس سے ہماری اخلاقی تعلیم کے لئے کوئی بھی معیار یا مقصد قائم نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اخلاقی معیار بھی ہماری

خوراک کی مانند مادہ رزبیں اور انسانیت کا ہی غطبہ ہے۔ گرجہ میں آنے یا پیدا ہونے سے پہلے۔ یا مرنے کے بعد ہماری روح کی کیا حالت ہے ؟ اس کے متعلق کسی دلیل یا عقیدہ کی بحث میں پھنسنے کی ہمیں کچھ بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہم تو دانش مند عمر خیام کے الفاظ میں یہی اعلان کرتے ہیں کہ" ہماری خلاقیات سب نقد کے اصول پر کام کرتی ہیں ادھار کے اصول پر نہیں "۔ نیکی صرف مجلسی تجربہ گاہ میں پیدا ہوتی ہے۔ کسی روحانی دنیا میں نہیں۔ خدا پرستی یا روحانیت خوش اخلاقی کو جنم نہیں دیتیں۔ کیونکہ "خوش اخلاقی" (ETHICS) زندگی کی آزاد اور پرغرور ملکہ ہے۔ جو کسی بھی رتبہ کی ہستی کو برداشت نہیں کرسکتی۔ اس کے سوا باقی تمام انسانی سرگرمیاں جن میں آندھی، خدا پرستی اور بے ثمر روحانیت بھی شامل ہیں۔ یہ سب بالآخر اپنا مقصد و مدعا اس ملکہ کے دربار سے ہی حاصل کرتی ہیں۔ اس کی ذیشان موجودگی کے بغیر کوئی بھی کئے جانے کے قابل کام کبھی نہیں ہوسکتا۔ فن آرٹ سائنس۔ سیاسیات۔ اقتصادیات، فلسفہ اور دیگر معاشرتی مصروفیتیں اس مرکزی سورج کے اردگرد سیاروں کی مانند چکر کھاتی رہتی ہیں۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ"آپ زندگی کی فکر کیجئے۔ موت اپنی فکر آپ کریگی"۔

۶۔ مذہب اثبات اور مساوات

مذہب اثبات مردوں اور عورتوں کے درمیان مکمل مساوات تسلیم کرتا ہے۔ آگسٹ کومٹی کا قول ہے۔ کہ" عورت ہر پہلو سے ہماری نسل کی صحیح صورت کا اظہار کرتی ہے۔ اخلاقی تعلیم کا انحصار زیادہ تر عورتوں کے کام کاج پر ہی ہے۔ اور بغیر اس کے کبھی چل نہیں سکتا۔ محبت و الفت سے پر جنس لطیف کا قدرتی رسوخ ہی ہمارے گھروں میں اصلی روحانیت پیدا کرسکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس امر کی مستحق ہے کہ اُسے انسانیت کی پاکیزہ ترین اور سادہ ترین مورتی سمجھ کر اس کے ساتھ عزت و

محبت کا برتاؤ کیا جائے"، ہم انسانی دھرم کے پیرو اسبات پر بھی ہمیشہ زور دیتے ہیں۔ کہ بغیر کسی "اگر" "مگر" کے عورت کو ہر لحاظ سے مرد کا مساوی تسلیم کیا جائے ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مرد کسی طرح بھی عورت سے بہتر یا کمتر نہیں۔ دونو ہر پہلو سے ایسے ہی مساوی ہیں۔ جیسے کہ ایک پرندے کے دو بازو یا ایک گاڑی کے دو پہیے "انسانی دھرم" اس مکاری کو بالکل نامنظور کرتا ہے۔ جو بعض مردوں نے عورتوں کو اپنے سے ادنےٰ قرار دینے کی کوششوں میں پھیلا رکھی ہے۔ ہم ان نام نہاد دلیلوں کو ماننے سے بالکل انکار کر دیتے ہیں۔ جو وہ عورت کے دماغ کی جسامت۔ اُس کی جسمانی ساخت۔ قدرتی نزاکت، پُر جذبات مزاج۔ داڑھی مونچھ کی عدم موجودگی بچہ کشی وغیرہ وغیرہ کے متعلق پیش کیا کرتے ہیں۔ تقریباً سبھی پیغمبروں نے عورت کے متعلق کچھ نہ کچھ اہانت آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور اُسے مرد سے ادنےٰ درجہ دیا ہے۔ لیکن انسانی دھرم۔ پیرو ان افلاطون کی مانند ان تمام غلط احکامات کی تردید کرتا ہے۔ جن کی بنیاد جہالت، تعصب۔ محدود تجربے اور ترک دنیا کے خیال کے سوا اور کسی بھی علم و دانائی پر نہیں۔

انسانی دھرم یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ عورت کی شخصیت ان تمام زنجیروں سے آزاد رہنی چاہیئے جو زمانہ قدیم کے خود غرض مردوں نے اس کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ عورت اپنی ملکیت کی مالکہ خود ہی ہونا چاہیئے۔ حق رائے دہی بلکہ پبلک انجمنوں میں ممبر منتخب ہونے کا حق بھی ملنا چاہیئے۔ حکومت کے سب منفعت بخش عہدے بھی اس کے لئے کھلے رہیں۔ اسے اپنی لیاقت کے مطابق سکولوں اور کالجوں میں تعلیم دینے اور گرجوں میں وعظ کرنے کی بھی اجازت ہو۔ اور شادی کے وقت ہمیشہ مرد کی فرمانبردار رہنے کا عہد اسے نہ کرنا پڑے۔ وہ گھر میں کارخانے میں، دفتر میں، سٹوڈیو میں۔ لیبورٹری میں ہسپتال میں جم فی نشیم میں

جہاں کہیں بھی کام کرے۔ اُسے مردوں کے برابر مزدوری ملے۔ کم ہرگز نہ ملے اور محض عورت ہونے کے باعث کسی بھی مفید عام سرگرمی کا دروازہ اس پر بند نہ ہو انسانی شخصیت کی تقدیس کو ہمیشہ مدنظر رکھا جائے۔ اور اس میں تذکیر و تانیث کا کچھ بھی خیال کبھی نہ کیا جائے۔ کیونکہ قدرت نے بھی بلا کسی تمیز تخصیص کے سب مردوں اور عورتوں میں ہر طرح کی طاقت و قابلیت عالمگیر طور پر تسلیم کر رکھی ہے یہ صرف مرد ہی ہے۔ جس نے اپنی خود غرضی سے عورت کو اس کی آزادی اور مساوات کے حق سے محروم کر کے اپنے آپ کو بھی اس کی اس پوری معاونت اور امداد سے محروم کر لیا ہے۔ جو وہ انسانیت و تہذیب کی ترقی میں اُسے دے سکتی تھی۔ بہت سی عورتیں جن میں دانشمند و مدبر ہونے کی قابلیت موجود ہے۔ مردوں کی پتلونوں میں بٹن ہی ٹانکتے رہنے کے لئے مجبور ہیں۔ جن عورتوں کو قدرت نے قابل سائنس داں ہونے کی لیاقت عطا کی ہے۔ وہ صرف شوربے اور حلوے تیار کرنے کے ہی تجربات میں مصروف رہتی ہیں۔ باورچی خانوں اور زنان خانوں کی چہار دیواریوں میں ہی اکثر عورتوں کی دماغی قابلیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ افسوس! اس طرح انسانیت کو بے شمار صدیوں سے کتنا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور صرف اس لئے کہ مرد اپنی حماقت و تکبر سے اپنے آپ کو انسان نہیں بلکہ دیوتا سمجھ بیٹھا ہے۔ اُف! کتنی عورتیں جو اسپاشیا، دیوتما۔ رتّیہ۔ گارگی۔ اہلیا بائی۔ سروجنی نیڈو۔ رانا بائی۔ اینی بیسنٹ وغیرہ وغیرہ جیسی دانشمند و دور اندیش مشاہیر ثابت ہو سکتی تھیں۔ بے زبان جانوروں کی طرح گمنامی کی زندگی بسر کرتی ہوئی مر کھپ گئیں۔ اور دنیا میں کسی کو ان کا پتہ بھی نہیں لگا ۔

انسانی دھرم اِن سب قوانین۔ رسم و رواج اور سنستھاؤں کی مذمت کرتا ہے

جو عورتوں کو اپنی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ حد تک نشوونما دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ مثلاً ایک مرد کا بہت سی عورتوں سے شادی کرنا۔ یا بہت سے مردوں کا ایک عورت سے شادی کرنا۔ پردہ۔ جبری تجرد (برہمچریہ) یا بدھواپن بال بواہ اقتصادی غلامی۔ سفید رو خانہ بائیں کی تجارت۔ زناکاری کی غرض سے پیشہ۔ پسینہ لانے والی سخت محنت و مشقت۔ تعلیم یا کالج کی ڈگریاں حاصل کرنے کی ممانعت۔ حق ملکیت۔ حق توریث۔ سرکاری ملازمت اور دیگر حقوق جو مہذب شہریوں کو اپنے اپنے ملکوں میں حاصل ہیں۔ ہم پیروان انسانی دھرم نہ تو عورتوں کی حد سے زیادہ تعریف ہی کرتے ہیں اور نہ مذمت ہی۔ ہم ان کے ساتھ بالکل ویسا ہی سلوک مناسب سمجھتے ہیں۔ جیساکہ مردوں کے ساتھ۔ مردوں اور عورتوں دونوں میں ہی نیک بھی ہیں اور بد بھی، ہوشیار بھی اور دانش مند بھی ہیں۔ اور بیوقوف و جاہل بھی، قابل محبت بھی ہیں اور لائق مذمت بھی۔ ہم نہ تو عورت کی پرستش ہی کرتے ہیں اور نہ اس سے نفرت ہی۔ ہم نہ تو اُسے فرشتہ ہی سمجھتے ہیں۔ اور نہ شیطان ہی۔ وہ صرف ایک انسان ہے اور ہم اُسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیساکہ ہر ایک معمولی سمجھ بوجھ والے انسان کو سمجھنا چاہیئے۔

اس بارے میں "انسانی دھرم" ایک فہمائش بھی ضروری سمجھتا ہے۔ وہ یہ کہ عورت کی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُسے اپنے آپ کو بیوقوف ثابت کرنے کی بھی آزادی حاصل ہو۔ مردوں کے ساتھ مساوات کے یہ معنی ہرگز نہ سمجھنے چاہئیں کہ وہ مردانہ عیاشیوں، اوباشیوں، بدچلنی اور دیگر عیوب میں بھی اس کے قدم بہ قدم رہنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگر اس فہمائش کی کچھ پروا نہ کی گئی۔ تو عورت نجات کے اس نئے دور میں نہ تو اپنا ہی کچھ بھلا کر سکیگی اور نہ مردوں کا ہی۔ کیونکہ آزادی ایک دودھاری تلوار کی مانند ہے۔ جو دونوں طرف کاٹ کرتی ہے۔ یہ آپ کو انسانی

شخصیت کی نشو ونما کے نصف النہار پر بھی پہنچا سکتی ہے۔ اور انسانی درجہ سے گرا کر شہوانی جذبات پر سفلیوں کی تحت الثریٰ تک بھی گرا کر لے جا سکتی ہے۔ اس لئے اس مساوات کا مُدعا ہمیشہ نیکی اور حصولِ علم کے لئے حق میں مساوات سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ بدی اور عیوب کی طرف رغبت کے لئے بھی! حبشی غلاموں کی آزادی انہیں عالم فاضل نیز دولت مند و مالدار بنا سکتی تھی۔ کیونکہ عروج و ترقی کی منزلوں پر اوپر چڑھنے کے لئے جیسی آزادی حاصل ہوئی ویسا ہی وہ تنزل کے گڑھے میں گرنے اور پھسلنے کے لئے بھی ہر طرح آزاد ہو گیا۔ اس کی تمام مصنوعی پابندیاں اور سہارے ہٹا لئے گئے۔ اور محفوظ غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوتے ہی اس کے تمام نقصانات کے ساتھ ہی ساتھ اسکے فوائد سے بھی وہ مستغنی ہو گیا۔ بالکل یہی حالت عورتوں کی بھی آزادی ہے۔

زمانہ جدید کی آزادی پسند بیویوں کو اپنی ان صفات میں جو ان کے فرائض خانہ داری میں محفوظ طور پر مصروف ماؤں اور دادیوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کرتے رہنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور انہیں کسی صورت میں زائل نہ ہونے دینا چاہیئے۔ زمانہ حال کی عورت کو مردوں کے آزادانہ میل جول سے اپنے اندر وہ عیوب کبھی نہ پیدا ہونے دینے چاہئیں۔ جو مردوں کی خاص خصوصیت ہو گئے ہیں۔ اور ان میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ اس کی آزادی کا اگر یہ انجام ہوا تو درحقیقت نہایت افسوس ناک اور رنجیدہ ہو گا۔ عورتیں ہمیشہ طبعاً و خصلتاً نشہ آور اشیاء سے پرہیز رکھتی ہیں۔ جن کے استعمال کی بد عادات میں مرد اکثر اپنی بیوقوفی اور حماقت سے پھنس جاتے ہیں۔ پرانے زمانے کی عورتیں ہمیشہ شراب اور تمباکو وغیرہ منشیات سے نفرت کرتی رہی ہیں۔ ان کی آج کل بھی حفظانِ صحت، پیدائش اولاد اور اخلاقیات کے اصول نہایت پُر زور

تماشہ کرتے ہیں۔ اب اس زمانہ کی عورتوں کو یہ کوشش کرنی چاہئے۔ کہ وہ مردوں میں بھی یہ عیب پیدا نہ ہونے دیں۔ اور اپنے اثر و رسوخ سے اپنے بچوں، بھائیوں، شوہروں اور دیگر رشتہ داروں کو بھی اس تباہ کن عادت سے بچانے کی کوشش کریں۔ نہ کہ خود بھی اس کا شکار ہو جائیں۔ یہ بات دیکھ کر نہ حقیقت نہایت افسوس ہوتا ہے۔ کہ گذشتہ زمانے کی دیویاں تو اپنے جسم میں شراب۔ تمباکو و دیگر منشیات کا زہر بالکل داخل نہ ہونے دیتی تھیں۔ لیکن آج کل کی عورتوں میں یہ خرابی روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔ حالانکہ اس پہلو میں زمانہ جدید کی عورت کو مردوں کا رہنما، سد معارک اور محافظ ہونا چاہئے۔ نہ کہ وہ خود بھی یوں ان کی کوتہ اندیش و ناعاقبت شناس ہم جلیس و ہم صحبت بن جائے۔

زمانہ جدید کی عورت کو زمانہ گذشتہ کی ماتاؤں کی مانند اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کر کے اپنی جنسی پاکیزگی و تقدیس کو بھی محفوظ رکھنا چاہئے۔ اور اس کی عظمت و شان بڑھانے کے لئے دیگر ہر طرح کی صفات اور خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنا چاہئے۔ اخلاق اور تہذیب کا یہ "دوگونہ معیار" یعنی ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اب ہمیشہ کے لئے مٹ جانا چاہئے۔ اور عورتوں میں ہرگز بھی اسے ترقی و توسیع نہیں ملنی چاہئے بلکہ ہمیں یہ کوشش کرنا چاہئے۔ کہ مردوں اور عورتوں دونوں میں ہی کم از کم اس پہلو میں تو "ظاہر و باطن" یکساں رہنے کا اعلیٰ معیار پیدا ہو کر وہ روز بروز زیادہ ترقی پا سکے۔ زمانہ حال کے بہت سے مفکر و عالم بھی جنسیت کے لطیف اور پاکیزہ پہلوؤں کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ یہ ریاضی یا بیالوجی (علم حیات) کی مانند نہیں۔ مردوں اور عورتوں میں جنسیت کی یہ پاکیزگی بھی اُن کی روح کا سب سے اوّل اور سب سے برتر تخیل ہے۔ کیونکہ گنے یا شعور کبھی محبت یا پریم میں پھنس

کہ بربریت کے گیت اور محبت کے نغمے یا ترانے گانے نہیں پھرتے۔ لیکن مرد اور عورت اکثر اس کا شکار رہ بچھے جاتے ہیں۔ جیسے جیسے ہم زمانہ آفرینش کو پیچھے اور دُور چھوڑتے جاتے ہیں۔ ویسے ہی جنسیت کا یہ پاکیزہ و لطیف رُوحانی احساس بھی اپنی کثافت اور مادیت کو ہلکا کرتا ہوا زیادہ لطیف و تقدس ہوتا جا رہا ہے۔ انسانی دھرم ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ جنسی تعلّقات صرف مرد و عورت کے جسمانی آلات پیدائش کے میل تک ہی محدود نہ رہنے چاہئیں۔ بلکہ ذاتی شخصیّت اور آئندہ نسل کی ترقی و نشوونما کی دلی خواہش و رضامندی کے خیال سے بھی دونوں کے دل و دماغ میں یکسانیت۔ میل اور اتحاد ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس گہری اور صادقانہ محبّت نیز اعلیٰ ترین مجلسی آدرش کے بغیر مرد و عورت کی جنسی صحبت یا انسانوں کی صحبت کے اعلیٰ رتبہ سے گر کر بلکہ حیوانی مباشرت کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ مہذّب انسانوں میں تو مرد و عورت کے یہ جنسی تعلّقات اُن کی زندگی کے ایک نہایت پُرلطف گیت اور پُرسرور نغمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کے مقابلے میں اور سب ترانے اور لذات نفسانی ہیچ و ناچیز ہیں۔ زمانہ جدید کی عورت ہی مرد کو جنسی تعلّقات کی پاکیزگی۔ تقدس۔ لطافت۔ اہمیّت و عظمت کا یہ سبق سکھا سکتی ہے۔ اور اُسے اس کی قدر و قیمت عملی طور پر تسلیم کرا سکتی ہے۔ اس لئے اُسے خود ہی گھر کر اور ابتدائی انسانوں کی ہی مردانہ حیوانیت کا شکار ہو کر اس ذلیل درجے کو نہ پہنچ جانا چاہیئے۔ بلکہ اُسے یہ ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی عصمت و عفت محض اتفاقیہ یا کسی جبر و مجبوری کے باعث نہیں۔ بلکہ اس کی اپنی رضاکارانہ دولت و ثروت ہے۔ جسے وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔ کیونکہ یہی اس کی اپنی شخصیّت اور اس کی آئندہ نسلوں کی خوبیوں اور نیکیوں کو ترقی و نشوونما دینے کا باعث ہے۔ اب وہ اس حقیقت کا بھی

مظاہرہ کرسکیگی۔ کہ وہ جنسیت کی غلام نہیں بلکہ اُسکی مالکہ اور مختار رن ہے۔ اُسے یہ بھی سمجھنا چاہیے۔ کہ مرد و عورت (بالخصوص عورت) پر جنسیت کا احساس صرف ایک جسمانی فعل نہیں۔ بلکہ حقیقتاً اُن کی رُوح کا آئینہ ہے۔ اگر یہ آئینہ دھندلا ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔ تو رُوح کا نور بھی ویسی تیزی اور صفائی سے تاباں و درخشاں نہ رہ سکے گا۔ غرضیکہ جنسیت کا شخصیّت کے کمال، عروج اور عظمت کے ساتھ ایک نہایت پُراسرار اور ناقابلِ بیان تعلّق ہے۔ جس کا نہ تو تجزیہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ پُوری پُوری تشریح و توضیح ہی ہوسکتی ہے۔ بغیر عصمت و عفت کے ہر ایک مرد یا عورت ایک مُرجھائے ہوئے پھُول کی مانند ہے۔ یا ایک بے عیب موتی اور بے چمک جواہر کی مانند۔ وہ گندے اور غلیظ پانی کا صرف ایک جوہڑ ہے۔ جو سوائے گندے اور غلیظ کاموں کے کسی بھی اچھے کام نہیں آسکتا۔ عصمت کی تباہی سے ایک مرد یا عورت کے چہرے اور جسم سے کوئی ایک نہایت ہی لطیف سی طاقت و قوت ہمیشہ کے لئے زائل ہو جاتی ہے۔ اور ایسی حالت میں عورت تو چند بے اصولے چلتے پُرزے شہوتیوں، اوباشوں کے لئے اپنی شہوت رانیوں کی تکمیل کا ایک آلہ بن جاتی ہے۔ جس کے لئے اُن کے دل میں نہ کوئی عزّت ہی ہوتی ہے اور نہ محبّت ہی۔ جدید انسانی دھرم کے پیرووں کی نظروں میں جو محبّت اور تخیل کے پاکیزہ ترین اصولوں کے پُجاری ہو چکے ہیں۔ کسی ایسی عورت کو کوئی وقعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ اس پر رحم بے شک کرسکتے ہیں۔ اس لئے جدید عورت جتنا بھی یہ زیادہ کہنا سیکھیگی۔ کہ "مجھے مت چھُوو" اتنا ہی اس کی اس نئی آزادی اور مساوات کی بدولت اس پر اور اس کے ذریعہ سے تمام ہی نوع انسان پر تہذیب و اخلاق کی بہترین و منتخب ترین برکتیں نازل ہوتی جائیں گی۔

غرضیکہ عورت ہی ہمیں عظمت۔ پاکیزگی۔ اور ترقی کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا سکتی ہے۔ اور وہی ہمیں نیچے سے نیچے ذلیل ترین درجے تک پہنچا سکتی ہے۔ اب آپ خود ہی یہ فیصلہ کر لیں۔ کہ آپ کہاں پہنچنا چاہتے ہیں؟

۷۔ اخلاقیات

اثبات دھرم ہمیں ایک نہایت شریفانہ آدرش کا سبق دیتا ہے چند اثباتی جواہرات کا ملاحظہ فرمائیے:۔

"اوروں کے لئے زندگی بسر کرو۔ کھلم کھلا زندگی بسر کرو! .... پہلا درجہ سائنس کا ہے۔ دوسرا دوراندیشی کا اور تیسرا افعال و اعمال کا! .... ہپارکس۔ کیپلر اور نیوٹن جیسے علماء کی عظمت آسمانی فضاؤں پر درخشاں و تاباں ہے"۔ ... "کہ نہ ہی مجلسی زندگی سختیوں کی برداشت کا سبق سکھلانے والا اسکول ہے"۔ ... "پریم سے کام کرو اور کام کرنے کے لئے سوچو!"۔ ... "اصول سے محبت کرو۔ بنیاد سے انتظام۔ باقاعدگی مدنظر رکھو اور اپنے مقصد و مدعا کی طرف بڑھے چلو"۔ ... "زندگی کو ہی اپنا حقیقی مذہب سمجھو! نہایت گہرا اندرونی اور مسلسل"۔ ... "نفرت ہمیشہ اندھی ہوتی ہے"۔ ... "ہر ایک قابل شہری ایک مجلسی کا رکن بن جاتا ہے"۔ ... "ہر ایک مہان آتما (بڑی اور پاکیزہ روح) آئندہ نسلوں کی بہتری و بہبودی کے لئے محبت و شفقت کرتی ہے"۔ ... "تعلیم کا سلسلہ ہماری زندگی بھر جاری رہتا ہے"۔ .... "دماغ کو دل کا ملازم رہنا چاہئے۔ لیکن غلام نہیں"۔

فہرست کتب

جن سے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی گئی ہے :-

NOTES AND REEERENCES

1. M. N. DHALLA, *Zoroastrian Civilization.*
2. L. B. PATON, *Religion and Future Life.*
3. W. E. GRIFFIS, *The Religions of Japan.*
4. P. SABATIER, *Life of St. Francis.*
5. H. A. GILES, *A History of Chinese Literature.*
6. CHIANG YEE, *The Chinese Eye*
7. J. LEGGE, *The Analects of Confucius.*
8. D. T. SUZUKI, *A Brief History of Early Chinese Philosophy*
9. J. LEGGE, *The Life and Works of Mencius.*
10. J. MCKENZIE, *Hindu Ethics*
11. R. E. HUME, *The living Religions of the World.*
12. MILTON, *Samson Agonistes.*
13. A COMTE, *A General View of Positivism.*
14. A. KEITH, *The Human Body.*
15. Sir S. RADHAKRISHNAN, *Indian Philosphy.*
16. J. L. JAINI, *Outlines of Jainism.*
17. R. BRIDGES, *Testament of Beauty.*
18. R. S. COPLESTONE, *Buddhism Primitive and Present.*
19. H. FIELDING HALL, *The Soul of a People.*
20. K. J. SAUNDERS. *Buddhism and Buddhists in Southern Asia.*

21. L. de la Vallée Poussin, *The way to Nirvana.*
22. H. G. Wells, *The Outline of History.*
23. *Majjhima Nikaya.*
24. J. E. Carpenter, *Buddhism and Christianity.*
25. C. Vedder, *Life of Balthasar Hubmaier.*
26. G. Uhlhorn, *Die Christliche Liebestatigkeit.*
27. Dom U. Berlière, *L'order Monastique.*
28. J. J. Walsh, *The World's Debt to the Catholic Church.*
29. C. A. Jones, *Life of Vincent de Paul.*
30. Dom C. Butler, *Benedictine Monachism.*
31. H. Graham, *The Early Irish Monastic Schools.*
32. Dante, *Divina Commedia* (F. Cary).
33. A Helps, *Life of Las Cases.*
34 R. M. Jones, *The Faith and Practice of the Quakers*
35. R. B. Cunninghame Graham, *A Vanished Arcadia.*
36. Origen, *Works* (Roberts and Donaldson).
37. Aeschylus, *Choephoroe.*
38. T. Noldeke, *Life of Muhammad.*
39. Halil Halid, *The cross and the Crescent.*
40 S. A. Salik, *Early Heroes of Islam.*
41. Syed Ameer Ali, *The Spirit of Islam.*
42. F. Hadimnd Davis, *The Persian Mystics.*
43. T J. de Boer, *The History of Philosphy in Islam.*

موڈرن کلچر انسٹی ٹیوٹ

ایج ویئر (مڈل سکیس) انگلینڈ

EDGWARE (MIDDX) ENGLAND

یہ سنستھا دیال ازم کے فلسفہ کی اصولی و عملی تعلیم - پرچار اور احساس کے لئے قائم کی گئی ہے!!!

اس تحریک کا مقصد یہ ہے - کہ ڈاکٹر ہردیال صاحب ایم اے - پی - ایچ ڈی نے اپنی تصنیف "ذاتی ترقی کے لئے اشارات" (HINTS FOR SELF CULTURE) میں ذاتی اور مجلسی زندگی کی ترقی کی تکمیل کے لئے جو مکمل آدرش بیان کیا ہے - اُسے حاصل کرنے میں انسان کی مدد کی جائے متذکرہ بالا کتاب انگریزی زبان میں چار روپیہ قیمت پر کتاب ہذا کے پبلشران سے دستیاب ہو سکتی ہے اور بشرط زندگی اس کا اُردو ترجمہ بھی جلد ہدیہ ناظرین کیا جائے گا ؛

انتظام عالم

ہمارا یہ عقیدہ ہے - کہ دُنیا میں ایک دائمی اور عالمگیر طاقت (energy) ایسی موجود ہے - جس سے یہ تمام نظام عالم رُونما ہوا ہے - یہ نظام نہ تو پیدا ہی کیا گیا ہے - اور نہ اس کا کبھی خاتمہ ہی ہوگا - یعنی انادی اور اننت (بغیر ابتدا

اور انتہا کے) ہے - زمان، مکان (وقت اور جگہ)، علت و معلول (کاریہ اور کارن) ، تبدیلی اور ادل بدل کے اصول اس تمام کائنات میں حکمران ہیں - قدرت اپنے ارتقا (نشو و نما) میں آزاد و خود مختار ہے - اس کے سوا دُنیا میں اور کوئی بھی طاقت لامحدود یا غیر مشروط نہیں - رُوحانی ہستیوں کو زندہ طاقت یا رُوح وغیرہ کے طور پر ماننا بھی غیر ضروری ہے - ہم پیروانِ "انسانی دھرم" پیروانِ عقل و فہم ہیں - ہم نہ تو ارواح پرست ہی ہیں - اور نہ مادہ پرست ہی بلکہ علم پرست (معتقدانِ سائنس) ہیں - ہم رُوح اور مادے کی تقسیم کو تسلیم کئے بغیر تمام قدرتی تبدیلیوں کی وجوہات کے متعلق تحقیق و تجسس کیا کرتے ہیں ؛

ہم دہم و وسوسات کی مذمت اور اُن کے خلاف جہاد و جنگ کرتے ہیں - خواہ وہ کسی بھی صورت و شکل میں کیوں نہ ہوں - ہم حدود خلق سے باہر کسی غیر مادی ہستی - خدا (ایک یا بہت سے) دیوی - دیوتا - جن - بھوت فرشتے - شیطان - الہام - معجزہ - بہشت - دوزخ وغیرہ کو نہیں مانتے ؛

۲ - دو اصول

دُنیا میں انسان کے مشاہدے اور عقل کے مطابق ہر طرف دو اصول کام کرتے دکھائی دیتے ہیں - ایک نیکی کا اور دوسرا بدی کا - نیکی کے اصول میں زندگی - ترقی - سچائی - خوب صورتی - خوشی - محبت - علم - صحت - دولت پاکیزگی، بھلائی - آزادی، مساوات - اخوت (بھائی پن کا خیال) وغیرہ وغیرہ شامل ہیں - اور بدی کے اصول میں اُن کے خلاف اور متضاد سب باتیں یہ دونو ہی اصول قدرت اور انسانیت پر حاوی ہیں - وہ قدرت یا انسانیت سے کہیں باہر نہیں - بلکہ اُن سے اندرونی تعلق رکھتے ہیں - ہم کسی خدا یا دیوتا

سے پرارتھنا نہیں کرتے یا دُعا نہیں مانگتے۔ صرف نیکی کے اصول پر غور کیا کرتے ہیں ؎

۳۔ نیکی کی فتح

نظامِ حیات اور تہذیبِ انسانی کی نشو و نما میں نیکی کا اصول آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر ہمیشہ فتح یاب ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت کی پوری پوری نشو و نما پر ہی نیکی کے اصول کی کامل تکمیل کا انحصار ہے۔ کسی غیر شخصی قدرتی قانون پر نہیں ہم شخصی طاقت کے معتقد ہیں۔ کسی دیوی۔ دیوتا۔ خدائی طاقت کے نہیں۔ اور نہ ہم جھوٹی اور فرضی نام نہاد سائینٹفک یا قول کو ہی قسمت پرستوں کی نسبت اندھا دھند مان لیتے ہیں ؎

۴۔ انسانی شخصیت

ہمارا آدرش یہ ہے۔ کہ انسانی شخصیت کی نشو و نما کو اس کے ہر پہلو سے پوری پوری ہمرنگی و ہم آہنگی کے ساتھ یعنی جسمانی۔ دماغی۔ اخلاقی احساس خوب صورتی وغیرہ وغیرہ سے درجہ تکمیل کو پہنچایا جائے۔ انسانی شخصیت ساخت و ترقی کی قابلیت سے بھرپور ہے۔ یہی نیکی کے پاکیزہ اصول کا کامل مظہر ہے۔ زمانہ و حالات موجودہ میں جو بلند ترین ہستی ہمارے پیش نظر ہے وہ انسان کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں ؎

ہم اپنے اخلاق و چال چلن کی بنیاد موت کے بعد شخصی بقا۔ دوسرے جنم یا پھر زندہ ہو اُٹھنے پر نہیں رکھتے۔ موت کے بعد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارا فرض یہ ہے۔ کہ ہم ترقی کرتے ہوئے اپنے ہر ایک فرض کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے رہیں۔ نوجوان اشخاص موت کے خیال فاسد کو اپنے دل میں ہی نہ لانا چاہیئے۔ بلکہ اپنی پوری پوری توجّہ کو اس زندگی اور اس دُنیا کے مسائل پر ہی لگا دینا چاہیئے۔ بڑھاپے میں اس

مسئلہ پر کافی طور سے فلسفیانہ غور و خوض کیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانے میں اگر کوئی چاہے۔ تو پنر جنم یا تناسخ کے مسئلہ کو بھی اس خیال سے خوش آمدید کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ اس دنیا میں جنم لے کر اپنی شخصیت کو مزید نشو و نما دے سکیگا۔ لیکن اس صورت میں بھی اُسے کسی سزا جزا کے خیال کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا چاہئے۔ مگر یہ بھی کچھ ضروری نہیں۔ صرف اختیاری اور اپنے اپنے رجحان و پسند پر منحصر ہے سب سے بڑھ کر بات یہ ہے۔ کہ ہم اپنے بچوں اور آئندہ نسلوں کے ذریعہ جسمانی اور دماغی دونوں نقطۂ خیال سے یقینی اور حقیقی طور پر لافانی ہیں ؛

۵۔ ہماری چار طرح کی نشو و نما

ہم اپنی تمام مختلف طاقتوں کی مدد سے انسانی شخصیت کو چار طرح نشو و نما دیتے ہیں :۔

جسمانی ترقی۔ ہم ادویات و سیرم۔ یا ویکسین وغیرہ کے استعمال کے بغیر اپنی صحت کو برقرار رکھنے اور بیماریوں کو دور کرنے کے قدرتی طریقے سکھاتے ہیں۔ اور سورج پانی۔ صاف ہوا ورزش۔ کھیل کود۔ علم غذا۔ صحت بخش سامان خورونوش۔ مناسب طریق تنفس۔ ضبط خیالات۔ اُمید و حوصلہ کے ذریعہ برقراری صحت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور گوشت۔ شراب۔ تمباکو وغیرہ کے استعمال کی مذمت کرتے اُن سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں ؛

دماغی ترقی۔ ہم سب کو ہی سائنس۔ تواریخ ذہنیات (سائیکولوجی)۔ اقتصادیات فلسفہ۔ مختلف مذاہب اور دیگر علوم و فنون سے واقفیت حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور اس میں مدد بھی دیتے ہیں۔ سب کی خاص و عام تعلیم پر زور دیتے ہیں اور سائنٹیفک۔ علمی و ادبی تحقیقات کے لئے حوصلہ افزائی کرتے ہیں ؛

احساس خوب صورتی میں ترقی۔ ہم سب کو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ وہ قدرتی

مناظر اور فنونِ لطیفہ میں خوبصورتی کو اس کی ہر ایک شکل و صورت میں پہچانیں۔ اس کی تعریف کریں اور اُس سے لطف اندوز ہوں۔ ہم فن کے ذریعہ لرزہ خیز ی اور جذبات کو بھڑکانے کی مذمت کرتے ہیں۔ اور پاکیزہ۔ بلند۔ سکون بخش اور ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ؛

اخلاقی ترقی۔ ہم زمانہ گذشتہ کے تمام بڑے رہنماؤں کی مثلاً زرتشت موسیٰ۔ رام۔ کرشن۔ بدھ۔ مہاویر۔ یسوع۔ محمدؐ۔ ارسطو۔ سپن نوزا۔ جلال الدین بہاؤالدین۔ کینٹ۔ کومٹے وغیرہ وغیرہ اور اپنی اخلاقی ترقی کے لئے ان کی تصنیفات کے موزوں و مناسب اقتباسات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور یونانی فلاسفروں کی تصنیفات کو خاص عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں ؛

ہم نوعِ انسان کی وحدانیت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور دنیا کی سب قوموں کے افراد میں اتحاد اور میل جول بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ نیز قومی۔ نسلی۔ مذہبی اور رنگ روپ کی بنیادوں پر پیدا شدہ سب طرح کے تعصبات کو مٹا دینے کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم عملی طور پر تمام دنیا کی بھلائی چاہتے اور دنیا بھر کے اتحاد و اتفاق میں سہولیت پیدا کرنے کی غرض سے لوگوں کو اسپرانٹو عالمگیر زبان سکھلاتے ہیں۔

ہم لوگوں کو ذاتی تربیت (سیلف ڈسپلن) کے اصول سکھلاتے ہیں اور شہوت پرستی۔ تفاخرت نیز لذاتِ دنیوی کے نامناسب اور حد سے زیادہ استعمال کی مذمت کرتے ہیں۔ جنسی خواہشات کو نہایت سختی کے ساتھ علم تولید کے اصولوں کے مطابق سیر کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی خاص اصحاب اس سے بالکل بھی پرہیز کر سکیں۔ تو اسے برا نہیں سمجھتے۔ اس لئے ہم سب مردوں اور عورتوں کے لئے ایک نیا جنسی اخلاقی آئین دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ؛

۶۔ مجلسی سنستھائیں

ہم انصاف، آزادی، مساوات اور اخوت کی بنیادوں پر رفتہ رفتہ ایک عالمگیر حکومت قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ جس میں نہ کوئی تاجدار ہوگا۔ اور نہ کوئی قومی حکومت اور نہ کوئی جنگ و جدل ہی ہوگا۔

۷۔ تیوہار

ہم تاریخ عالم کی کسی عظیم الشان شخصیت یا اہم واقعہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ہر مہینے ایک تیوہار مناتے ہیں۔ اسی طرح اپریل کے مہینے میں ہم شیکسپیئر اور دنیا بھر کے سب بڑے بڑے شاعروں کی یاد کو تازہ کیا کرتے ہیں۔ خواہ کسی بھی قوم و ملک سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہو ماہ ستمبر میں ہم کو مٹی۔ برنیڈلا اور دیگر مہتاباں ریشنلزم کی یاد تازہ کیا کرتے ہیں۔ اور جولائی میں ہم سب جمہور پرستوں کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس ہمارے سب تیوہار حقیقتاً بین الاقوامی اور عالمگیر ہوتے ہیں۔ اور انسانی ترقی و تہذیب کی نشوونما کے ساتھ ان کا حقیقی تعلق ہوتا ہے۔ ہم ایسٹر۔ کرسمس۔ بیساکھی عید وغیرہ وغیرہ چند پرانے تیوہاروں کو بھی قائم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ہم کو ان کی تعمیل نئے طریق پر کرنی پڑے گی۔

۸۔ مجلسی تقریبات یا سنسکار

ہم چند اہم اور خاص موقعوں پر مثلاً بچے کی پیدائش۔ اس کا نام رکھا جانا پہلا پہل سکول جانا۔ سن بلوغت کو پہنچنا۔ اقتصادی آزادی۔ شادی۔ موت وغیرہ وغیرہ وغیرہ پر مجلسی اجتماع بھی کیا کرتے ہیں۔

۹۔ پرچارک

کچھ سرگرم اور پرجوش مردوں اور عورتوں ہم پرچارک۔ کے طور پر تعلیم دے رہے ہیں۔ انہیں اپنا تمام وقت اور تمام سرگرمیاں اس تحریک کے پرچار میں

صرف کرنی پڑیں گی۔ انہیں کوئی تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ نہ اُن کے گھر ہی کہیں ہوں گے۔ انہیں اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے سادہ خوراک اور کپڑے وغیرہ ملتے رہیں گے۔ ہماری سنگھا کے مکانوں میں رہنا پڑے گا۔ شادی اور بیوی بچوں میں رہنے کے خیال کو ترک کرنا ہوگا۔

۱۰۔ بارہ اصول

ہمارے مندرجہ ذیل پہلے سب احکام سے افضل ہیں۔ اور انہیں منسوخ کرتے ہیں:۔

۱۔ ہر طرح کے توہم چھوڑ دو اور انسانی شخصیت کو نشوونما دے کر نیکی کے اصول کی فتح کے لئے کوشش کرو۔

۲۔ اپنے جسم کی حفاظت کرو۔ اور اچھی صحت نیز درازعمری کا لطف اٹھاؤ!

۳۔ اپنی دماغی قوت کو نشوونما دو اور علم حاصل کرو۔

۴۔ اپنے جذبات کو شریفانہ بنا کر انہیں نشوونما دیتے جاؤ اور قدرت نیز عمدہ فنون کی خوب صورتی کی تعریف کا احساس پیدا کرو!

۵۔ نوع انسان سے محبت کرو۔ اپنا فرض ادا کرو۔ اور شریفانہ چال چلن بناؤ۔

۶۔ مجلسی ترقی کے لئے کام کرو۔ اور سب سنگھاؤں کو ایک جمہوری فیڈرل عالمگیر حکومت میں انصاف۔ امن اور آزادی۔ مساوات اور اخوت کی بنیادوں پر قائم کرو۔

۷۔ شریف اور پرامن رہو۔ اور تشدد نیز قتل و غارتگری سے بچو!

۸۔ منصف اور دیانت دار ہو! جوا نہ کھیلو! دھوکا نہ دو! چوری نہ کرو!

۹۔ راستباز رہو اور مہذبانہ گفتگو کرو۔

۱۰۔ پاکیزہ اور باعصمت رہو اور شہوت پرستی اور زنا سے بچو!

۱۱- منشیات اور خوش انگیز خوراک سے بچو! یا اُن کے استعمال میں حد درجہ اعتدال مدِ نظر رکھو!

۱۲- تمام مفید اور بے ضرر حیوانات سے انسانیت کا برتاؤ کرو!

اس طرح ایک نئی تہذیب کی بنیاد صحیح معنوں میں اور حقیقی طور پر رکھ دی گئی ہے۔ اور اس سے انسانی نسل کی تاریخ میں ایک نیا عہد شروع ہوتا ہے ۰

شری لالہ ہردیال جی کی دو اہم تصانیف

مزدوروں کا پیغمبر

مشہور جرمن رشی کارل مارکس کے حالاتِ زندگی۔ جس میں مفلسی کے اسباب پر دنیاوی تکالیف سے لاپرواہ ہو کر غور کرنے والے مہاپُرش کے حالات درج ہیں تیسری بار

قیمت صرف چار آنے (۴ر)

انگریزی تعلیم اور ہندوستانی قومیت کا دیوالہ

مضمون اور نام مصنف کافی ہے۔ کتاب کے لئے زیادہ تعریفی کلمات بلا ضرورت ہونگے قیمت اردو ۶ر۔ ہندی ۵ر۔ انگریزی ۴ر

پبلیشرز میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

کُتب جو حال میں چھپی ہیں

۱۔ سولہ سنگار (اُردو) یہ کتاب فطرت نگار سُدرشن کی سولہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ خود مصنف کا یہ خیال ہے۔ کہ انکی یہ بہترین کہانیاں ہیں اور ان میں آرٹ انتہائے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ ایسی خوبصورت۔ سادہ۔ دلچسپ اور فطرتی جذبات افروز گر دل کی آنکھوں سے سیدھا راستہ دکھانیوالی کہانیاں آپنے کم پڑھی ہونگی۔ یہ کہانیاں صرف وقت گذاری کا ہی مشغلہ نہیں بلکہ سُدرشن نے ہر ایک کہانی میں کوئی پیغام پیش کر آپ کے روبرو رکھا ہے۔ ۳۶۰ صفحہ لکھائی چھپائی اعلیٰ مجلد قیمت صرف ۲؎ سنہری جلد ۲؎ ۱۲

۲۔ سوشلزم - از پرنسپل چھبیلداس جی۔ سوشلزم کیا ہے؟ سوشلزم مذہب کے خلاف کیوں ہے؟ کارل مارکس نے مذہب کو عوام الناس کی افیم کے نام سے کیوں پکارا ہے؟ فاسزم نازی ازم۔ سوشلزم۔ کمیونزم اور انارکزم میں کیا فرق ہے؟ دوسرا حصہ سوشلزم اور سوویٹ روس اس حصہ میں سوویٹ روس کے خلاف جو امپیریلسٹ ایجنسیوں نے پراپیگنڈا کیا ہے۔ اس کے متعلق بتایا گیا ہے ساری حقیقت اور غلط پروپیگنڈا کی قلعی کھولی ہے تیسرا حصہ سوشلزم اور ہندوستان کیا ہندوستان کو سوشلزم کی ضرورت ہے؟ ہندوستان کی بیروزگاری کا حل کیا ہندوستان کی نجات سوشلزم کے ذریعہ ممکن ہے یا گاندھی ازم سے بطرز سوال و جواب۔ قیمت ۱؎ مع ہندی ۱۲؍

۳۔ ہم سوراج کیوں چاہتے ہیں؟ از پرنسپل چھبیلداس۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ راج ہندوستان کے گورنر جنرل کی تنخواہ ۷۰۰ روپیہ روزانہ ہے۔ جبکہ ایک ہندوستانی کی اوسط روزانہ آمدنی ۱ سے ۲؍ ہندوستانی فوجی خرچ ۰ ۵ کروڑ روپیہ سالانہ ہے جبکہ تعلیمی خرچ نام مات ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں سوالات کے جوابات جو ہر محب وطن اور خود دار ہندوستانی کو معلوم ہونے چاہئیں۔ ہندوستان کے متعلق انسائیکلوپیڈیا ہے قیمت صرف ۱؎ ۴؍

پبلشرز میسرز راجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لوہاری گیٹ لاہور

گوپال پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام سوم پرکاش پرنٹر پبلشر کے چھپ کر لوہاری گیٹ لاہور سے شائع ہوئی۔

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔